کوئی اُسے بتائے

رقیہ علی



کوئی اُسے بتائے

رُقیہ علی





انتساب!

میری بہن عائشہ عرف عاشی

اور

بھائی اویس عرف سونو کے نام۔

اللہ عائشہ اور اویس کو

زندگی کی تمام نعمتوں سے نوازے۔

آمین

Theme

When we talk about humanity than we must mention great humantrian **Hazrat Muhammad** ﷺ.

What a beutiful practical examples Mumammad ﷺ gave to treat humanity. Abyssinian king Najashi refused to return Muslim due to humanity.

Thought-provoking point is that treatment with children and women in Gaza, is that humanity?

کوئی اُسے بتائے

کباب کا لقمہ منہ میں ڈالے سالک اس کے مختلف ذائقے کو محسوس کر رہا تھا، اس سے پہلے اس نے ایسے ذائقے دار کباب نہیں کھائے تھے۔ وہ مزے سے اِس کو چبا چبا کر کھا رہا تھا تا کہ اس لطف کو زیادہ سے زیادہ محسوس کر سکے۔ چباتے چباتے بے دھیانی میں اُس نے کانٹے کو پلیٹ میں مارا مگر وہ خالی ہو چکی تھی۔ وہ پلیٹ میں پڑے دونوں کباب کھا چکا تھا اور اس کو احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ جیسے ہی اُس کا کانٹا پلیٹ سے ٹکرایا اس کو خالی پلیٹ کا احساس ہونے سے پہلے عبدالرحمٰن تارڑ نے دیکھ لیا۔

''کلثوم بیگم! سالک بیٹے کو کباب دو۔''

''جی ضرور......ضرور......''

''سچ میں آنٹی، میں اور لوں گا۔ اِس سے پہلے میں نے ایسے مزیدار کباب نہیں کھائے۔ آپ کا کک بہت اچھی کوکنگ کرتا ہے۔''

مسکرا کر کباب اس کی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کلثوم بیگم۔

''حسینہ نے بنائے ہیں۔ کک نے صرف فرائی کیے ہیں۔''

''بھابی حسینہ نظر نہیں آ رہی۔ کہاں ہے؟''

جو اتنی دیر سے حسینہ کو ڈھونڈ رہی تھی، نفیسہ بیگم نے کلثوم بیگم سے پوچھ ہی لیا رادیہ اور شمامہ کی طرف دیکھتے ہوئے۔

''بھابی وہ ماں جی کے پاس گئی ہوئی ہے۔ جب بھی کوئی چھٹی آتی ہے وہ چلی جاتی ہے۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے ماں جی کو اس سے اور اُس کو ماں جی سے کتنی محبت ہے۔''

اِس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے عبدالرحمٰن تارڑ۔

"یوں کہیے یک جان دو لقب ہیں۔"

کندھے اچکاتے ہوئے اور منہ بناتے ہوئے رادیہ۔

"ہمیں اچھا نہیں لگتا وہاں ہے ہی کیا؟

اولڈ کلچر کے سوا۔

وہی بڑی حویلی، وہی دس نوکر جو نوکر کم اور مالک زیادہ ہیں۔

جن کو ہم پچھلے دس بیس سالوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

نظروں سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کلثوم بیگم نے اس کی طرف دیکھا مگر عبدالرحمٰن تو بول ہی پڑے۔

"بیٹا انھوں نے تم لوگوں کو ہی نہیں تمھارے باپ کو بھی پالا ہے، پالنے والے نوکر نہیں ماں باپ کی طرح ہوتے ہیں۔

ایسی بات کبھی ماں جی کے سامنے مت بولنا ورنہ میں بھی بچا نہیں پاؤں گا۔

اس بات کا تو پتہ ہے۔"

"جی ابو! بڑی اچھی طرح۔"

"انکل اِن دونوں کے نام ماڈرن اور حسینہ پرانا سا نام نہیں۔"

"جی بیٹا! یہ نام اُس کی دادی نے رکھا ہے۔

کیونکہ ماں جی کی امی کا نام حسینہ تھا۔"

اتنی دیر سے عثمان سانگھڑ جو سب کو سن رہے تھے بول ہی پڑے۔

"کیا سارب اور انشال بھی گاؤں گئے ہوئے ہیں، دونوں نظر نہیں آ رہے؟"

"جناب! گئے حسینہ کو چھوڑنے ہیں۔ شام تک واپسی کا بھی ارادہ تھا۔

اب دعا کریں کہ خیریت سے واپسی ہو۔"

''تم تو ایسے پریشانی کا اظہار کر رہے ہو، خیریت ہی ہوگی۔''

''آنٹی حسینہ آئے تو آپ ہمارے گھر اُس کو بھی لے کر آیئے گا۔''

''ضرور......ضرور تاشہ بیٹی۔'' پیار سے کلثوم بیگم۔

''اب تم نے دعوت دے دی تو سمجھو بیٹی ہم پہنچ گئے۔ اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔'' عبدالرحمٰن تارڑ محبت سے اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے۔

''بھابی اور بھائی صاحب آپ کو دعوت کی کیا ضرورت ہے آپ کا اپنا گھر ہے جب چاہے آئیں کوئی تکلف کی ضرورت ہے۔''

نفیسہ بیگم نے محبت سے کلثوم بیگم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے۔ ''ہم تو کھانے اور حسینہ باتوں میں سالک بیٹے سے تو پوچھنا ہی بھول گئے۔ کیسا رہا پڑھائی کا سفر؟

تم تو ڈاکٹر بننے گئے تھے وہیں کے ہو کر رہ گئے۔''

''انکل پہلے ڈاکٹری پڑھی پھر سپیشلائزیشن کی، اچھی آفر ہوئی تو وہاں کام شروع کر دیا۔

سچی بات ہے میرا تو آنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

یہ تو ابو اور امی کی وجہ سے آیا ہوں۔

بار بار وطن کی محبت کا درس دیتے تھے۔''

''سانگھڑ خاندان تو صرف سیاست کرے، اِن کو وطن سے محبت میں

یہ بات کسی کو ہضم نہیں ہوگی۔''

بات تو سالک سے کی مگر عبدالرحمٰن تارڑ نے عثمان سانگھڑ کی طرف دیکھا جو آج کل اِس قسم کی باتیں سن رہا تھا۔

''یار تم تو اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ بچپن سے جانتے ہو۔

اگر اتنا ہی سیاست سے لگاؤ ہوتا تو بیٹے کو ڈاکٹر نہ بناتا بلکہ کان سے پکڑ کر سیاست میں لے جاتا۔ میں نے اپنی مرضی سے سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ باپ دادا کی وجہ سے لیا تھا۔ لیکن ملک کی

حالت دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ بیٹے کو آزادی دی جو کرنا چاہے کر لے۔ پچھلے پندرہ سالوں سے باہر ہے۔
اس کو منت سماجت کر کے لایا ہوں۔ یہاں آ کر لوگوں کی خدمت کرو۔
تم مجھ پر شک ہی کرتے رہتے ہو۔''
''شک نہیں کر رہا جو سانگھڑ خاندان کا لوگوں کی نظر میں امیج بن رہا ہے وہ بتا رہا ہوں۔''
''یہ امیج کون بنا رہا ہے۔''
''یہ تم خود جانو مجھے کیا پتہ۔''
''میں نے اس ملک کے لیے اچھا کرنے کی کوشش کی ہے۔
میں جانتا ہوں اور میرا خدا۔
تم تو جانتے ہو ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے؟''
''یار کمی کسی کے پاس ہو یا نہ ہو ہوس سب کھا جاتی ہے۔''
ماحول کو سازگار بنانے کے لیے کلثوم بیگم سالک سے۔
''بیٹا! تم تو کھانا کھاؤ۔ اب یہ بحث چلے گی۔
بھابی! آپ بھی کچھ لیں۔ رادیہ آنٹی کی پلیٹ میں فش ڈالو۔ شمامہ تم تاشہ کو کچھ ڈال کر دو۔''
''بھابی پہلے ہی پلیٹ فل ہے۔''
''بھابی فش ضرور ٹرائی کریں۔ حسینہ نے بنائی ہے، آدھا کھانا وہ کک کے ساتھ بنا کر گئی ہے۔
آپ کو تو پتہ ہے وہ کیسی فش بناتی ہے۔''
''بیٹا تم بھی فش لو۔ حسینہ بہت مزے کی بناتی ہے۔'' نفیسہ بیگم۔ ''بیٹا! تم انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے۔''
''جی ضرور آنٹی۔''
اپنی پلیٹ میں فش ڈالتے ہوئے سالک رادیہ اور شمامہ سے۔
''آپ دونوں کو کیا کیا بنانا آتا ہے۔''
دونوں سالک کے سوال پر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں تو رادیہ۔

”کیچن کی کبھی شکل بھی نہیں دیکھی بنانا کیا آئے گا۔ کک ہے نا دراصل حسینہ دادی یعنی ماں جی کے ساتھ رہ رہ کر پرانے خیالات کی مالک ہے اِس لیے اُس کو یہ سب آتا ہے۔“

آہستہ سے شامہ۔ ”سچی جو بات ہے مجھے بھی کچھ نہیں آتا البتہ کبھی کچن کی شکل دیکھ لیتی ہوں کک سے بنوا لیتی ہوں۔“

پاس سے تاشہ۔ ”آپ کی بہن کو بھی کچھ نہیں آتا۔

ویسے بھائی ہمارے خاندانوں میں تو نوکر ہی پکاتے آئے ہیں۔ عورتوں نے تو مشکل سے ہی کچن کی شکل دیکھی ہے۔

یہ حسینہ ہی پرانی روح اور کچھ زیادہ اچھی ہے

ورنہ ہمارے دونوں خاندانوں میں ایسی لڑکیاں کہاں ہوتی ہیں، جن کو کام میں دلچسپی ہو۔“

بات تو تاشہ کی سچ تھی جس نے سالک کو چپ کروا دیا۔ کلثوم بیگم اور نفیسہ بیگم جو آپس میں بات کر رہی تھیں اچانک کلثوم بیگم۔

”میں پوچھنا بھول گئی تاجیل اور زرمین نہیں آئے۔“

”بھابی تاجیل اسلام گیا ہے ڈیلی گیشن آیا ہوا ہے اور زرمین کینیڈا اپنی بہن کے پاس گئی ہے۔“

وہ کھانا کھا ہی رہے تھے کہ عبدالرحمٰن کے فون کی گھنٹی بجی، نمبر دیکھتے ہی۔ ”خدا خیر کرے ماں جی کا فون ہے۔“ فون اٹھاتے ہی۔ ”جی ماں جی۔“

”ماں جی کے بچے، اِن دونوں کو یہاں سے جلدی بلاؤ۔ یہ اِدھر اُدھر گاڑیاں بھاگا کر اور مٹی اڑا کر، میرے غریب لوگوں کے دلوں میں احساس کمتری پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرا یہ مٹی سونا ہے، اڑانے کے لیے نہیں۔“

”جی ماں جی! ابھی بولتا ہوں۔“

اس نے فون بند ہوتے ہی جلدی سے بیٹوں کو فون لگایا۔ فون پر باپ کا نمبر دیکھ کر انشال ”لگتا ہے ابو تک خبر پہنچ گئی ہے۔“ فون اٹھاتے ہی۔ ”جی ابو۔“

''جلد از جلد دونوں واپس پہنچو۔''

''جی ہم آ رہے ہیں۔''

''ماں جی نے ہم دونوں کی خوب عزت افزائی کی ہے۔''

''تم دونوں اِسی قابل ہو۔

انھوں نے ٹھیک کی ہے۔

باقی گھر پہنچو، میں کرتا ہوں۔''

''جی راستے میں ہیں۔''

اُس کے چہرے پر غصہ اور آواز کی کڑک کو سنتے ہوئے عثمان سانگھڑ۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''اِن دونوں نے گاڑی سے گاؤں میں مٹی اڑائی ہے تو ماں جی کو لگتا ہے اِنھوں نے اِن کے غریب لوگوں کو سر اُٹھا کر جینے سے روکا ہے۔ بلکہ اُن کے سر کچلنے کی کوشش کی ہے۔''

''مطلب عبدالرحمٰن صاحب۔''

''مطلب وہ کہتی ہیں جیو اور جینے دو۔''

اس سے پہلے کہ کلثوم بیگم بولتی سالک۔ ''واہ! کیا عظیم عورت ہیں۔

آئی ریلی ایمپریس۔''

''یہ کوئی عام عورت نہیں ایسی عورتوں سے ہی قومیں بنتی ہیں۔ جو دوسروں کے لیول پر جا کر سوچتی ہیں۔

میں ایسے ہی خفا تھا یہاں کی ماؤں سے۔

ابھی بھی اس مٹی میں چنگاری باقی ہے، جو پورے جنگل میں آگ لگا دے گی۔ جیسے ابھی یہاں لگی ہے۔''

ساتھ ہی نفیسہ بیگم ''کھانا بہت لذیذ اور محبت سے مزین تھا۔''

''آپ کا بھی شکریہ بھابی! کہ آپ لوگ تشریف لائے۔ رادیہ اور شامہ تم دونوں سالک اور تاشہ

کو لے جاؤ، سالک کو گھر دکھاؤ۔

بھابی اور بھائی آئیں۔ہم ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔"

"آنٹی مجھے بھی دکھائیں۔"

"سوری بیٹا!

دراصل میرے ذہن میں تھا تم نے دیکھا ہوا ہے۔

چلو! تم دونوں دیکھ لو۔

بھائی! میری بیٹی کو سپیشل دکھاؤ۔" تاشہ کی گال پر پیار کرتے ہوئے کلثوم بیگم نے ہونے والی بدمزگی کو ختم کرنے کے لیے۔

دراصل زمیندار لوگوں کی عورتیں اس طرح موقع کی مناسبت سے ردعمل کا اظہار کرتی ہیں۔ان کا مقصد دوسروں کو اپنی چیز کو اچھا دکھانا ہوتا ہے۔دوسرا ماحول کو تلخ ہونے سے بچانا ہوتا ہے۔یہ عورت ہی ہے، جو بڑی سے بڑی مشکل گزرنے کا احساس بھی نہیں ہونے دیتی اور ڈھال بن جاتی ہے۔

وہ سالک کو گھر دکھا رہی تھیں۔دیکھتے دیکھتے وہ حسینہ کی تجربہ گاہ تک پہنچ گئے۔وہ اس کو چھوڑ کر آگے جانے لگی تو سالک۔

"یہ روم کیوں نہیں دکھایا، اِس میں کیا راز ہے؟"

مذاق سے تاشہ اُس کو بازو سے پکڑ کر آہستہ سے سالک کے کان میں۔"اِس روم میں پتہ نہیں کیا راز ہے۔میں نے بڑی دفعہ کوشش کی ہے مگر مجھے کبھی نہیں بتایا۔آپ پوچھ کر دیکھ لیں، شاید آپ کو بتا دیں۔آپ آج کے چیف گیسٹ بھی ہیں۔"

چہرے پر بھیگی بھیگی سی ہنسی تھی۔اُس کی بات سن کر رادیہ اور شامہ کی بھی ہنسی نکل گئی۔ہنستے ہوئے رادیہ۔"راز واز کچھ نہیں، حسینہ کی لیب ہے۔جس میں وہ کیمیکل کو ملا کر ری ایکشنٹ سے پروڈکٹ اور پروڈکٹ سے ری ایکٹنٹ بناتی رہتی ہے۔"

"کوئی حال نہیں رادیہ، تھوڑا سسپنس تو پیدا ہونے دیتی۔"

منہ بنا کر تاشہ۔ ''کوئی حال نہیں۔''

''تم دونوں بھی اس طرح پڑھا کو ہو۔''

کندھے اچکاتے ہوئے شامہ۔ ''ہم اتنے بورینگ نہیں۔ہم میں زندگی ہے اس میں تو بوڑھی روح ہے۔

وہ بھی سو سال پرانی۔''

ساتھ ہی رادیہ۔ ''آپ کو ابھی اُس سے ملنے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ ورنہ آپ دیکھتے ہی سمجھ جاتے 1870ء کی کوئی لڑکی، بھول کر اِس زمانے میں آگئی ہے۔اور اب بھٹک رہی ہے۔''

حیرت سے سالک۔ ''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ آہنک بانڈنگ پر یقین کرتی ہے لیکن یہ دنیا کو یلنٹ بانڈنگ سے چلتی ہے۔''

اُس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے شامہ۔ ''بھائی وہ فرٹیلیزر کی فیکٹری کی مانند ہے جو خود امونیا گیس ہے جس سے کھاد بنتی ہے۔ اِس فیکٹری میں رہ میٹریل تو کچھ نہیں جاتا مگر کھاد بہت نکلتی ہے جو پودوں اور کھیتوں کو زندگی دیتی ہے۔ وہ اِس سے پھلتے پھولتے ہیں۔

یعنی اِس کو دینا آتا ہے لینا نہیں۔

آسان الفاظ میں۔''

''تم دونوں تو کہتی ہو پڑھائی میں دلچسپی نہیں، مگر بات صرف ٹرمز میں کرتی ہو۔ ہے نا عجیب بات۔''

ساتھ ہی تاشہ وضاحت دیتے ہوئے۔ ''یہ اُس کی صحبت کا اثر ہے۔ وہ بھی زبردستی والی۔

ورنہ یہ تو صرف فلمز کے ڈائیلاگ کو کوٹ کر کے بات کریں۔

وہ کام بھی نوکری کی طرح کرتی ہے۔''

نصیحت آموز انداز میں رادیہ۔ ''آپ بچ جایئے گا کہیں آپ کو بھی امونیا نہ بنا دے۔ جو کھاد میں بدل کر خود تو دوسروں کو فائدہ دے مگر خود نہ لے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میں بھی کوڈینیٹ کو یلنٹ بانڈ ہوں آہنک نہیں۔''

ان میں تاشہ جو حسینہ سے دلی لگاؤ رکھتی تھی اور اُس کے خیالات کی حامی بھی تھی، مگر اِس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا بولے۔ چپ سنتی رہی۔ غصے سے آخر بولی۔

"بانڈنگ کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی۔ آپ بانڈنگ نہ کیجئے گا۔ بس چپ چاپ زندگی گزار دیجئے گا۔"

"آپ کی تجویز اچھی ہے۔
ہم بانڈنگ کریں گے ہی نہیں۔"

منہ بناتے ہوئے رادیہ۔ "وہ تو ہر حال میں کرنی پڑے گی۔
کیسے بچیں گے۔"

بڑے پرسکون انداز میں عبدالرحمٰن۔ "کیوں جناب عثمان سانگھڑ صاحب! سالک کا واپس جانے کا ارادہ ہے یا نہیں۔"

"نہیں......نہیں میں جانے نہیں دوں گا۔ پہلے ہی پندرہ سال بعد آیا ہے۔ میٹرک کے بعد گیا تھا۔"

"کیسے روکو گے۔"

"وطن کی مٹی روکے گی۔"

"اُس پر اثر ہو جائے گا؟"

پاس سے نفیسہ بیگم بڑے جوش و خروش کے انداز میں۔ "دونوں پاؤں ہی مٹی میں دبا دیں گے۔
پھر تو کچھ نہ کچھ ہو گا۔"

"بھابی آپ کو تو پتہ ہے وہ جو شروع سے ہی فیصلہ کرتا ہے پھر پہاڑ بن کر اس پر جم جاتا ہے۔"

دونوں عثمان اور نفیسہ بیگم کو دیکھتے ہوئے عبدالرحمٰن۔ "اب ہماری حسینہ کا بھی فیصلہ ہو جائے پچھلے پندرہ سال سے لٹکا ہوا ہے۔"

"آپ بھائی فکر نہ کریں اب آر پار ہو ہی جائے گا۔"

"پتہ نہیں بھابی چھینکا ٹوٹتا ہے یا پھر ہمیشہ کے لیے لٹکا رہے گا۔"

وہ باتیں کر رہے تھے تو سب آ گئے۔ پھر عثمان ''اب ہمیں اجازت دیں۔''

وہ اُن کو گاڑی تک چھوڑنے باہر آئے سب ایک دوسرے سے گلے مل کر گاڑی میں سوار ہو گئے۔

☆......☆......☆

''ماں جی! کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ وہ دونوں چلے تو گئے ہیں۔'' تسلی دیتے ہوئے حسینہ۔

''میری شہزادی پریشان ہونے کی ضرورت ہے کیسا زمانہ آ گیا ہے؟ یہ تو آگ لگانے والی بات ہے۔''

''آگ کیسے لگے گی؟''

''اِس طرح دوسروں میں احساس محرومی کے ساتھ حسد کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ حسد کی نظر آگ سے بھی خطرناک ہے۔

دوسرا غریب لوگوں کی عزت نفس مجروح نہیں ہو گی؟

جب اُن پر گرد اُڑ کر پڑا ہو گا۔

وہ اِدھر اُدھر تیز تیز گاڑی بھگا رہے تھے جو سڑک پر چل رہے تھے۔ اُن کے دل میں کیا کیا آیا ہو گا۔

کہ ہم ہی پیدل کیوں چل رہے ہیں؟

یہ گاڑی میں کیوں ہیں؟

بیٹا! گر سونا پہنو تو چھپا لو تا کہ دوسروں کے دل میں حسرت نہ پیدا ہو اور وہ اپنی زندگی سے بیزار نہ ہوں۔''

''ماں جی نئی نسل دوسروں کی جگہ پر جا کر نہیں سوچتی۔''

''بیٹی جیسا دیس ویسا بھیس ہونا چاہیے۔

جہاں جاؤ وہاں کے لوگوں جیسے بن جاؤ تا کہ وہ آپ کو اجنبی نہ جانے۔ آپ میں بیٹھ اور مل کر پرسکون ہو بے چین نہیں۔''

''جیسے آپ رہتی ہیں اِس طرح کوئی نہیں رہتا۔

یہ آپ کے ملازم ہیں مگر ہم کسی کو چاچا کسی کو خالہ اور کسی کو دادی کہتے ہیں۔ شہر میں تو نوکر کو نام لے کر پکارا جاتا ہے۔ آپ اِس کی تو کسی کو اجازت ہی نہیں دیتی۔ ابو تک آتے ہیں تو اپنے سے بڑے کو آگے بڑھ کر سلام کرتے ہیں اور یہ اُن کے سر پر پیار دیتے ہیں۔"

"بیٹا یہ اخلاق و کردار ہیں کوئی اگر ملازم ہے تو اِس سے اُس کا رتبہ کم نہیں ہو جاتا۔"

"ماں جی وہ یہ سب جانتے ہیں مگر پھر بھی انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ یقیناً سارب نے کیا ہوگا اور انشال منع کر رہا ہوگا۔ اب آپ نے جو کر دی ہے بھولے سے بھی نہیں کریں گے۔"

اتنے میں نذیراں دودھ کا گلاس لے کر۔ "بیٹی! دودھ پی لو۔"

"نہیں دادی! دل نہیں چاہ رہا۔"

"مالکن چھوڑ دیں۔ بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں، دیکھو ذرا! بچی بھی پریشان ہو گئی ہے۔"

"نذیراں! آج پریشان ہوگی تو کل کو اِن اقدار کی قدر کرلے گی اور اِن کو قائم رکھے گی۔ میرا کیا ہے۔ آج آنکھیں بند اور کل دوسرا دن۔"

"مالکن! اللہ آپ کو لمبی زندگی دے گا کیونکہ آپ گاؤں کا ماں کی طرح خیال رکھتی ہیں۔ سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

"اچھا! جاؤ پروین کو بھیجو، بستر صحیح کرے اور میری ٹانگیں دبا دے۔ آج یہ بھی بے جان ہو گئی ہیں۔"

"جی! بیٹی دودھ پی لو۔

یہ سب زندگی کا حصہ ہے۔ یہ چھوٹے واقعات آپ کو سکھانے کے لیے ہوتے ہیں۔ ورنہ انسان سیکھے کیسے؟"

پریشان حال بیٹھے عبدالرحمٰن۔ "بیگم! میں نے ان کو کئی مرتبہ سمجھایا ہے کہ ریش ڈرائیونگ مت کیا کرو۔ جو حرکتیں اِدھر کرتے ہیں وہی اُدھر کیں ہیں۔ مگر ماں جی تو گاؤں کے لوگوں کی دل اعزاری ہرگز برداشت نہیں کرسکتی۔ چاہے کچھ بھی ہو۔"

پرسکون کرنے کے لیے کلثوم بیگم۔ "اچھا چلو آتے ہیں تو سمجھا دیجئے گا۔"

''اور جو ماں جی نے میری کی ہے۔

بہت غصے میں تھیں۔''

''آپ سے درخواست ہے خود پر آپ اُن کے سامنے کنٹرول رکھیے گا۔اُن کو اقدار سکھائیں اِن اقدار کے لیے نفرت مت پیدا کریں۔محبت کی مار ماریں۔''

صوفے پر بیٹھی حسینہ پروین کو ماں جی کو دباتے دیکھ رہی تھی۔دودھ کا گلاس تو ہاتھ میں تھا مگر وہ وہاں نہ تھی وہ تو سوچوں کے سمندر میں غرق تھی۔اُس کو اِس قدر سوچوں میں کھوئے دیکھ کر اماں جی۔

''کیا بات ہے؟

کہاں ہو؟

کچھ کہنا ہے یا کہنے آئی تھی؟''

آواز سن کر۔''جی ماں جی! آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔''

''کہا تو بہت کچھ ہے مگر تم نے سنا نہیں۔''

''میں تو اپنی سہیلی سے ملنے آئی تھی بلکہ بہت خاص بات کرنے۔مگر وہ تو آج غصے سے آگ بگولہ بنی ہوئی ہے۔

سمجھ نہیں آ رہی کیسے بات کروں؟''

''میری شہزادی تم حکم کرو۔میں روئی کی طرح نرم ہو جاؤں گی۔''

''آپ فارغ ہو جائیں تو آپ سے بات کرتی ہوں۔''

''پروین! تم جاؤ۔

ہم سہیلیوں نے کچھ بات کرنی ہے۔نذیراں سے کہنا، ساروں کو کھانا کھلا کر جانے دے کوئی رہ نہ جائے، ہم ذرا مصروف ہیں۔''

جیسے ہی وہ حکم لے کر گئی حسینہ چھلانگ کر ماں جی کے ساتھ بستر پر بیٹھ گئی۔آہستہ سے حسینہ۔

''آج اُس نے گھر آنا تھا۔

بلکہ یوں کہیے وہ آیا ہوگا۔"

اُس کے منہ کی طرف دیکھتے ہوئے ماں جی۔ "تو تم کو وہاں ہونا چاہیے تھا۔

مگر تم یہاں کیوں ہو؟"

"میری چھٹی میری سہیلی کے لیے ہوتی ہے۔ کسی اور کو کیوں دوں؟"

"میں سہیلی ہوں مگر وہ تو کچھ اِس سے بھی زیادہ ہے۔"

"یہ بحث پھر کریں گے۔ بے وقوف اس سے ملتی، پندرہ سال بعد آیا ہے۔"

اُس کے گال پر پیار سے ہاتھ مارتے ہوئے۔ "میرے بغیر جینا شروع کرو۔"

"شروع کیا ہوا ہے۔

اس لیے تو آپ کے علاوہ بھی دل میں ہے ورنہ آپ ہی ہوتیں، کیا یہ جینے کی علامت نہیں؟"

پیار سے حسینہ کا گود میں سر رکھ کر اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے۔ "جاؤ جا کر اُس سے ملو اور بتاؤ کہ تم بھی ہو۔"

جاننے والے انداز میں سالک تاشہ سے۔ "یار یہ کیا چیز ہے حسینہ؟"

"وہ نام کی ہی حسینہ نہیں۔ اتنی خوبصورت ہے کہ سانس لینا بھول جاؤ گے کیونکہ اُس کا حسن دوسروں کو اپنی طرف کھینچنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔"

ہنس کر طنزیہ انداز میں سالک۔ "تم کتنی مرتبہ اُس کے سحر میں آئی ہو۔"

سنجیدگی سے اُس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے تاشہ۔ "یہ مذاق نہیں دیکھو گے تو پتھر کے بت نا بنے تو کہنا۔"

"تم کیا سمجھتی ہو میں نے حسن دیکھا ہی نہیں۔

جناب! دیکھا ہی نہیں صرف بلکہ حسن کے جال نے مجھے اٹریکٹ کرنے کی بھی بہت کوشش کی۔

مگر ماں بدولت ہاتھ آنے والے نہ تھے کیسے ہاتھ آتے۔"

"وہ صرف حسن ہوگا۔

مانا کہ تم حسن سے بچ گئے۔

مگر یہ حسن کے ساتھ پاکیزگی کا ملاپ ہے۔"

بیزاری سے سالک۔"اُس کے حسن کے قصیدے بڑھنے کے علاوہ اُس کی کوئی خاص بات کرو۔مزید نہیں سن سکتا۔"

"کام کرتی ہے تو خود کو بھی بھول جاتی ہے۔

دیکھا نہیں گھر میں لیب بنائی ہے اُس میں بھی کام نوکری کی طرح کرتی ہے جیسے لوگ۔وقت پر لیب میں جاتی ہے۔چھٹی کے دن صرف چھٹی کرتی ہے۔

ہاں لوگ تو وقت پر نوکری سے واپس لوٹ آتے ہیں مگر وہ ہٹ کر ہے،کام میں خود کو بھلا دیتی ہے۔

کام وہ عبادت کی طرح کرتی ہے۔

جب واسطہ پڑے گا تو سمجھ جاؤ گے۔"

"اتنی تعریفیں،بس کرو باقی میں پریکٹیکل کر کے آزماؤں گا۔"

اِسی دوران نفیسہ بیگم آگئی۔"دونوں بہن بھائی کیا باتیں کر رہے ہو؟"

"کچھ خاص نہیں۔موضوع حسینہ ہے۔

امی یہ کیا بات ہے ماں کے نام پر پوتی کا نام رکھا جائے۔"

"بیٹا یہ محبت کا ایک انداز ہے۔انسان اپنے پیاروں کو اِس طرح زندہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

محبت جیسے بھی کی جائے محبت ہی رہتی ہے۔"

"امی مجھے یہ انداز سمجھ نہیں آرہا۔"

"بیٹا!میں اور تمھارے والد صاحب بھی تم سے حسینہ کی بات کرنا چاہتے ہیں۔"

کمرے میں داخل ہوتے عثمان صاحب نے اپنا ذکر سنا تو۔"میرا ذکر وہ بھی بیگم کے منہ سے۔"

"سنجیدہ بات ہے مذاق چھوڑیں۔حسینہ کی بات ہو رہی ہے۔"

"بیٹا!اُس کا بھی فیصلہ کر ہی دو۔"

''ابو! میں ابھی تک اُس سے ملا بھی نہیں۔ مگر اُس کے سارے وکیلوں نے میرا محاسبہ کیا ہوا ہے، جرح جاری وساری ہے۔''

''تم فکر نہ کرو جلد ملاقات بھی ہو جائے گی۔''

''جب ملاقات ہوگی تو بات ہوگی۔''

''لو بیگم! معاملہ ہی ختم ہو گیا۔

اب تو فل سٹاپ لگ گیا ہے۔''

سارب اور انشال نے لاؤنج میں قدم رکھے تو عبدالرحمٰن۔ ''کہا تھا نا......''

الفاظ منہ میں ہی تھے کہ انشال جلدی سے۔ ''ابو! پہلے ہی ماں جی نے بہت کر دی ہے۔

اب پلیز آپ مت کریئے گا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔''

سر کو ہلاتے ہوئے سارب۔ ''سچ میں ماں جی کے بہت اصول ہیں۔

پہلی مرتبہ پالا پڑا ہے، کانوں سے دھواں نکل آیا ہے۔''

''بیٹا! وہ رائٹ ہیں آج انھوں نے ڈانٹا ہے تو کل کو آپ لوگ وہ کام نہیں کرو گے۔ غلط ایکشن کو روکنے کے لیے سزا ضروری ہوتی ہے ورنہ ری انفورس منٹ ملتی رہتی ہے اور کردار پختہ ہوتے جاتے ہیں۔ ہم پہلی غلطی کے بعد دوسری، پھر تیسری کرتے جاتے ہیں۔ یوں دلدل میں پھنستے جاتے ہیں، یہ ڈانٹ ہی ہمیں پھنسنے سے بچاتی ہے۔ ہم تھوڑی مٹی لگنے سے ہی لوٹ آتے ہیں۔''

شوہر کا ساتھ دیتے ہوئے کلثوم بیگم۔ ''بیٹا! تمھارے ابو ٹھیک رہے ہیں۔

ویسے بھی جب ماں جی کے پاس جاؤ احتیاط برتا کرو۔ آپ سب کو پتہ ہے وہ کوئی بھی کوتاہی برداشت نہیں کرتی ہیں۔ چلو! اب دونوں جاؤ۔''

ابھی انشال بستر پر لیٹا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ فون اٹھاتے ہی انشال۔ ''جی جناب! تم کو بھی خبر ہو گئی ہے کہ ہم آ گئے ہیں۔ فرماؤ۔''

''آپ تو ایسے مت کہیے۔''

’’اچھا نہیں کہتا بتاؤ کیوں فون کیا ہے؟‘‘

بھیگی بلی کی طرح آہستہ سے تاشہ۔ ’’آپ نے ایسی حرکت کیوں کی کہ آپ کو ماں جی سے ڈانٹ پڑے۔ آپ لوگوں کو جبکہ اُن کا پتہ ہے۔‘‘

’’جناب! میں نے نہیں، تمھارے اُس نے کی ہے۔ اچانک اُس نے گاڑی تیز کی تو گرد اُٹھانے لگا، یوں لگا جیسے بادل ہو۔ تو پھر اُس کو مزہ آنے لگا۔ میں نے تو بہت روکا مگر وہ روکنے سے رکنے والا کہاں تھا۔ کہنے لگا گاڑی کے شیشے بند کر کے گرد اٹھاتے ہیں، لگے گا ہم بادلوں میں بیٹھے ہیں۔ شیشے بند ہونے سے گرد اندر نہیں آئے گا مگر باہر فضاء دھندلی لگے گی تو مزہ آئے گا۔‘‘

’’اس نے کہا اور کر لیا۔

وہ تو ایسا ہی ہے۔‘‘

’’یہ جو تم مجھ سے ہر بات کرتی ہو اُس سے بھی کر لیا کرو۔‘‘

’’وہ میری کہاں سنتا ہے۔

ویسے بھی مجھ سے اُس سے نہیں ہوتی۔

آپ ہی ہیں جن سے بات کرتی ہوں کسی اور سے نہیں۔‘‘

’’بس تم اس سے ڈرتی ہی رہنا۔‘‘

’’ڈرتی ورتی نہیں۔

بس وہ ہائپر ہو جاتا ہے اور میں لڑنا نہیں چاہتی۔‘‘

’’ڈرتی بھی نہیں، لڑنا بھی نہیں چاہتی، تو کیا چاہتی ہو۔‘‘

’’کچھ بھی نہیں۔ چھوڑیں وہ تو میں بتانا بھول گئی۔ سالک بھائی بھی کل سے ہوسپٹل آنا شروع کریں گے۔ اُن کو تو بڑی آفرز آئی ہیں مگر انھوں نے آپ والا آکسیپٹ کیا ہے۔‘‘

’’مجھے اطلاع مل چکی ہے۔

کل اُن کے آنر میں پارٹی بھی دی جا رہی ہے۔

ظاہر ہے امریکہ کا لائق فائق ڈاکٹر ہے کوئی مذاق تھوڑی ہی ہے۔ وہ بھی منت سماجت کر کے بلایا گیا ہے۔''

''آخر بھائی کس کا ہے؟''

''مانا جناب! گُر ہو تو دنیا جھکتی ہے۔ آپ بھی اپنے گُروں کو بروئے کار لائیں۔''

''آپ کی دعائیں ہوں گی تو ایک نہ ایک دن ہمارے گُروں کے سامنے سارب تارڑ جھک جائے گا۔''

''جی جناب! اُمید پر دنیا قائم ہے۔''

☆......☆......☆

حال میں داخل ہوتے ہوئے امر کی طرف دیکھتے ہوئے تاجیل۔ ''آج تو تم بجلیاں گرا رہی ہو۔ لُک بھی ڈیفرنٹ ہے۔''

''میں تمھیں جانتی ہوں۔ مکھن کا مطلب۔''

اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تاجیل۔ ''خوبصورت کو خوبصورت ہی کہوں گا اور کیا۔''

''آگے چلو۔'' لاپرواہی سے۔

''آج کی پارٹی اہم ہے اِس میں منسٹرز کا انتخاب ہونا ہے۔ کوشش کرو کہ میں فارن منسٹر بنوں۔''

''گھر سے سارے راستے تم میری آنکھوں میں دیکھتے آئے تو میں سمجھی محبت ہوگئی ہے۔ جب بولے تو لگا پھر مکھن آیا اور وہی ہوا۔''

''محبت ہے تو پچھلے پانچ سالوں سے میری بیوی ہو۔'' دوسری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے۔

''مطلب آگے نہیں رہنے والی۔''

''اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے امر۔ ''اِس لیے اب ڈیل کر لیتے ہیں۔''

بغیر سنے تاجیل۔ ''تمھاری ہر شرط منظور ہے۔ بس میں فارن منسٹر بن جاؤں۔''

''سمجھو بن گئے لیکن پھر بھی سن لو۔'' آگے بڑھتے ہوئے امر۔ ''جب تک منسٹر رہو گے میں

تمھاری بیوی رہوں گی۔"

چلتے چلتے تاجیل رُک گیا پھر سوچ کر۔ "منظور ہے۔"

"جب باغ میں لگاؤں گی تو پھر پھل بھی میں ہی کھاؤں گی۔"

"کافی تیز ہوگئی ہو۔"

"آپ کی نظر کرم ہے، خودغرض ہونا ہم نے بھی سیکھ لیا ہے۔ ہاں ایک اور بات چاہے ڈور آپ کے ہاتھ میں ہوگی کا شامت۔ سوچ لینا کسی اور کی بھی چھت پر گر سکتی ہوں۔ پھر اُس کے حساب سے اُڑوں گی۔"

"میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔

کیونکہ مجھ کو آگے جانا ہے۔

کھاتہ کلیئر ہوگا تو راستہ آسان ہوگا۔"

خود سے امر۔ "وٹا گول ہو ہی جاتا ہے جب اُس کو ٹھوکر لگتی ہے۔"

عورت ہمیشہ وفادار ہو کر چلتی ہے مگر یہ مرد عورت کو ایسا بنا دیتا ہے کہ وہ خود کا فائدہ دیکھے ورنہ عورت اپنا فائدہ کہاں دیکھتی ہے۔ ورنہ تو جس کے پلو سے باندھو، بندھ جاتی ہے۔ اسی کی ہو کر زندگی گزار دیتی ہے۔ لیکن جب مرد اُس کو کھلونا بناتا ہے تو پھر وہ اُس کو بھی نچاتی ہے کہ وہ سب بھول جاتا ہے۔

میز پر پروین کے ساتھ ناشتہ پروتی ہوئی کلثوم بیگم سارب کو دیکھ کر۔ "آؤ، جلدی جلدی ناشتہ کرو۔"

"ناشتہ ہی ہے، ہو ہی جائے گا کوئی ٹرین تھوڑی ہی چھوٹ رہی ہے۔ جو آپ نے جلدی مچائی ہوئی ہے۔"

"کچھ ایسا ہی سمجھو، فیکٹری جاؤ، میاں جی آئے ہوئے ہیں۔ تمھارے ابا تو صبح نو بجے ہی چلے گئے تھے۔"

"یہ میاں جی کیوں ہر ماہ آدھمکتے ہیں، اِن کو گھر پر کوئی کام وام نہیں۔"

"ماں جی کے خاص آدمی ہیں، پچھلے پچاس سالوں سے کام کر رہے ہیں۔ ماں جی کے بن کہے

ہر کام ذمہ داری سے کرتے ہیں۔ سارا حساب کتاب اِن ہی کے ذمہ ہے، ایک روپیہ بھی اِدھر سے اُدھر نہیں ہونے دیتے۔ اِس لیے تو تم سب لوگ آرام سے سوتے ہو۔''

''کہاں سوتے ہیں، ہر ماہ بعد تلوار سر پر لٹکتی تو ہے۔''

وہ اُٹھ کر جانے ہی لگا تھا کہ کلثوم بیگم۔ ''سنو! پہلے سلام کر لینا۔

ورنہ کل کی کلاس دوبارہ ہو جائے گی۔ ویسے بھی بزرگ ہیں۔ بڑوں کا احترام تو فرض ہے نا۔''

''میاں جی کا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں؟''

''وہ ابھی فٹ فاٹ ہیں۔ بھول جاؤ۔

ہاں! سلام کرنا مت بھولنا۔''

بُرا سا منہ بنا کر۔ ''جی اچھا'' اور چلا گیا۔ پھر آدھے راستے سے واپس لوٹ کر سارب واپس آیا۔ اُس کو دیکھ کر کلثوم بیگم۔ ''اب کیا ہوا جناب کو؟''

''وہ انشال کہاں ہے اُس سے بھی پوچھ لیں۔''

''وہ ڈاکٹر ہے، اُس کی ڈیوٹی صبح آٹھ بجے شروع ہوتی ہے، لہٰذا وہ جا چکا ہے۔''

جاتے جاتے پھر سارب واپس لوٹا، کلثوم بیگم۔ ''اب کیا ہے۔''

''میں نے پوچھنا ہے سالک بھائی سے ملاقات کیسی رہی؟''

''بہت اچھی۔''

ابھی آگے کلثوم بیگم بولنے لگی تھی کہ سارب۔ ''ٹھیک ہے باقی تفصیلات رات کو ہوں گی۔''

دروازے پر مسلسل دستک دینے پر جب کوئی جواب نہ آیا تو شامہ نے دروازہ کھول کر اندر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ فوراً بھاگی۔ بغیر سانس لیے وہ حسینہ کی لیب کی طرف۔ وہاں پہنچی تو رادیہ پہلے سے موجود تھی وہ بتا رہی تھی۔ ''سالک بھائی بہت ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہیں۔''

اس سے پہلے وہ کچھ اور بولتی فوراً شامہ۔ ''ایلیگنٹ ایسے کہ آپ ایمپریس ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

اُس کا جملہ ابھی مکمل ہی ہوا تھا کہ رادیہ۔ ''کیا سٹائلش انداز میں کھاتے ہیں۔ واہ......

واہ......"

تجسس کے انداز میں حسینہ۔ "اُس نے کہا کچھ نہیں۔"

"کیا کہنا تھا؟

وہ تو صرف ہنستے ہی رہے۔

مگر تم یہ بتاؤ؟

اتنی تھکی ہوئی آئی ہو پھر لیب میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

اُس کی طرف دیکھتے ہوئے رادیہ منہ بنا کر۔ "جناب! آج چھٹی نہیں ہو سکتی تھی؟"

"بالکل نہیں۔ ایک دن کام نہ کرنے کا مطلب دو دن پیچھے رہ جانا۔"

اُس کی طرف دیکھتے ہوئے شمامہ۔ "صاف بات یہ ہے کہ قائداعظمؒ کے فرمان پر عمل کرنے والی تارڑ فیملی میں کہاں سے آ گئی ہے۔"

پاس سے رادیہ۔ "وہ انشال بھائی بھی تو ہیں اِن کی کاپی۔"

ساتھ ہی شمامہ۔ "مجھے تو سالک بھائی بھی اِن ہی کی فیملی سے لگتے ہیں۔ آگے دیکھتے ہیں۔ کیا ہوتا ہے۔"

ہنس کر رادیہ۔ "وہی ماں جی کا محاورہ۔

رب نے بنائی جوڑی ایک اندھا دوسرا کوڑی۔"

"اچھا اچھا تم دونوں جاؤ۔ مجھے کام کرنا ہے۔"

"ہم تو تمھارے لیے صبح صبح نیند قربان کر کے آئی تھیں۔ مگر نہیں بھائی، یہاں کوئی قدر نہیں۔"

"وہاں جناب! دوپہر کے ایک بج رہے ہیں ابھی بھی قربانی ہے۔"

منہ نیچے کر کے رادیہ۔ "ہمارے لیے ابھی صبح ہی ہے۔"

"جی جناب! بہت شکریہ آپ کی عنایت یاد رکھی جائے گی۔"

"بھولیئے گا بھی مت۔

مگر ہم بھولنے بھی نہیں دیں گے۔“

ابھی آفس میں سارب نے قدم رکھا ہی تھا کہ منیجر۔ ”میاں جی آئے ہوئے ہیں، سر کے ساتھ بیٹھے حساب کتاب کر رہے ہیں۔ مجھ سے تمھارا پوچھا تو میں نے کہا، راستے میں ہیں۔

بولے روز راستے میں ہی ہوتے ہیں یا پھر آج ہی۔“

”تم نے کیا کہا۔“

”میں چپ رہا، جواب جو نہ تھا۔“

”تمھارا چپ رہنا ہی بہتر تھا۔“

باپ کے آفس میں داخل ہوتے ہی جھٹ سے سارب۔ ”السلام وعلیکم! میاں جی۔“

”وعلیکم السلام۔“ بڑے خوش ہو کر۔ ”جیتے رہو برخوردار!

راستہ روز ہی اتنا لمبا ہوتا ہے یا پھر آج ہی۔“

مکھن لگاتے ہوئے سارب۔ ”جب تک آپ اور ابو ہیں راستہ لمبا ہو یا چھوٹا فرق نہیں پڑتا۔“

”برخوردار! کل کی تیاری آج ہی کر و تو بہتر ہے۔

ویسے ہی میں تو چانس پر چل رہا ہوں۔“

”آپ تو بہت فٹ فاٹ نظر آ رہے ہیں۔ بیس سال کہیں نہیں جانے والے۔ ویسے آپ لوگ کیا کھاتے تھے؟

مجھے تو لگتا ہے آپ نے آبِ حیات پیا ہے۔“

”بیٹا جی! خوراک خالص تھی رات کو جلدی سوتے اور صبح فجر کے وقت اٹھ جاتے تھے۔

آپ لوگوں کی طرح نہیں جس وقت سونے سے جسم کی ٹوٹ پھوٹ جو سارا دن ہوئی ہوتی ہے اُس کی مرمت ہونی ہوتی ہے آپ جاگ کر گزار دیتے ہو۔ یہ ٹوٹ پھوٹ جمع ہوتے ہوتے جلدی ہی جسم کو مزید کام کرنے سے روک دیتی ہے انسان بیماریوں کا شکار ہوتا ہے اور واپس چل پڑتا ہے۔ برخوردار محاورہ تو سنا ہوگا۔

Early to bed, early to rise, makes a man healthy, wealthy and wise.

میاں جی کی اِس بات نے سارب کو لاجواب کر دیا تھا۔ اِس ساری گفتگو میں عبدالرحمٰن تارڑ خاموش رہا تھا۔ کیونکہ میاں جی کے سامنے وہ بھی نہیں بولتے تھے۔ اِن کے خاندان میں گھر کے پرانے ملازموں کی عزت گھر کے بڑوں کی طرح کی جاتی تھی۔ کسی چھوٹے کو اگر بڑا سمجھائے تو کوئی نہیں بولتا تھا۔ اگر کوئی عروج پر ہوتا ہے تو اُس کے اِس عروج کی وجہ ہوتی ہے جیسے فرعون پر اُس وقت تک زوال نہیں آیا تھا جب تک وہ غریب لوگوں کو کھانا کھلاتا رہا تھا۔ ایک دن اُس کے کسی پیروکار نے اُس کو مشورہ دیا کہ آپ خود آل اِن آل ہیں۔ آپ اپنا مال کیوں ضائع کر رہے ہیں۔ آپ کو نقصان کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ تو اُس نے ایک ہی بھلائی کا راستہ جو اختیار کیا ہوا تھا اُس کو بھی بند کر دیا۔ جو اُس پر عذاب کو ٹال رہا تھا۔ پھر اُس کا انجام سب نے دیکھا۔ کوئی جتنا بھی برا ہو اگر وہ کوئی چھوٹی سی بھی نیکی کرتا ہے تو اللہ اُس نیکی کے بدلے میں اُس کو بچاتا رہتا ہے۔ عبدالرحمٰن تارڑ کے خاندان کے عروج کی وجہ بھی اِن کی اقدار تھیں۔ حالانکہ سارب پَر پرزے نکال رہا تھا مگر ماں جی کے ہوتے ہوئے وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اور ماں جی ایسی فوج تیار کر رہی تھیں کہ جو اُن کے بعد مورچا سنبھالنے کے لیے تھی۔

''عبدالرحمٰن بیٹا! میں سوچ رہا ہوں جب فصل کی کٹائی ہو تو سارب بیٹے کو لے جایا جائے تاکہ اِس کو لین دین بتایا جائے۔

انشال بیٹا تو خدمت خلق میں لگ گیا ہے۔''

اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے میاں جی۔ ''برخوردار! تم کو بھائی کا بھی حصہ سنبھال کر رکھنا ہو گا اور باوقتِ ضرورت اُس کو دینا ہو گا۔ جب کوئی نیکی کے راستے پر چلتا ہے تو دوسروں کا فرض ہوتا ہے اُس کی مدد کریں۔''

بڑے ادب سے عبدالرحمٰن۔ ''میاں جی آپ نے بجا فرمایا۔''

اُس کی طرف دیکھتے ہوئے میاں جی۔ ''ہمارے زمانے میں تو مولوی صاحب اور حکیم کی بڑی

عزت ہوتی تھی کیونکہ دونوں ہی دوسروں کے لیے جیتے ہیں۔ ڈاکٹر کی زندگی کب اپنی ہوتی ہے۔''

''میاں جی! دوسروں کے لیے جینا بھی کوئی جینا ہے۔''

''برخوردار! میں سمجھتا ہوں یہ ہی اصل جینا ہے۔''

اِن بے قیمت باتوں سے متاثر ہو کر عبدالرحمٰن۔ ''میاں جی! آپ کا سایہ رہے تو سب سمجھ جائے گا۔''

''جیتے رہو بیٹا! یہ تمھاری دی ہوئی عزت ہے ورنہ ہم تو اس گھر کے خادم ہیں اور آپ کے بھی۔''

''میاں جی! اب ماں جی کا غصہ کیسا ہے؟''

''کوئی غصہ نہیں بیٹا! وہ آپ لوگوں کو بچانا چاہتی ہے۔''

''جی میں جانتا ہوں۔ یہ بچے ہیں نا۔''

☆......☆......☆

جیسے ہی ڈاکٹر سالک ہال میں داخل ہوئے سب کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ ڈاکٹر افتخار احمد نے سب سے اُن کا تعارف کروایا۔ فرداً فرداً ڈاکٹر سالک سب سے ملے۔ ڈاکٹر افتخار احمد اچھے لوگوں کی قدر کرنے والے انسان تھے۔ ڈاکٹر عثمان، افتخار احمد سب کی توجہ مبذول کرواتے ہوئے۔

''آج کی یہ پارٹی ہم نے ڈاکٹر سالک سانگھڑ کے اعزاز میں دی ہے۔ یہ ہمارے لیے باعثِ فخر کی بات ہے کہ ڈاکٹر سالک سانگھڑ نے ہمیں جوائن کیا ہے۔ اب ہم سب کوشش کریں گے کہ اِن کے علم و تجربے سے فائدہ اٹھائیں۔ میں خود بھی اِس بہتی گنگا سے استفادہ کرنا چاہوں گا۔''

''اِس عزت افزائی کا شکریہ! میری بھی کوشش ہوگی کہ آپ کو مایوسی نہ ہو۔ میں آپ لوگوں سے سیکھوں اور ہم سب مل کر جہاں تک ہو سکے۔ دوسروں کے لیے مسیحا ثابت ہو۔ ہم سب مل کر ایسے چراغ بننے کی کوشش کریں گے۔ جن سے لوگوں کو روشنی تو ملے ساتھ ہی نئے چراغ بھی تیار ہوں۔ آج ہمارا ہے تو کل کسی اور کا۔ یہی زندگی ہے اور اس کی حقیقت بھی۔''

الفاظ تو ڈاکٹر سالک کے منہ سے نکلے تھے۔ مگر دوسروں پر اِن کا اثر سحر انگیز تھا۔ کیونکہ اِس میں

عمل بھی شامل تھا صرف الفاظ نہ تھے۔ متاثر کن انداز میں ڈاکٹر مناہل ڈاکٹر انشال سے۔

''بات کرنے کا انداز کتنا ایمپریسو ہے۔ لگتا ہے ساری ڈاکٹری اُردو میں کی ہے۔ اِس قدر اچھے اُردو بولتے ہیں۔''

''میٹرک کے بعد امریکہ چلے گئے تھے پندرہ سال بعد آئے ہیں۔''

''پھر بھی کیا اندازِ گفتگو ہے۔ ڈاکٹر بھی کمال کے ہو گئے۔''

اُس کو مزید وضاحت دیتے ہوئے ڈاکٹر انشال عبدالرحمٰن۔ ''جب کام کریں گے تو سمجھ جاؤ گی۔ لگے گا کسی اور دنیا سے آئے ہیں۔ وہاں تو مشہور تھے ہی، یہاں بھی برانڈ بن جائیں گے۔''

پاس سے ڈاکٹر انس۔ ''برانڈ تو وہ آنے سے پہلے ہی بن چکے ہیں۔''

''ساتھ سے دوسرا ڈاکٹر۔'' دیکھا نہیں ڈاکٹر افتخار اُن کو گنگا کہہ رہے تھے۔''

مسکرا کر ڈاکٹر انس۔ ''ایک دو مرتبہ میری اِن سے ملاقات ہو چکی ہے، بہت ہی ہمبل انسان بھی ہیں۔ البتہ ہم سب کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔''

ساتھ والا ڈاکٹر کولڈ ڈرنک لیتے ہوئے۔ ''مطلب خود بھی کام کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی یہی چاہتے ہیں، یعنی اب صرف کام، کام اور صرف کام ہوگا آرام کو بھول جائیں۔''

جیسے ہی ڈاکٹر انشال لاؤنج میں داخل ہوا تو کلثوم بیگم۔ ''آ وَ، اتنی جلدی تمھاری پارٹی ختم ہو گی۔''

''امی! آپ کو تو ڈاکٹر افتخار احمد کا پتہ ہے۔ ہر کام وقت پر کرتے ہیں ایک منٹ بھی اوپر نہیں ہونے دیتے۔''

''چائے پیو گے۔'' عبدالرحمٰن کے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے۔ ''نہیں، امی۔''

''کیسی رہی تمھاری پارٹی۔''

''ابو بہت اچھی، ابو بہت اچھی، سب سالک بھائی سے بہت ایمپریس تھے۔ جو انھوں نے اُردو میں اپنے الفاظ کا اظہار کیا سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ لوگ تو گمان کرنے لگے شاید اُردو میں ڈاکٹری کی ہے۔''

''بیٹا! جو ایک کام میں کمال ہوتا ہے وہ سب میں بھی۔''

خوش ہوتے وقت کلثوم بیگم۔ ''شکر ہے میری بیٹی جیسی خود ہے ویسا ہی ہمسفر ملا ہے۔''

خوشی سے عبدالرحمٰن۔ ''میری بیٹی جیسی کوئی صابر بھی تو نہیں۔ کتنے سالوں سے اُس کا انتظار کر رہی ہے۔''

''امی اور ابو! اب اُس کا انتظار ختم ہو گیا ہے۔''

اِس ساری گفتگو میں رادیہ اور شامہ چپ بیٹھی تھیں وہاں سے بھاگیں تو کلثوم بیگم۔ ''اب اِن کو کیا ہو گیا ہے۔''

''امی، کیا ہونا ہے حسینہ کو بتانے گئی ہوں گی۔''

بستر میں بیٹھی حسینہ کتاب پڑھ رہی تھی کہ دھک سے دروازہ کھولا اور دونوں بھاگتی ہوئیں اُس کے پاس پہنچیں۔ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ رادیہ۔ ''پہلے میں بتاؤں گی'' شامہ ''نہیں پہلے میں بتاؤں گی۔''

''تم دونوں ٹاس کر لو۔ میں تب تک یہ پیج پڑھ لیتی ہوں۔''

''ٹاس واس کی ضرورت نہیں۔'' جلدی سے رادیہ۔ ''سالک بھائی نے کیا اُردو میں تقریر کی ہے......''

ابھی اُس کا جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا تو شامہ۔ ''انھوں نے چراغ اور زندگی کا فلسفہ بیان کیا ہے کہ سب پر جادو جیسا اثر ہوا۔''

مسکرا کر۔ ''تم دونوں پر بھی تو ہوا ہے سارا کچھ اُردو میں ہی بتا رہی ہو ورنہ آدھی اُردو اور آدھی انگلش ہوتی ہے۔''

آہستہ سے شامہ۔ ''لگتا ہے سب سالک بھائی کے حصار میں آ جائیں گے۔''

ہنس کر حسینہ رادیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر۔ ''آ جائیں گے نہیں آ چکے ہیں۔ مجھے آج یقین ہو گیا ہے۔''

سالن کو سالک کی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے نفیسہ بیگم۔ ''آج میں بہت خوش ہوں۔ آج پندرہ سالوں کے بعد میری پوری فیملی اکٹھی ہوئی ہے۔ میری تو آج عید ہے۔''

نیچے منہ کر کے کھاتے ہوئے تاجیل سے عثمان سانگھڑ۔ ''جی بیٹا جی! آپ کا اسلام آباد کا ٹور کیسا رہا؟''

''ابو! آپ کا بیٹا اِس مرتبہ فارن منسٹر بن جائے گا۔''

''واہ! بیٹا جی بڑی تیزی سے ترقی کی ہے۔ ہم تو ساری زندگی ایم پی اے سے آگے نہیں گئے۔''

''ابو! آپ کو بھی تو اپنے گاؤں کی ترقی سے آگے کچھ سوجھا ہی نہیں۔ اپنے بارے سوچتے تو بہت ترقی کرتے۔''

''اپنے بارے میں سوچنے سے کیا مراد ہے برخوردار؟''

اِس سے پہلے تاجیل کچھ کوئی جواب دیتا سالک۔ ''انھوں نے اپنے بارے میں ہی تو سوچا ہے۔ اس لیے گاؤں کی ترقی پر دھیان دیا ہے۔ ہمارے گاؤں میں سکول، کالج اور ہسپتال ہے۔ یہ کیا کم ترقی ہے؟''

طنزیہ انداز میں تاجیل۔ ''تم بھی گاؤں میں جا کر اُس ہسپتال میں کام کرو۔ تم بھی تو اپنے بارے میں سوچو۔''

''سوچ رکھا ہے پہلا حق میری مٹی کا ہے۔ اِس لیے ہفتہ اتوار اپنی مٹی کو دوں گا۔ جوائن کرنے سے پہلے ڈاکٹر افتخار کے سامنے شرط رکھ دی تھی۔ اِس لیے کہ میرا وجود اِسی مٹی سے بنا ہے۔ وہ ہے تو میں ہوں ورنہ میں کچھ نہیں۔''

اِس جواب نے تاجیل کا منہ بند کر دیا اُس سے کوئی جواب نہیں بن پا رہا تھا۔ عثمان سانگھڑ بیٹے کے جذبات سن کر مطمئن ہو گیا کہ ابھی اُمید باقی ہے۔ وہ بنیادی طور پر دوسروں کی بھلائی کا سوچنے والا انسان تھا اِس میں ساری عمر لالچ نہیں آیا تھا۔ سالک بھی باپ کی طرح تھا اِس پر بھی امریکہ کا اثر نہیں ہوا تھا۔ مگر تاجیل زمانے کے رنگ پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مسکرا کر سالک کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر عثمان سانگھڑ۔

''سیدھا راستہ اختیار کیا ہے اِس پر میں تمھارے ساتھ ہوں۔ جب بھی پیچھے مڑ کر دیکھو گے۔ مگر بیٹا! مشکل ہے۔''

''آپ ساتھ ہیں تو مشکل کیسی۔''

ماحول کو پر سکون کرتے ہوئے نفیسہ بیگم۔''زرمین تمھارے گھر والے کیسے ہیں؟''

''سب ٹھیک ہیں۔''

''تم کیوں نہیں بول رہی۔''

''میں سن کر سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''بیٹا! تم ہی نہیں ساری بیویاں یہی کرتی ہیں۔''

''لیکن میں کچھ ہٹ کر کرنا چاہتی ہوں۔''

دوبارہ سالک کی پلیٹ بھرتے ہوئے تاشہ نے دیکھا تو بولی۔''امی! صرف سالک بھائی کو ہی کھلائیں گی، باقی آپ کے بچے نہیں۔''

''ماں کے لیے سب بچے ہوتے ہیں۔ یہ دیر سے آیا ہے اِس لیے ممتا کی پیاس بجھا رہی ہوں۔''

''میں سوچ رہی ہوں میں بھی دور چلی جاؤں تاکہ آپ اپنی ممتا کی پیاس بجھانے کے لیے مجھ سے بھی اتنا پیار کریں۔''

اپنی پلیٹ میں سے تاشہ کی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے سالک۔''دور مت جاؤ۔ ہم ابھی اپنی محبت کا اظہار کر دیتے ہیں۔''

''یہ تو آپ کی محبت ہے ماں کی کہاں۔''

''لو بیٹا! میں بھی اظہار کر دیتی ہوں۔'' کباب تاشہ کے منہ میں ڈالتے ہوئے نفیسہ بیگم۔''اتنا پیار یا اور۔''

اِس دوران تاجیل گم سم تھا اور عثمان اُس کو ہی دیکھ رہا تھا۔ اُس سے تو کچھ نہیں کہا مگر سالک سے ''کیسی رہی پارٹی۔''

''ابو! ایم ایس نے بہت عزت دی ہے۔ میری جوائنگ کو باعث فخر قرار دیا۔''

خوش ہوکر۔ ''بیٹا! تم بھی کوشش کرنا باعث فخر ہی بنو۔''

''میری تو پوری کوشش ہوگی۔''

''تو سمجھو ہوگیا جو سعی کرتا ہے وہ پاتا ہے۔''

چائے کا کپ عبدالرحمٰن سے پکڑتے ہوئے کلثوم بیگم۔ ''آج عثمان بھائی اور نفیسہ بھابی بہت خوش ہوں گے۔''

اُس کی تصدیق کرتے ہوئے عبدالرحمٰن۔ ''ظاہر ہے بیٹا اتنا لائق فائق ہے اُس کو امریکہ والے بھی نہیں آنے دے رہے تھے تو پھر، ہم ہیں ہی پسماندہ ملک۔ یعنی پسماندہ ملکوں کے لوگ بھی باعث فخر ہوسکتے ہیں۔''

اُس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے عبدالرحمٰن۔ ''بیٹا! اِس کے لیے لگن، محنت اور دیانت داری کی ضرورت ہے۔''

''آپ نے تو آج کے زمانے کے لحاظ سے مشکل کام بتایا ہے۔ آج کا انسان تو شارٹ کٹ کے چکر میں ہے۔''

''بیٹا! میں نے دو اور دو چار کا فارمولہ بتایا ہے۔''

''چاند کو ہاتھ لگانے کو کہہ کر فارمولے کا نام دے دیا ہے۔''

کلثوم بیگم خوش ہوکر۔ ''پھر کب سے جوائنگ ہے۔''

''کل سے۔''

کچھ سوچ کر انشال۔ ''میں پوچھنا بھول گیا۔ کیسی رہی میاں جی سے ملاقات۔''

''معمول کی طرح انھوں نے سارب کو نصیحتیں کیں اور اُس نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیں۔''

''اور آپ معمول کے مطابق خاموش رہے۔''

''بیٹا! جب اولاد جوان ہو تو خاموش رہ کر اُن کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے، ورنہ وہ نفرت کا لاوا بن جاتے ہیں۔''

''اچھی حکمت عملی ہے۔''

☆......☆......☆

ہمارے لیے وقت کوئی معانی نہیں رکھتا حالانکہ ایک ایک منٹ قیمتی ہے۔ایک منٹ میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔اگر سکول آٹھ بجے لگتا ہو تو ہماری مائیں سوا آٹھ بھیجتی ہیں اور وضاحت دی جاتی ہے پندرہ منٹ سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ ہی ٹریننگ اکثر دکھاتی ہے ہماری عملی زندگی میں بارات کا وقت سات بجے ہوتا ہے تو نو بجے پہنچتی ہے اور مہمان بھی پارٹی یا شادی میں دو گھنٹے دیر سے پہنچتے ہیں۔اگر وقت کے پابند لوگ وقت پر پہنچ جائیں تو اُن کو پینڈو تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی دیر سے پہنچنا ہمارے معاشرے میں ماڈرن اور فیشن کی علامت سمجھا جاتا ہے۔سب سے نازک پروفیشن ڈاکٹری ہے جس میں ایک منٹ کی دیر انسان کو اِس دنیا سے اُس دنیا میں پہنچا دیتی ہے مگر ٹریننگ کا اثر یہاں بھی دیر ہو ہی جاتی ہے پھر آخر میں افراتفری پڑی ہوتی ہے۔

وارڈ کی طرف بھاگتی ہوئی ڈاکٹر مناہل جا رہی تھی۔ پاس سے گزرتی ہوئی دوسری ڈاکٹر۔''آج اتنی جلدی کہ سانس بھی اوپر نیچے ہوا ہوا ہے۔'' ہنس کر''دراصل! آج سر سالک نے جوائن کرنا تھا اور اُن کا آج وارڈ راؤنڈ بھی تھا۔''

''پھر تو جلدی جاؤ۔ وہ تو صبح سات بجے کے آئے ہوئے ہیں اور آٹھ بجے انھوں نے وارڈ راؤنڈ بھی شروع کر دیا تھا۔وہ کہہ رہے تھے آؤٹ ڈور شروع ہونے سے پہلے وارڈ راؤنڈ ختم ہونا چاہیے تاکہ اِن ڈور اور آؤٹ ڈور دونوں پیشنٹ کو پوری پوری توجہ ملے۔ڈاکٹرز بھی ریلکس رہیں۔''

''او نو! پہلے دن ہی بیڈ ایمپریشن۔''

''اچھا! میں چلتی ہوں پھر بات ہوگی۔''

پچھلے پندرہ منٹ سے ڈاکٹر سالک فائل دیکھ رہے تھے فائل بند کرتے ہوئے ڈیوٹی ڈاکٹر کا نام

پڑھ کر۔ ''جی ڈاکٹر اسجد۔''

''نمونیا اور سانس بند ہونے کی Symptoms یہ پیشنٹ آیا تھا۔ اب کافی امپرومنٹ ہے۔

i) CRP (C Reactive Protein) Test

ii) CBC (Complete Blood) Test

iii) X-ray

ٹیسٹ کروائے ہیں اور

Amoxicillin syrup دیا ہے''

dyspnea (painful breathing)

Epigastric pain

میں بھی کافی بہتری ہے۔''

جی سر Risek 40mg خالی پیٹ۔

Tab Myteka رات کو دیتے ہیں۔''

''گڈ! اب اِن کو ڈسچارج کردو۔ گھر کا ماحول اِن کے لیے زیادہ فائدہ ہوگا۔ پیشنٹ تیزی سے امپرومنٹ کی طرف جائے گا۔''

دوسرے بیڈ کی طرف جاتے ہوئے ڈاکٹر سالک۔

''پیشنٹ کو Inhaler ضرور ریکومنڈ کرنا کیونکہ یہاں تو اِن کو آکسیجن دیتے رہے ہیں گھر میں ایسا نہیں ہوگا۔''

''جی سر۔''

دوسرے پیشنٹ کی فائل دیکھنے کے بعد اُس کا نام پڑھ کر چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کیونکہ اِس پیشنٹ کا نام حسینہ تھا جو اِس کی حسینہ کا نام تھا ڈیوٹی ڈاکٹر کا نام پڑھ کر۔ ''یہ ڈاکٹر مناہل اور ڈاکٹر انشال کہاں ہیں۔''

''سر! ڈاکٹر انشال آج چھٹی پر ہیں کیونکہ ان کی ڈیوٹی رات کی ہوتی ہے اور ڈاکٹر مناہل۔''

ڈاکٹر بولتا بولتا رُک گیا۔

''وہ چھٹی پر ہے تو ڈاکٹر مناہل کہاں ہیں۔''

سب چپ تھے ابھی چپ ہی تھی تو ڈاکٹر مناہل۔''جی سر! یہ میری پیشنٹ ہیں۔

i) Epigastric pain

ii) Abdominal distention

iii) Vomiting

آئی تھی مزید Right Kidney Surgically removed ہے۔

i) blood complete Test

ii) Liver function Test

iii) Renal function test

کروایا ہے۔ Acute on chronic HEPB ہے۔

Albimin 2.5

Billirubin 13.3

Creatinine 0.6 ہے۔

''ہم Albimin بڑھانی اور Billirubin کم کرنی ہے تاکہ لیور کام کرے۔

Albumin 100cc Salt free 20%

Tefod 25mg لگاؤ باقی

Duphalac 2 Spoon

Rifaxamin 550 mg

صبح شام کھانے کے بعد PelTon-V دو۔

Lasix 40mg

پیشاب کے لیے دو۔ باقی میں ڈاکٹر سالک کے لیے بات کروں گا۔''

''جی سر۔''

آگے جاتے جاتے۔ ''کوئی کیئرلس نس نہیں چلے گی۔''

یہ الفاظ سنتے ہی ڈاکٹر مناہل کو شرمندگی محسوس ہوئی اِس نے منہ نیچے کرلیا۔ سب کے چہرے کے تاثرات کہہ رہے تھے شکر ہے قیامت کا منظر ختم ہوا۔

ہسپتال سے گھر واپس جاتے ہوئے سالک انشال کے پاس سیدھا گیا۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوا تو کلثوم بیگم۔

''بیٹا تم! خیریت تو ہے۔''

''کیوں؟ میں نہیں آسکتا۔''

''تم ہی تو آسکتے ہو۔''

''آنٹی! انشال کہاں ہے۔'' ابھی وہ پوچھ ہی رہا تھا تو انشال۔ ''بندہ حاضر خدمت ہے۔''

''جناب! آیئے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

''امی آپ چائے بھیج دیں۔''

''جی بیٹا۔''

بیٹھتے ہوئے سالک۔ ''تم سے تمھاری اور مناہل کی پیشنٹ حسینہ کے بارے میں بات کرنی ہے بلکہ اِس کے لیے تمھاری زیادہ توجہ اور کوپریشن کی ضرورت ہے۔ مریضہ کی حالت کریٹیکل ہے۔''

''جی سالک بھائی! اُس کا Ascitus بہت بڑھ گیا ہے۔ پیٹ میں پانی بڑھ گیا ہے۔''

''تم اِس کا پانی مت نکلوانا۔ اِس کو Lasix 40mg دو۔''

''مگر اُن کا بلڈ پریشر لو ہوتا ہے ڈر ہے کہیں Unconcious نہ ہو جائیں اس لیے نہیں دے رہے۔''

"Lasix کے ساتھ سیون اپ دیتے رہو اِس سے Consious رہے گی اور اگر پھر بھی پیشاب میں مسئلہ ہوتوAldacton 100mgدو۔"

It sounds good

I think it will work

definitelly, liver work to but special attention is needed to get exceptional resutls. My Heart to word her. I will turn to no stone unturned.

(یقیناً جگر کام بھی کرے گا مگر اس کے لیے بہت توجہ کی ضرورت ہے زیادہ نتائج حاصل کرنے کے لیے۔ میرا دل اس کی طرف ہے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا)

"میں بھی پانی نکالنے کے حق میں نہیں ہوں۔ مجھے بھی پتہ ہے اور زیادہ بنے گا۔" اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر انشال۔ "میری طرف سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"اِس دوران طبیعت خراب ہوتوDuphala بند مت کرنا موشن بھی ضروری ہے۔"

"نہیں کروں گا۔"

"دوسرا میرے آنے سے پہلے تم ہسپتال سے گھر مت آنا۔ ہم اس طرح کام کریں گے کہ تم اگر گھر ہوتو میں وہاں پر موجود ہوں۔"

وہ باتیں کر رہے تھے کہ کلثوم بیگم پروین کے ساتھ چائے لے کر آ گئی۔ وہ سالک کے لیے چائے بنانے لگی تو انشال "امی! آپ جائیں۔"

کپ میں چائے ڈال کر دیتے ہوئے انشال۔ "آپ بہت لگن سے کام کرتے ہیں۔"

"شکریہ! انشال یہ بتاؤ کہ ای۔سی۔جی اور سٹی سکین کیوں کروایا ہے اُس کالیور سے کیا لینا دینا ہے۔"

"آپ یہاں کو نہیں جانتے پرائیویٹ ہسپتال والے کہتے ہیں جو مریض آ گیا ہے اِس کو نچوڑ لیا جائے۔"

''یہ غلط نہیں۔''

''غلط تو بہت کچھ ہے آپ ایک دن میں ٹھیک نہیں کر سکتے۔''

چائے کا کپ رکھتے ہوئے۔ ''چلو! میں چلتا ہوں۔''

''بس! میں بھی ہسپتال کے لیے نکلنے لگا ہوں۔''

وہ لاؤنج سے باہر نکل کر لان سے گاڑی کی طرف جا ہی رہا تھا کہ حسینہ پھول ہاتھ میں لیے آ رہی تھی۔ وہ اپنی مستی میں تھی کہ اچانک اُس کے پاؤں میں موج آ گئی اور سالک جو آگے سے آ رہا تھا سیدھے پھول اُس کے قدموں میں۔ اپنی موچ کی پرواہ کیے بغیر جیسے ہی اُس کی نظر سالک پر پڑی فوراً اُٹھی اور پھول سمیٹنے لگی۔ وہ بھی قدموں میں پڑے پھولوں کو دیکھ رہا تھا کہ اُس کی نظر حسینہ پر پڑی۔ وہ اُس کو دیکھنے لگا اتنی دیر میں حسینہ پھول اُٹھا چکی تھی جانے لگی تو سالک۔

''مجھے جانتی ہو۔''

جواب دینے کی بجائے وہ اُس کو غور سے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو''تو اور نہیں کیا۔''

اس کی یہ بات حسینہ کو اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ بڑی مایوس ہو کر اندر جا رہی تھی اور وہ گاڑی کی طرف۔ سالک نے پیچھے مڑ کر دیکھا مگر حسینہ نے نہیں۔ پھر تھوڑی دور جا کر سالک نے مڑ کر دیکھا اور گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

دل میں اِس قدر چبھن ہوئی کہ حسینہ سیدھی کمرے میں گئی۔ ماں جی کو فون ملایا۔ جیسے ہی انھوں نے فون اُٹھایا بغیر سلام دعا کیے۔ ''وہ کہتا ہے میں اُس کو جانتی ہوں۔

میرے پور پور میں رہتا ہے پھر پوچھتا ہے۔''

سہیلی ہو تو ایسی فوراً سمجھ گئی۔

''تم تو جانتی ہو۔ مگر ہو سکتا ہے وہ نہ جانتا ہو۔''

''یعنی کوئی اور اُس کی زندگی میں ہے۔''

اُس کی آواز سے اُس کے دکھ کو بھانپ کر بات بدلتے ہوئے ماں جی۔ ''میرا یہ بھی مطلب نہیں تھا۔''

''پھر آپ کا کیا مطلب تھا؟''

''وہ اتنے سالوں بعد آیا ہے۔ اُس کو لگا ہوگا شکل بدل گئی ہے اکثر شکل وصورت بدلنے سے انسان بھی بدل جاتے ہیں۔''

''یعنی میں سمجھو، اب وہ میرا نہیں۔''

''ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی! کوئی میم بھی تو اُس کے ساتھ آئی ہے۔''

''جہاں تک میری معلومات ہیں وہ اکیلا آیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے نمبر لایا ہو پھر لانی ہو۔''

''یہ ہوسکتا ہے۔''

''مگر تمھارے جاسوسوں نے کیا بتایا ہے۔''

''اُن کے مطابق وہ میرا ہی بن کر آیا ہے۔''

''پھر حوصلہ رکھو۔ بس ویسے ہی بات کرنے کے لیے پوچھا ہوگا۔''

''آپ سچ کہہ رہی ہیں۔''

''سو فیصد۔''

''یہاں سے جانے کے بعد وہ بھی سیدھا تاشہ کے کمرے میں آیا۔ یو آر رائٹ۔ اُس کا حسن اور پاکیزگی معطر پھول کی طرح ہے۔

حسن کے سحر سے تو بندہ نکل سکتا ہے مگر پاکیزگی کی خوشبو آپ کے ساتھ آجاتی ہے۔

کیا وہ ایسے ہی سر اور خود کو ڈھانپ کر رکھتی ہے۔''

''وہ تو اپنے پر کسی کی نظر بھی نہیں پڑنے دیتی۔ شادیوں پر بھی میک اپ نہیں کرتی۔ پارٹیز میں تو ویسے ہی نہیں جاتی۔''

خود سے آہستہ سے سالک۔ ''یعنی اُس کا سارا کچھ میرے لیے ہی ہے۔''

''کیا کہا؟''

''کچھ نہیں، ویسے ہی۔''

''آپ نے اُس کو کہاں دیکھا۔''

''میں انشال سے ایک کیس ڈسکس کرنے گیا تھا تو اُس کے پھول میرے قدموں میں گر گئے۔''

''کیسے گر گئے۔''

''ظاہر ہے میں گاڑی کی طرف آ رہا تھا اور وہ پھول ہاتھ میں لیے آ رہی تھی اچانک اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میرے پاؤں میں آ گئے۔ مجھے ویلکم کرنے کے لیے۔''

''شکر کریں اُس کے پھول گر گئے اُس کا بس چلتا تو پوری گر جاتی۔''

خود سے سالک۔ ''کیا بتاؤں۔ وہ تو ساری کی ساری میرے قدموں میں تھی۔''

''ایک تو آپ منہ میں بہت بولتے ہیں۔''

''تم میرے بولنے پر دھیان نہ دو۔

میرا خیال ہے میں چل کر آرام کروں۔''

وہ جانے لگا تو تاشہ۔ ''میری ایک بات کا جواب تو دیتے جائیں۔''

''ایک تو نانی اماں تم جواب بہت مانگتی ہو، بہر حال پوچھو؟''

''دیکھ کر آپ کے دل نے اُس کو جگہ دی یا نہیں۔''

منہ بنا کر سالک۔ ''یہ تو وقت بتائے گا۔''

''یعنی آپ آبزرور ہیں چیز کو دیکھا تو اچھی لگی تو تعریف کر دی ورنہ آگے نکل گئے۔ اِس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

منہ بنا کر اُس کے آگے کھڑے ہو کر۔ ''فیلنگ ویلنگ نام کی کوئی چیز ہے آپ میں۔''

''جناب! فیلنگ ہے تو چیز کے اچھے یا برے کی نشاندہی کرنے آیا ہوں۔''

''یہ تو کوئی غیر بھی کر دے گا۔ یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔''

''کہہ نا! وقت دیکھو کیا کرتا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا مگر تاشہ خود سے۔ ''یہ سالک بھائی کا اللہ کرے وقت آ جائے۔''

ہسپتال کے لیے نکلتے ہوئے انشال کو دیکھ کر کلثوم بیگم۔ ''سالک چلا گیا۔''

''جی امی۔''

''تم اُس کو گاڑی تک چھوڑ کر آئے یا نہیں۔ جو تمھاری عادت ہے مہمان کو یہاں سے ہی اللہ حافظ کر دیتے ہو۔''

''امی! میں تو چھوڑنے جا رہا تھا مگر فون آ گیا اور سالک بھائی نے مجھے منع کر دیا۔''

''تم بھی حد کرتے ہو اُس نے کہا اور تم ہو گئے۔

یاد رکھو۔ اُس کا اِس گھر سے رشتہ ہے۔''

''امی وہ ایسا ویسا کچھ نہیں سوچتے۔ آپ فکر نہ کریں۔''

''خیریت سے آیا تھا۔''

''وہ ایک کیس ڈسکس کرنے آیا تھا بڑے فرض شناس ہیں۔''

''میں تو سمجھی تھی حسینہ سے ملنے آیا ہو گا۔

اللہ خیر کرے فرض میں حسینہ کو ہی نہ قربان کر دے۔''

پھر کچھ سوچ کر کلثوم بیگم۔ ''اس نے تم سے حسینہ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔''

''نہیں امی، وہ پیشنٹ کریٹیکل ہے۔ اُس کو بچانے کی اپنی کوشش کر رہے ہیں۔''

ماں کو پریشانی سے سوچتے دیکھ کر انشال اُمید کی کرن دکھاتے ہوئے۔ ''اُس کا نام بھی حسینہ ہے۔''

''تم کہنا چاہتے ہو اگر وہ نام کے لیے اتنا کچھ کر رہا ہے تو کہاں تک جائے گا۔ لیکن میں یہ سوچ رہی ہوں اُس کو ڈسکس کرنے یہاں تک آ گیا ہے تو سوچو! اُس کو بچانے کے لیے کہاں تک جائے گا؟

یعنی فرض کے سامنے سب بھول جاتا ہے۔

پندرہ سال سے بیٹھی حسینہ کو بھی۔''

آج کی عورت زیادہ بہادر ہو گئی ہے وہ نا صرف اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے بلکہ

دوسروں کا حق بھی اُس کو دلوانا چاہتی ہے۔ اُس نے سیکھ لیا ہے جیو اور جینے دو۔ مگر مرد آج بھی دو کشتیوں میں سوار ہو کر سمجھ رہا ہے وہ ٹھیک کر رہاہ۔ حالانکہ ایک کشتی ہی بہتر ہوتی ہے مگر خود کو بھی تو دھوکہ دینا ہوتا ہے۔

آج زرمین نے سوچ لیا تھا کہ وہ تاجیل سے بات کرے گی نا صرف اپنے لیے بلکہ اُس کے لیے بھی جو صرف کھلونا ہے۔ جیسے ہی تاجیل کمرے میں داخل ہوا تو زرمین۔ ''اِس مرتبہ پھر وہ تمھارے ساتھ پارٹی میں گئی تھی۔''

''ظاہر ہے وہ نہیں جائے گی تو کوئی اور۔''

''جی ہاں! اب تم اُس کی بجائے مجھے لے کر جایا کرو۔''

''ہم اپنے گھر کی عورتوں کو بازار کی زینت نہیں بناتے۔''

''تو وہ کیا ہے پھر؟

وہ بیوی نہیں؟''

''وہ صرف ضرورت کی بیوی ہے۔''

''تم دوسروں کو ضرورت کے لیے استعمال کرتے ہو۔''

''اس کو نام دیا ہے۔ کیا یہ گناہ سے بہتر نہیں؟''

اس کی آنکھوں میں سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے زرمین۔ ''آج کا مسلمان زیادہ تیز نہیں ہو گیا؟ گناہ بھی سات پردوں میں لپیٹ لیتا ہے۔''

اُس کے اِن تلخ سوالوں کا تاجیل کے پاس جواب نہ تھا۔ منہ دوسری طرف کرتے ہوئے تاکہ وہ اُس کی چوری نہ پکڑ لے۔ ''میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔''

اُس کے آگے کھڑی ہو کر زرمین۔ ''میں کوئی اَن پڑھ جاہل عورت نہیں۔ جو گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتی، اور تمھارے لیے باعث شرمندگی ہو۔ میں ایک ماڈرن عورت ہوں، جو قدم سے قدم ملا کر چل سکتی ہوں۔''

''میری ماں بھی جاہل نہیں مگر گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں گئی۔''

''تمھارے ابا نے بھی تمھاری طرح کرائے کی بیوی نہیں رکھی۔''

''کھانا! ضرورت ہے۔''

''یہ عورت کی توہین ہے۔''

''اگر یہ عورت کی توہین ہے تو تم اپنی کیوں چاہتی ہو۔''

''میں بتانا چاہتی ہوں۔ ہر عورت کو اپنے گھر کی عورت سمجھو۔''

''میں ہر اس عورت کو گھر کی عورت سمجھتا ہوں جو خود نہیں بکنا چاہتی۔ جو کام جاننے سے پہلے قیمت بتا دے تو اُس کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اب جاؤ اور میرا سر نہ کھاؤ۔''

وہ غصے سے وہاں سے چلا گیا آپ کا رتبہ آپ کو اِس قدر مضبوط کر دیتا ہے کہ دوسروں کو مجبوراً آپ کے سامنے ہارنا پڑتا ہے۔ اِس رتبے کو پانے کے لیے بہت کوشش کرنی پڑتی ہے۔ کوئی چیز یونہی پلیٹ میں پڑی نہیں ملتی۔ ایک کوشش کرتا ہے تو اُس کی آنے والی نسل پھل کھاتی ہے۔ رتبے کے لیے ویسے بھی قربانی دینی پڑتی ہے کیونکہ اِسی کا نام زندگی ہے۔

ابھی ڈاکٹر انشال آیا ہی تھا تو ڈاکٹر مناہل۔ ''یار! آج پہلے ہی دن صبح ڈاکٹر سالک کے سامنے امیج خراب ہو گیا ہے۔''

ہلکی سی چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ ڈاکٹر انشال۔ ''وہ تو ہونا ہی تھا۔ تم ہمیشہ کی طرح لیٹ آئی ہوگی۔''

''تم بھی تو کل نہیں آئے تھے ورنہ اُن کو پتہ بھی نہ چلتا۔ اب صبح اُن کو رپورٹ دے کر جانا۔''

''میں تو رپورٹ کر کے جاؤں گا۔ مطلب تم پھر لیٹ آؤ گی۔''

''نہیں...... نہیں میں جلدی آؤں گی۔''

تنگ کرتے ہوئے انشال۔ ''پھر مجھے رپورٹ دینے کی ضرورت نہیں۔''

ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے منہ بنا کر وہ چل پڑی تو انشال۔ ''کیسی ہے وہ پیشنٹ۔''

''سِٹل ویسی ہی۔''

''اچھا! تم جاؤ میں دیکھتا ہوں۔''

نرس کو بلا کر انشال۔ ''پیشنٹ حسینہ کو Axsin اور Duphalac دو تا کہ پیشاب اور موشن آئے۔ دیکھو! اگر Unconcious ہونے لگے تو بتانا میں روم میں ہی ہوں۔'' کچھ آگے چل کر جیب سے پیسے نکال کر'' یہ کسی کو دو اور اُس کو کہو سیون اپ یا سپرائٹ کی بوتل لا دو۔''

پیسے لیتے ہوئے نرس۔ ''جی ٹھیک ہے۔''

ابھی دس منٹ ہی گزرے تھے تو وارڈ میں آ کر انشال۔ ''اِن کا بی پی بھی چیک کرتی رہنا زیادہ لو ہو تو مجھے بتانا۔''

''جی ڈاکٹر انشال ابھی کرتی ہوں۔''

نرس نے ڈاکٹر انشال کی ہدایت پر عمل کیا۔ اُس کے گھر والوں کو بھی ساری ہدایات دیں۔ ابھی دوائی کو دیئے ہوئے دو گھنٹے ہی گزرے تھے کہ بار بار پیشاب آنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد موشن بھی شروع ہو گئے۔ اِس سے مریضہ پر غنودگی طاری ہونا شروع ہوئی۔ نرس نے جلدی سے بی پی چیک کیا تو لو تھا۔ وہ بھاگی بھاگی ڈاکٹر انشال کے پاس گئی۔

''ڈاکٹر انشال پیشنٹ کا بی پی لو ہے اور Unconcious ہونے کے بس قریب ہی ہے۔''

وہ جلدی سے بھاگ کر اُس کے ساتھ وارڈ میں آیا۔ ''تم جلدی سے جو سپرائٹ لائے تھے آدھا گلاس لاؤ۔''

وہ جلدی سے ڈال کر لائی۔ انھوں نے مریضہ کو پلائی تو وہ ذرا ہوش میں آئی۔ ڈاکٹر انشال وارڈ میں ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ نرس اور انشال تھوڑی دیر بعد اُس کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی سالک کی رات میں آنکھ کھلی تو اُس نے بھی انشال کو فون کیا انشال۔ ''دوائی کے بعد اُس کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی مگر اب بہتر ہے۔''

''بس تم بہت زیادہ دھیان رکھنا ذرا سی بھی کوتاہی اُس کو موت کے منہ میں لے جائے گی۔''

''آپ بھائی فکر نہ کریں۔''

یوں نرس اور انشال اُس کو بار بار دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی وہ بے ہوش ہونے لگتی اس کو تھوڑی سی

سپرائز دے دیتے۔ یوں وہ پھر ہوش میں آجاتی۔ انشال کے چہرے پر تھکاوٹ کے اثرات دیکھتے ہوئے نرس۔

''ڈاکٹر انشال! آپ روم میں چلے جائیں کوئی مسئلہ ہوا تو میں بلا لوں گی۔ آپ بہت تھکے تھکے لگ رہے ہیں۔''

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ بھی تو میرے ساتھ ہیں اگر آپ یہ کرسکتی ہیں تو پھر میں کیوں نہیں۔ محنت تو دونوں کر رہے ہیں۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ بس اِن کا بی پی چیک کریں۔''

پیچھے کھڑا سالک یہ سن رہا تھا دونوں کے جذبے سے متاثر ہوا، خود سے۔ ''ابھی اِس مٹی میں نمی ہے۔ انشاءاللہ بہتر ہوگا۔''

جیسے ہی نرس کی نظر سالک پر پڑی تو۔ ''سر آپ۔''

سر کے الفاظ سن کر انشال نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیرت سے۔ ''بھائی آپ اِس وقت ابھی تین بجے ہیں۔''

''پھر کیا ہوا۔ میں نے سوچا تھوڑا سا میں بھی حصہ ڈال لوں۔ اب کیسی ہیں پیشنٹ۔ آؤ دیکھتے ہیں۔''

''ہوش میں تو ہے مگر کمزوری بہت ہے۔''

''وہ تو ہونی تھی۔'' وہ باتیں کرتے کرتے مریضہ کے بیڈ تک پہنچ گئے۔ پھر سالک نے اُس کا معائنہ کیا۔ مسکرا کر۔ ''اُمید کی ایک چھوٹی سی کرن نظر آرہی ہے مگر ابھی بہت زیادہ کوشش درکار ہے۔ اگر آپ لوگوں کا آج والا جذبہ رہا تو ہم ہاری ہوئی جنگ جیت جائیں گے۔'' انشال کے کندھے کو تھپتھپایا سالک نے صبح جب انشال کی ڈیوٹی ختم ہوئی تو وہ جانے لگا تو سالک سے۔

''آپ بھی آجائیں۔''

''نہیں۔ تم جاؤ آرام کرو ساری رات کے تھکے ہوئے ہو۔''

''آپ نے بھی تو آدھی رات سے ڈیوٹی کی ہے۔''

''تمھارا آدھی رات کا آرام باقی ہے۔''

''میں چلتا ہوں۔آپ کب جائیں گے۔''

''دو تین بجے کیونکہ پھر تمہارے آنے کا وقت ہو جائے گا۔''

وہ جانے لگا تو سالک۔''ہاں! جاتے جاتے گھر سے ہو کر جاؤں گا تا کہ ہم مزید پلاننگ کر سکیں۔''

سارا دن ڈاکٹر سالک نے ڈاکٹر مناہل کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ہسپتال میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے بے چارے لواحقین ڈاکٹر کو ڈھونڈتے ہیں اور وہ نہیں ملتے۔یہاں پر ڈاکٹر ہی مریض کا سب کچھ بنا ہوا تھا۔مریض کو کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی۔ڈاکٹر سالک سب کو عملاً سمجھا رہے تھے جو کام کرو پوری پوری ایمانداری سے کرو۔اللہ کرے آج کل کے ڈاکٹرز کو یہ بات سمجھ میں آجائے کہ ڈاکٹری صرف پیسہ کمانے کے لیے نہیں پڑھی جاتی۔بلکہ یہ سوچ کر پڑھی جائے کہ کسی ایک کی بھی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تو پوری انسانیت کو بچالیا۔آج کل تو پیسے کی ریس لگی ہوئی ہے صرف اور صرف لوگ پیسے کے لیے ڈاکٹر بنتے ہیں وجہ مائیں ہیں جو صرف پیسے کو ہی بچوں کی عزت کی نشانی کے طور پر باور کرواتی ہیں۔ڈاکٹر بھی بے حس ہیں مریض مرے یا جیئے اُن کو فرق نہیں پڑتا۔جاتے ہوئے ڈاکٹر سالک مناہل سے کہہ رہے تھے۔

''جب تک ڈاکٹر انشال نہیں آتے آپ مت جایئے گا۔''

یہ سب نرس سن رہی تھی تو خود سے۔''اللہ کرے ہر ہسپتال میں ایک ایک ڈاکٹر سالک آجائے تو کوئی مریض ڈاکٹر کی لاپرواہی سے نہ مرے اور نہ ہی کوئی کسی کے پیارے سے جدا ہو۔جیسے میری ماں ڈاکٹر کے غلط علاج اور لاپرواہی سے مری تھی۔''

اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے مگر اُس نے جلدی سے صاف کر لیے۔خود سے ہی۔''کبھی تو ایسا ہو گا۔''

جاتے ہوئے وہ انشال کے گھر گیا دونوں نے مل کر کیس ڈسکس کیا اور مزید حکمت عملی بنائی۔وہ اُس کو باہر چھوڑنے آرہا تھا تو سالک۔''تم جلدی سے جلدی ہسپتال پہنچو۔''

''آپ فکر نہ کریں میں نکلنے لگا ہوں۔''

اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر۔ ''گڈ، مجھے تمھاری اس لگن کی ضرورت ہے کیونکہ جنگ لگن سے جیتی جاتی ہے، ہتھیار سے نہیں۔''

وہ آہی رہے تھے کہ سالک کو حسینہ کی لیب نظر آئی، وہ اُس میں کام میں مگن تھی اُس کو دیکھ کر۔ ''یہ یوں ہی کام کرتی ہے۔''

''آپ جیسی جو ہے۔''

وہ چاہتا تھا کہ سالک حسینہ سے بات کرے موقع جان کر فٹ سے۔ ''آپ پھر حسینہ سے بات کریں۔ میں ہسپتال کے لیے تیار ہونے لگا ہوں۔ ویسے بھی مجھے جلدی جانا ہے۔''

''Sure''

وہ لیب میں چلا گیا مگر حسینہ مگن کام کر رہی تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑا رہا۔ اچانک حسینہ نے سر اُٹھا کر دیکھا۔

''میں سالک ہوں۔''

''تعارف کی ضرورت نہیں۔''

''تم یوں ہی بے نیاز ہو کر کام کرتی ہو۔''

''آپ بھی تو ایسے ہی کرتے ہیں۔ اِس لیے گھر تک آجاتے ہیں۔''

''یعنی سب خبر ہے۔''

''آپ کی طرح بے خبر نہیں۔''

نظریں اُس کے چہرے پر جمائے سالک۔ ''تم یہ کیا کر رہی ہو۔''

''پانی کو صاف کرنے کی کوشش تاکہ قابلِ استعمال بنایا جا سکے۔''

اُس کی نظروں میں تپش تو حسینہ محسوس کر رہی تھی مگر بول کچھ نہیں رہی تھی۔ بلکہ نظریں نیچے کیے یہ محسوس کروا رہی تھی کہ وہ کام میں مصروف ہے۔

''اِس چھوٹی سی لیبارٹری میں تم کامیاب ہو سکو گی۔''

''کامیاب نہ بھی ہوئی کم از کم کوشش کرنے والوں میں تو شامل ہو جاؤں گی۔'' نظریں اُوپر اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے حسینہ۔ ''آپ کے خیال میں کوشش کچھ نہیں۔''

اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سالک۔ ''کوشش ہی تو سب کچھ ہے کوشش سے ہی منزل کا پتہ چلتا ہے۔''

وہ دوبارہ نیچے منہ کر کے کام کرنے لگی تو سالک۔ ''ویسے اِس وقت ایک کوشش تم نے کی اور ایک میں نے۔''

''مطلب؟''

''تم نے اِگنور کرنے کی، اور میں نے تمھارے حسن پلس سحر کو محسوس کرنے کی۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے پھر ملیں گے۔ بلکہ اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔''

وہ منہ اُٹھا کر اُس کی بے باکی کو دیکھتی رہ گئی اور وہ کہہ کر چلا گیا۔

☆......☆......☆

فون کی گھنٹی بجی تو تاشہ نے نمبر کو دیکھا تو جلدی سے فون اُٹھایا۔ ''اتنے سالوں میں پہلی مرتبہ فون کیا ہے۔ لگتا ہے سورج مغرب سے نکلا ہے۔''

''سورج تو معمول کے مطابق ہی نکلا ہے۔ مگر سالک بھائی نے حسینہ سے بات کی ہے۔''

''تو پھر۔''

''تو یہ کہ میں جاننا چاہتا ہوں۔

اُس سے پوچھو، کیسی رہی بات چیت۔''

''اتنا پیار، یہ تم ہی ہو۔''

''یہ وہ بہن ہے جو جل بھی رہی ہوگی تو چہرے پر مسکراہٹ رکھے گی۔ ایسی بہنوں کے لیے فکر مند ہوتے ہیں چاہے سارب تارڑ ہی کیوں نہ ہو۔''

''مطلب تم میں بھی دل ہے۔''

''کیوں؟ میں انسان نہیں ہوں۔

ویسے بھی یادرکھنا اُس کا درد ہر ایک دل میں کانٹے کی طرح لگتا ہے۔''

''کبھی میرا درد بھی محسوس کرلیا کرو۔'' کہتے ہی تاشہ نے فون بند کردیا۔

خود سے سارب۔''اس کو آج کیا ہوگیا ہے۔'' حیرت سے فون کو دیکھتے ہوئے۔''چھوڑو تم اپنا کام کرو۔ ویسے مذاق کیا ہوگا۔''

ابھی اپنے کمرے میں سالک نے قدم رکھا ہی تھا کہ تاشہ پہنچ گئی۔''کہاں سے آرہے ہیں آپ۔''

حیرت سے اُس کے منہ کی طرف دیکھتے ہوئے سالک۔''مگر آج تم کیوں پوچھ رہی ہو۔''

''کیونکہ آپ نے آج انوکھا کام کیا ہے۔'' دادی اماں کی طرح تاشہ سوچتے ہوئے سالک ''میں نے تو کوئی انوکھا کام نہیں کیا۔''

رعب جمانے والے انداز میں تاشہ۔''کیا آپ نے آج حسینہ سے بات کی ہے۔''

''یہ کوئی بڑی بات نہیں۔'' لاپرواہی سے پھر سوچتے ہوئے۔''کسی لڑکی سے بات کرنا کوئی بڑی بات ہے۔''

''بالکل بھی نہیں۔''

''میں روزانہ دس لڑکیوں سے بات کرتا ہوں۔''

''وہ ساری حسینہ تارڑ نہیں ہوتیں۔''

بات تو وہ تاشہ سے کررہا تھا مگر سوچ حسینہ کو رہا تھا اور بولا۔''یہ بات تو سچ ہے اُن سب میں پاکیزگی کا ایسا سحر نہیں ہوتا۔ میں بات کررہا تھا میری نظریں اُس کے چہرے پر تھیں، مگر وہ یوں محسوس کروارہی تھی کہ اُس کو پتہ نہیں۔

کیا خوبصورت ادا تھی۔''

سنجیدگی سے تاشہ۔''بھائی! کہیں اُس کو تو نہیں کہہ دیا۔''

''کیوں اماں یہاں لڑکے لڑکیوں کی تعریف نہیں کرتے۔

میں نے تو دس کو دیکھا ہے جو دیکھتے بھی ہیں اور تعریف بھی کرتے ہیں۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ وہ حسینہ تارڑ نہیں ہوتی۔

مان لیں کہ اُس کی پاکیزگی آپ کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔"

"ایسا ہو بھی تو۔"

"تو یہ کہ یہ بات امی ابو کے پاس جائے گی۔

بلکہ سمجھو چلی گئی، ان کے تو زمین پر پاؤں نہیں لگیں گے۔

ابو تو شکر ادا کریں گے دوستی بچ گئی۔

اور آپ سے رخصتی کی تاریخ پوچھی جائے گی۔

ایک بات اور......"

"وہ کیا دادی اماں۔"

"یہ کہ آپ کو یہ پروٹوکول اس لیے دیا جارہا ہے کہ آپ کو بڑی منت سماجت کے بعد یہاں لایا گیا ہے ورنہ کان سے پکڑ کر آپ کو لے جانا تھا اور حسینہ کو لے کر آنا تھا۔'

"اتنا ظلم دادی اماں۔"

"تم ظلم کو چھوڑو اور تاریخ کے بارے میں بات کرو۔"

"میں کہوں گا وقت چاہیے۔"

"کیا اُس نے آپ کے دل کے دروازے پر دستک نہیں دی۔"

"دستک دی بھی ہے تو کیا ضروری ہے کہ میں دروازہ بھی کھولوں۔"

مایوس ہو کر تاشہ چلتے ہوئے۔ "سوچتے ہی نہ رہ جانا۔"

اُس کے جاتے ہی سالک خود سے۔ "دروازہ تو میں نے پورا کھول دیا ہے مگر پتہ نہیں کیوں ابھی میں کچھ کہنا نہیں چاہ رہا۔"

مسلسل حسینہ ماں جی کو فون کر رہی تھی، مگر وہ اُٹھا نہیں رہی تھیں۔ فون کی گھنٹی پر حسینہ خود سے"

اُٹھا بھی لیں۔'' پھر کسی نے نہ اُٹھایا پھر حسینہ نے دوبارہ فون ملایا، پھر کسی نے نہ اُٹھایا تو حسینہ خود سے ہی۔ ''اُٹھالیں پتہ نہیں کتنی اہم بات کرنی ہے۔'' اِس طرح بار بار کال ملانے پر آخر کار ماں جی نے اُٹھا لیا تو بڑی بے تابی سے۔ ''کہاں تھیں آپ۔''

''ذرا کام میں مصروف تھی۔ اتنی بے تاب کیوں ہو، وہ آیا تھا؟ کیا اُس نے کچھ کہا۔''

''ماں جی! آپ کو پتہ ہے وہ آج میری لیب میں آیا تھا۔ مجھ سے اُس نے بات بھی کی۔''

''یہ تو نہیں کہا کہ وہ تمھیں جانتا نہیں ہے۔''

''نہیں...... بالکل نہیں...... وہ تو بڑا بے باک ہے۔''

''ظاہر ہے بیرون ملک سے آیا ہے۔

وہاں ہماری طرح شرم وحیا تھوڑی ہوتی ہے،

بلکہ اب تو یہاں بھی کہاں ہے۔

کیا کہا اُس نے؟''

''میرے کام کا پوچھ رہا تھا، ساتھ ساتھ ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا تھا۔ میں نظریں جھکائے ہوئے تھی تو کہہ دیا۔ تم جان بوجھ کر ظاہر کر رہی ہو کہ تم کو پتہ نہیں۔

بھلا کوئی ایسے بھی کہتا ہے!''

''کہا نا! باہر کے پانی کا اثر ہے۔''

''سہیلی میں اُس کو اچھی بھی لگی ہوں گی یا نہیں۔''

''کوئی تمھیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔

یہ اور بات ہے مانے یا نہ۔

تمھارے اندر جادو ہے جو سب کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔''

''یہ صرف آپ ہی پر اثر کرتا ہے۔

کوئی آپ کو میرے علاوہ نظر جو نہیں آتا۔

دل نہ رکھیں نا پلیز۔"

"میری بچی! میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"آپ سچ کہتی ہیں تو میرا دل کیوں ڈرتا ہے۔"

"دل کو سمجھاؤ سب اچھا ہوگا۔"

انڈے کو دیکھتے ہوئے نفیسہ بیگم۔"پروین! صاحب کے لیے انڈہ فرائی کر کے لاؤ۔"

"بی بی جی! میں نے فرائی ہی کیا ہے۔"

"یہ فل فرائی ہے۔تم ہاف فرائی لاؤ۔"

"جی میں لاتی ہوں۔" اُس کے جاتے ہی عثمان سا گھڑ سے۔"کل سالک حسینہ کی لیب میں گیا تھا، دونوں نے باتیں بھی کیں، ویسے تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔"

"جب خاص بات ہوئی ہی نہیں تو انتظار کرو۔

اب جلدی میں اُن کو فون مت کر دینا۔"

"کیا زمانہ آ گیا ہے، باپ بیٹے سے بات کرتے ہوئے گھبرا رہا ہے۔"

"اُس سے نہیں اُس کے فیصلے سے ڈر لگ رہا ہے، کہیں وہ اُس ڈور کو ہی نہ کاٹ دے جو مجھے اور عبدالرحمٰن کو جوڑے ہوئے ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔

ایسا کچھ ہوا تو حسینہ مر جائے گی۔"

"تو تمھیں لگتا ہے میں جی پاؤں گا۔

وہ میرے دوست کی ہی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔

اور بیٹی کا دکھ باپ کو مار دیتا ہے۔"

"آپ اِس حد تک سوچ چکے ہیں کہ وہ ڈور ہی کاٹ دے گا۔"

"جی جناب! میں ذہنی طور پر تیار ہو رہا ہوں۔"

"آج عملی تجربہ کیا تو سمجھ آئی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔انھوں نے بھی مروت میں بات نہیں کی۔حالانکہ سالک کو آئے کافی وقت ہوگیا ہے۔وہ بھی ڈر رہے ہیں ڈور کے ٹوٹنے سے۔"

خود کو جھٹکتے ہوئے نفیسہ بیگم۔"آپ تو موت کا منظر پیش کر رہے ہیں۔" اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نفیسہ بیگم۔"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔"

"اللہ کرے کچھ نہ ہو۔"

اتنے میں سالک اور تاشہ بھی ناشتے کے لیے آگئے، بیٹے کو ناشتہ دیتے ہوئے نفیسہ بیگم۔"تم نے حسینہ سے بات کی ہے یقیناً اچھی لگی ہوگی۔"

"اچھی تو بہت لگی ہے۔"

"تو پھر ہم اُن سے رخصتی کی بات کریں۔"

"اتنی جلدی کیا ہے، ابھی کچھ دن ٹھہر جائیں۔"

"بیٹا! جب آج بھی اُس کو لانا ہے اور کل بھی تو آج کیوں نہیں۔"

"کیونکہ ابھی مجھے وقت چاہیے۔"

خوشی سے عثمان سانگھڑ۔"لو......لو...... جتنا مرضی وقت۔بس میں خوش ہوں کہ تم اِس ہی شاخ پر بیٹھے ہو کہیں اور اُڑ کر نہیں جاؤ گے۔"

"ڈیٹ فکس کر کے گھر لادیں کہیں شاخ ہی نہ توڑ دے۔"

"نہیں بیگم! میں تو ڈر رہا تھا کہ کہہ دے گا میں تو اُس شاخ کو کاٹنا چاہتا ہوں۔مگر اِس نے ایسا نہیں کیا۔تو مطلب سب آ دکے ہیں۔"

اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تاجیل۔"امی آپ بے فکر ہو جائیں یہ اب کہیں نہیں جاتا، اُس کا اسیر ہو چکا ہے۔"

پاس سے ہی زرمین۔"وہ اِس لیے کہ اُس کی معصومیت اور روح کی پاکیزگی اثر انداز ہوتی ہے۔تو بچنا مشکل ہے نا!"

ماں کو تسلی دیتے ہوئے تاجیل۔ ''امی! سالک نے ایسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی۔ یہ پہلی ہی ہے آپ فکر نہ کریں۔''

ہنس کر سالک۔ ''امی سب ٹھیک کہہ رہے ہیں، حسینہ اپنے انداز کا الگ ہی پیس ہے۔ کہیں نہیں جاتا میں۔''

بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر۔ ''بیٹا! مجھے بہت پسند ہے۔ اور ہمارا یارانہ بھی بہت پرانا ہے۔''

☆......☆......☆

ساری رات ڈیوٹی کرنے کے بعد انشال جا رہا تھا تو اُس کو سالک مل گیا۔ ''السلام وعلیکم بھائی!''

بڑے تپاک کے ساتھ ''وعلیکم السلام! کیسی ہے اب ہماری مریضہ!''

''بہتر ہیں آپ کے فارمولہ نے اثر کیا ہے۔''

مسکرا کر۔ ''It sounds good''

''میں نے ساری رات کی رپورٹ ڈاکٹر مناہل کو دے دی ہے۔''

''تم جاؤ، ویسے بھی نیند سے گر رہے ہو۔''

''دراصل ساری رات بڑی مشکل سے گزری ہے۔''

''تم جاؤ، میں شام کو گھر آؤں گا تو ہم اِس کو تفصیل سے ڈسکس کریں گے۔''

وارڈ راؤنڈ میں سب مریضوں کو فرداً فرداً ڈسکس کیا گیا۔ مریضہ حسینہ کی باری آئی تو ڈاکٹر سالک۔

''جی ڈاکٹر مناہل! کیا رپورٹ آئی ہے؟''

''پہلے سے بہتر ہیں۔ Albimin بڑھا ہے اور billirubin میں کمی آئی ہے۔ drowsiness (غنودگی) کافی ہے مگر unconcious نہیں ہے۔''

پاس سے نرس۔ ''رات بھر ڈاکٹر انشال اِن کے بیڈ کے پاس کھڑے رہے ہیں ایک منٹ بھی نہیں بیٹھے۔ اُنھوں نے رات بھر انتہا کی care کی ہے۔''

''یعنی ڈاکٹر انشال سے ہی اُن کو تفصیلاً ڈسکس کرنا پڑے گا۔ آپ ڈاکٹر مناہل اِن کا سمپل

بجھوائیں پھر دیکھتے ہیں۔"

فائل کا مطالعہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سالک۔"یہ ساری میڈیسن جاری رکھو۔"

ابھی نذیراں اور ماں جی باتیں کر رہی تھیں کہ فضیلت آ گئی۔"ماں جی! وہ بینا کے سسرال والے دن رکھنے کا کہہ رہے ہیں۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے، تم رکھو دن بے فکر ہو کر۔"

آہستہ سے فضیلت۔"خوشی تو ہے مگر......"

"کہا نا بے فکر ہو جاؤ۔ بینا اور حسینہ ایک ہی دن پیدا ہوئی تھیں، یعنی اب میری حسینہ بھی دلہن بنے گی۔ اُٹھو نذیراں، مٹھائی لاؤ اور منہ میٹھا کرواؤ۔"

خوش ہو کر فضیلت۔"آپ نے تو مجھے حوصلہ دیا ہے اور تاریخ، کا بھی انتخاب کر دیں۔"

"تم نے کیا سوچی ہے؟"

"اِس ماہ کی تمیں تاریخ۔"

"اِس تاریخ کو غالباً جمعہ مبارک ہے۔"

"جی ہاں۔"

اتنی دیر میں نذیراں مٹھائی لے آئی تو ماں جی۔"یہاں نہ رکھو۔ اِس کا منہ میٹھا کرواؤ۔"

اُس نے فضیلت کو مٹھائی دی اور اُس نے کچھ منہ میں ڈال لی۔"جاؤ جا کر خوش ہو، جہیز اور کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔"

خوش ہو کر فضیلت۔"اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ کی عمر دراز کرے۔ آپ ہمارے لیے بہت بڑا سہارا ہیں۔"

"یہ میرا فرض ہے۔

نذیراں! میاں جی کو بلاؤ۔"

"جی! ابھی بلاتی ہوں۔"

خوشی سے فون ملا کر ماں جی۔ ''لگتا ہے خوشی آنے لگی ہے۔''

فون کلثوم بیگم نے اُٹھایا ساتھ ہی۔ ''السلام وعلیکم۔''

''جیتی رہو، یہ عبدالرحمٰن کو فون دو۔''

''جی ماں۔''

''فضیلت کی بیٹی کی شادی ہے اِس ماہ کی تیس تاریخ کو تم جہیز کا انتظام کر دینا۔ دیکھو! ہر چیز اچھی ہونی چاہیے۔ بیٹی کو کوئی طعنہ نہ دے۔ کھانے کے لیے میں میاں جی کو کہہ دیتی ہوں۔''

''تو باقی چیزیں بھی میاں جی کو کہہ کر وہاں سے لے لیں۔''

''کہا نا! بیٹی کا معاملہ ہے میں نہیں چاہتی اُس کے سسرال والے اُس کو باتیں سنائیں۔ تم اور کلثوم خود جا کر ایک ایک چیز خریدنا۔''

''جی جیسے آپ کا حکم۔''

''یہ کلثوم کو فون دو۔'' اُس کی طرف فون بڑھاتے ہوئے۔ ''بات کرو''

''دیکھو بیٹی! ہر چیز اچھی ہونی چاہیے۔''

''آپ بے فکر ہو جائیں۔''

''بینا دلہن بن رہی ہے تو وہ دن دور نہیں جب حسینہ پر بھی وقت آئے گا۔ کتنی مبارک گھڑی ہوگی۔ انھوں نے کوئی بات نہیں کی؟''

''نہیں ماں جی۔''

''اچھا! فکر نہ کرو۔ جو ہوگا اچھا ہی ہوگا۔''

''ماں جی! مسز احمد اور رضوان رادیہ اور شامہ کی بات کر رہی تھیں۔ لیکن میں نے فی الحال ٹال دیا ہے۔''

''کوئی نہیں۔ اُن سے بھی بات کرتے ہیں۔ دوسرا سالک کے گھر والے بلائیں تو حسینہ کو ضرور لے کر جانا۔ ہمیشہ کی طرح وہ گھر میں ہی نہ رہ جائے۔

زبردستی کرنا ورنہ وہ کہاں ماننے والی ہے۔"

"جی ضرور......ضرور......!"

"وہ آتا ہے تو یہ بھی اُس کو وقت دیتی ہے یا نہیں۔"

"وہ ہی بات کرے تو کرے، یہ کچھ نہیں کرتی۔"

"آج کل کی لڑکیاں تو آگے پیچھے ہوتی ہیں، مگر اس میں عقل نہیں۔تم ماں ہو تم ہی خیال کیا کرو۔"

"میں کیا کروں۔اِس میں تو دو سو سال پرانی روح ہے۔"

"وہ کون سا اِس کا غیر محرم ہے جو بات نہیں کرتی۔"

"بات تو کر لیتی ہے جب وہ کرے۔خود کچھ نہیں کرتی۔"

"ذرا شرم و حیا والی ہے۔تم خیال کیا کرو۔"

آج کل تو سالک کے لیے مریضہ حسینہ اہم تھی وہ اس کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔خوشی سے سالک۔"اِس میں سلائیڈ سی بہتری ہے۔لیکن اِن ٹن سیو کیئر کی ضرورت ہے۔اِس کی ڈوز بڑھا دو لیکن خیال رکھنا unonscious نہ ہو۔تھوڑی دیر بعد چیک کرتے رہنا۔"

"آپ کی ہدایت کے مطابق ہی ہوگا۔"

ہنس کر۔"وہ تمھاری کو لیگ ہے نا ڈاکٹر مناہل، اُس کو میں نے سارا دن ایک منٹ کے لیے بھی مریضہ سے دور نہیں ہونے دیا۔"

"یعنی آپ نے لٹکا کر رکھا ہے۔

اُس کا تو دن پہاڑ بن گیا ہوگا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔"

"بالکل بھی نہیں!"ہنس کر ڈاکٹر انشال۔

"ہنس کر سالک۔"بلکہ بڑے جوش و خروش سے کام کر رہی تھی۔"

"آپ کہہ رہے ہیں تو مان لیتا ہوں۔ورنہ یہ ممکن نہیں۔"

اِس دوران پروین چائے لے کر آ گئی تو انشال۔ ''چائے رکھو اور جاؤ۔''

ابھی اُس نے چائے رکھی تھی کہ انشال کو فون آ گیا۔ اُس نے ہیلو کیا تو سالک۔ ''جاؤ تم فون سن کر آؤ۔''

وہ سوچ رہا تھا کہ جائے یا نہیں وہاں سے اُس کو حسینہ گزرتی نظر آئی۔ فوراً ''حسینہ! تم سالک بھائی کو چائے بنا کر دو اور کمپنی بھی دینا۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

وہ فون سنتا ہوا لاؤنج سے اندر کمرے میں چلا گیا حسینہ میز کے سامنے بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔ سالک اُس کو دیکھنے لگ گیا۔ وہ اُس کو مست نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جو حسینہ کو اُلجھا رہی تھیں۔ اُس سے کپ میں چائے نہیں انڈیلی جا رہی تھی۔ بار بار چائے والی ٹی پوٹ سے چائے کپ کی بجائے ٹرے میں جا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے حلق سے آواز نکال کر حسینہ۔

''اگر آپ اِس طرح دیکھیں گے تو چائے اِس صدی میں تو نہیں ڈالی جائے گی۔''

''لیکن وہ کیوں؟''

''آپ مجھے کنفیوز کر رہے ہیں۔ اِس وجہ سے میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔''

''کسی اور نے کبھی نہیں دیکھا۔''

''کوئی اور کیوں دیکھے گا۔''

''کوئی اور نہیں تو مجھے تو دیکھنے دو۔''

آہستہ سے۔ ''آپ کے اِس طرح دیکھنے سے میری روح تک ہل جاتی ہے۔''

''تو پھر مجھے تو دیکھنے کا پورا پورا حق ہے۔''

''میں نے کب کہا نہیں۔ صرف اور صرف آپ ہی مجھے دیکھ سکتے ہیں۔''

بھیگی سی ہنسی چہرے پر لا کر سنجیدہ انداز میں سالک۔ ''جب دیکھ سکتا ہوں تو پھر دیکھنے دو۔''

''پہلے مجھے چائے ڈالنے دیں۔''

''چلو ڈالو۔'' ابھی وہ ڈالنے لگی تو پھر ویسے ہی دیکھنے لگا شرارت سے۔ ہونا کیا تھا ساری چائے

ٹرے میں۔

''کیا ہوا۔اب بھی نہیں ڈال پائی۔''

وہ چپ رہی۔ پھر اُس نے کوشش کی مگر ناکام۔ ''پلیز کہانا۔''

''میں تجربہ کر رہا تھا تم توریئلی کنفیوز ہو جاتی ہو۔اب ڈالو۔''

اُس نے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ چائے ڈال کر حسینہ ٹرے کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے۔''اب چینی کتنی۔''

مسکرا کر سالک۔''اِس کی ضرورت نہیں جناب!''

چائے پکڑا کر وہ اُٹھ کر جانے لگی تو سالک۔ ''ابھی تم نہیں جا سکتی۔ کمپنی بھی دینی ہوتی ہے۔ ویسے بھی تمھارے ہوتے میں اکیلا کیوں بیٹھوں۔''

''میں چلی جاتی ہوں تو پھر میرا وجود تو نہ ہوا۔''

''جانے دوں گا تو جاؤ گی۔ چپ چاپ وہاں بیٹھ جاؤ۔''

اُس کی آواز میں اِس قدر رعب تھا کہ حسینہ کی جرأت نہ ہوئی اور وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہ چائے پی رہا تھا تو کپ اُس کے ہونٹوں کے ساتھ تھا اور نظریں حسینہ کے چہرے پر۔

وہ اُلجھ رہی تھی۔ شرم سے زمین میں دھنس رہی تھی۔ اپنی تشویش کو کم کرنے کے لیے کبھی دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کرتی اور کبھی دونوں ہاتھوں کو ملتی۔ سالک اُس کی اِس ادا سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اُس کا شرم سے پانی پانی ہونا نظریں جھکانا پھر اُٹھانا۔ اُس کے دل میں اتر رہا تھا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا انشال کبھی نہ آئے اور وہ یوں ہی بیٹھی رہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔'' آج کل ایسا حسن پلس شرم وحیا کا پیکر کہاں ہوتا ہے۔ اللہ نے میرے لیے کیا نایاب لڑکی بنائی ہے۔ کون کافر اِس کو چھوڑ سکتا ہے۔ ایسے ہی میں نے اتنا وقت باہر گنوایا۔ مجھے بہت پہلے آجانا چاہیے تھا۔ ابھی رخصتی نہیں کروں گا ابھی تو اِس کے سحر سے اسیر ہونے کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی امی ابو ڈر رہے ہیں۔ میں تو اِس کا ہوں اور اِس کا رہوں گا۔''

نظریں جمائے۔''جناب اوپر بھی دیکھ لو۔''

''اچھا......اچھا......میری شکل اچھی نہیں۔''

فٹ سے حسینہ۔ ''میں نے یہ کب کہا۔''

''پھر دیکھتی کیوں نہیں ہو۔''

''وہ......نا......وہ......نا......''

''اچھا گونگی ہوگئی ہو۔''

جلدی سے۔ ''نہیں تو۔''

''تو پھر۔''

''کچھ نہیں۔''

''اگر کچھ نہیں تو بولو۔''

''آپ اِس طرح دیکھتے ہیں کہ بندہ کنفیوز ہو جاتا ہے۔''

''یہ تو میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔''

''تو پھر سمجھ جائیں نا۔''

جیسے ہی انشال آیا تو حسینہ فوراً اُٹھ کر جانے لگی تو سالک انشال کی طرف دیکھ کر۔ ''یار! ایک تو تمھاری بہن گھبراتی بہت ہے ذرا بتاؤ، میں انسانوں کو کھاتا ہوں۔''

''نہیں۔ آپ تو بڑے اچھے ہیں۔''

''ذرا! فرصت میں اس کو بھی بتا دینا۔''

''اب میں جا رہی ہوں مجھے کچھ کام ہے۔''

''جایئے جناب۔
لیکن سنو! تمھاری کمپنی اچھی رہی۔''

اُس کے جاتے ہی سالک انشال سے۔ ''یہ اِس طرح ہی گھبراتی ہے۔''

''نہیں......ذرا پرانے خیالات کی مالک ہے آپ سے شرماتی ہے۔ ورنہ جس مرضی ٹاپک پر

بات کریں کیا نقطۂ نظر بیان کرتی ہے کہ آپ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"وہ تو اُس کو دیکھ کر ہی لگتا ہے نالج ہے اُس کے پاس۔"

لیٹے ہوئے بھی سالک کی آنکھوں کے سامنے حسینہ کا ہاتھوں کی مٹھیوں کو بند کرنا اور ملنا آ رہا تھا اُس کے چہرے پر جو شرم کے تاثرات تھے وہ سالک کو اچھے لگ رہے تھے۔ وہ سوچ سوچ کر مسکرا رہا تھا۔ اُس کو حسینہ کی ادا پر پیار آ رہا تھا خود سے۔ "اِس زمانے میں بھی شرم و حیا کا پیکر لوگ ہیں، اِن کی یہ ادا اِن کے حسن کو چار چاند لگا دیتی ہے۔" سوچ کر سالک کی آنکھوں میں مستی آ گئی اور وہ چمک رہی تھیں۔ یہ وہ خوبصورت یاد تھی جو اُس کی سارے دن کی تھکن مٹا رہی تھی۔ وہ بھول گیا تھا کہ آج اُس نے کس قدر مشکل دن گزارا ہے۔ وہ ہشاش بشاش ہو گیا تھا خود سے۔ "آج بھی پاکیزگی میں ہی خوبصورتی ہے اور سکون ہے۔ کبھی پہلے میں اتنا خوش نہیں ہوا۔ نہ کبھی پر سکون۔ اُس نے پندرہ سال انتظار کیا ہے مگر کتنی مطمئن ہے۔ میرے دیکھنے سے بھی بے چین ہو جاتی ہے۔ وہاں تو لڑکیاں لڑکے گلے تک ملتے ہیں۔ مگر اِس قدر بے چین نہیں ہوتے نہ ایک دوسرے کے ہونے کو محسوس کرتے ہیں۔ سچ ہے عورت چھپی ہوئی ہی آنکھوں کی ٹھنڈک اور خوبصورت ہے ایسی عورت ہی آپ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔"

لیٹے ہوئے حسینہ خود سے۔ "ذرا بھی شرم نہیں آتی انشال بھائی کے سامنے بھی کیسے بول رہے تھے۔ یہ بھی خیال نہیں کیا وہ میرا بھائی ہے کیا سوچے گا۔ مگر نہیں...... باہر سے جو پڑھ کر آئے ہیں۔ شرم و حیا بھی وہاں پر ہی چھوڑ آئے ہیں۔ دیکھتے بھی ایسے ہیں جیسے ابھی کھا جائیں گے۔" پھر خود سے ہی جواب دیتے ہوئے۔ "زیادہ بھی نہ بنو۔ یہ بڑا کرم ہے جو تم پر اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے کیا ہے۔" پھر خود سے ہی "اگر وہ نہیں دیکھے گا تو سہہ نہیں پاؤ گی۔ ناشکری نہیں کرتے۔" سوچ کر ہی کانپ گئی۔ خود سے "اُس کی نظریں ہی تو بتاتی ہیں کہ تم بھی ہو، تمہارے وجود کے ہونے کا احساس تم کو بھی اُس کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اُس کا دیکھنا اور تمہارا وجود لازم ہیں۔"

سب بیٹھے لاؤنج میں چائے پی رہے تھے کہ سالک آ گیا۔ اُس کو دیکھ کر نفیسہ بیگم۔ "آؤ تم بھی ہمارے ساتھ چائے پیو۔"

اُس کو دیکھ کر تاجیل۔ ''بڑے خوش ہو۔ ذرا ٹھہرو تمھاری تو سوچ ہی بدل گئی ہے۔ امی آپ کے بیٹے کی آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے اِس کو محبت ہو گئی ہے۔''

بات سیدھی جا کر سالک کے دل پر لگی۔ مگر خود پر قابو پاتے ہوئے۔ ''آپ بھی آنکھیں پڑھنے لگے ہیں۔''

''میں تو پڑھ رہا ہوں۔ تم ڈائریکشن بتا دو۔ ٹھیک ہے یا نہیں۔''

''یہ تو تب پتہ چلے گا جب حسینہ گھر آئے گی۔''

''آپ ڈائریکشن چھوڑیں یہ بتائیں ہمارے ملک کی فارن پالیسی کیسی ہے۔''

''بڑی سٹرونگ ہے۔''

''آپ کی سیاست کیسی جا رہی ہے۔'' تاجیل کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سالک نے نیا سوال پوچھا۔

''میری سیاست بھی اچھی جا رہی ہے۔ بلکہ جم کر سیاست کر رہا ہوں۔ اب تو فارن منسٹر بھی بن رہا ہوں۔''

''اس لیے کہہ رہے ہیں ہماری فارن پالیسی سٹرونگ ہے۔''

''کہنا ہے۔''

''کیسے؟ آج ہی میں فلسطین پر ظلم دیکھ رہا تھا۔

کیا سب سو رہے ہیں۔

یہ ہے ہماری فارن پالیسی۔'' ذرا غصے سے سالک۔

''ہم نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے اقوام متحدہ میں۔''

''ہم چار ملکوں کو اکٹھا کر کے آواز نہیں اُٹھا سکے۔

تو اب میں کیا کہوں۔

جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔ جب آؤٹ پُٹ ہی کچھ نہیں ہے تو۔''

بھیگی بلی بن کر تاجیل اپنا سا منہ بنا کر رہ گیا اِس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو خود بھی صرف سیاست ہی کر رہا تھا اِس کو صرف اپنے مفادات سے سروکار تھا۔ باقی بھی تو اِس جیسے ہی تھے۔ خود سے تاجیل۔ ''اب چور کو چور کون کہے۔''

انسان محنت کرتا ہے تو اُس کا رنگ چڑھتا ہے۔ مریضہ حسینہ کے لیے تینوں نے سردھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ محنت تو اللہ کسی کی بھی نہیں رکھتا۔ یہ تو پھر ایک انسان کو بچانے کے لیے تھی، یہ کیسے رائیگاں جا سکتی تھی۔

''بہت ایمپرومنٹ آئی ہے۔

گڈ! ڈاکٹر مناہل اور ڈاکٹر انشال۔

تم دونوں نے بہت محنت کی ہے لیکن اب زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ذرا سی غلطی اس کو موت کی طرف لے جا سکتی ہے۔

بس! ایک ہفتہ اور پھر تم دونوں کامیاب ہو۔''

اس ساری گفتگو میں ڈاکٹر مناہل کی توجہ کا مرکز ڈاکٹر سالک تھے۔ انشال اِس چیز کو محسوس کر رہا تھا۔ ڈاکٹر مناہل۔ ''آپ نے بھی بہت محنت کی ہے۔

میں تو یہ کہوں گی ہم دونوں کی کوشش ایک طرف اور آپ اکیلے کی ایک طرف۔''

''یہ ٹیم ورک ہوتا ہے اور ٹیم ورک ہی کامیابی کی نشانی ہے۔''

''we will try our best'' خوشی سے ڈاکٹر مناہل اپنے آپ کا احساس دلانے کے لیے۔

لیکن یہ سب سالک کے لیے روٹین کا معاملہ تھا معمول کے مطابق ''best of luck''

☆......☆......☆

جیسے ہی تارڑ فیملی پارٹی میں داخل ہوئی دور کھڑے سالک کی نظریں سیدھی حسینہ پر پڑیں۔ وہ آج بھی سر پر سکارف لیے اور میک اپ کے بغیر تھی۔ جو سالک کے لیے باعث حیرت تھا۔ جس کلاس سے وہ تعلق رکھتا تھا وہاں ایسی لڑکی کا تصور بھی نہ تھا۔ وہ یہ تو جان گیا تھا کہ وہ خود کو ڈھانپ کر رکھتی ہے مگر

یہ انکشاف اس پر آج ہوا تھا کہ وہ تیار بھی نہیں ہوتی۔ اِس قدر سادگی میں بھی وہ اُس کے دل میں بجلی کے کرنٹ کی طرح بہہ رہی تھی۔ جو دل کے ہر حصہ میں پہنچ رہا تھا۔ اُس کو روشن بھی کر رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ جس نے اُس کے سامنے کھڑے تاجیل کو بتایا کہ حسینہ آ گئی ہے۔ اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تصدیق کرنے کے لیے کیونکہ وہ پارٹیز میں نہیں جاتی تھی۔ مسکرایا پھر سالک سے

''قریب نہیں جاؤ گے دور کھڑے رہو گے۔ ڈرتے ہو؟''

''اِس چیونٹی سے کون ڈرتا ہے۔''

''دیکھنا کہیں یہ چیونٹی کاٹ نہ لے۔''

''بے ضرر ہے خود ہر وقت مسل جانے سے ڈرتی ہے۔''

''ابھی سے اتنا رعب۔''

''مجھے تو کچھ نہیں کرنا پڑا۔''

''تم کو پتہ ہے اِس پارٹی میں سے ہی دس اُس سے ڈرتے ہیں۔''

''نا کریں!'' حیرت سے سالک پھر سوچتے ہوئے۔ ''ہو سکتا ہے جواب تو ٹھا کر کے دیتی ہے۔''

''جی جناب! آپ سوال کرو جواب حاضر ہے۔''

بڑے تپاک سے سانگھڑ فیملی نے اُن کا استقبال کیا۔ ابھی وہ سب مل رہے تھے کہ سالک اور تاجیل بھی وہاں پہنچ گئے۔ سلام دعا ہوئی۔ سالک نے نظروں سے سلام کیا۔ حسینہ نے آنکھیں جھکا کر سلام کیا۔ مسکرا کر سالک نے وعلیکم السلام کہہ دیا۔ سب آپس میں باتیں کرنے لگ گئے۔ ویٹر نے کولڈ ڈرنک پیش کیں۔ سب نے ایک ایک گلاس اُٹھا لیا۔ زرمین اور تاجیل ان سے الگ ہو گئے۔ حسینہ کے چہرے پر نظریں گاڑے سالک۔

''یہ تینوں کتنا تیار ہوئی ہیں اور اچھی بھی لگ رہی ہیں۔ مگر تم اتنی سادا کیوں ہو۔''

اِس سے پہلے کے رادیہ بولتی حسینہ۔ ''لگتا ہے آپ کو اچھا نہیں لگا؟''

''میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔'' اِسی دوران رادیہ۔ ''شکریہ سالک بھائی۔

یعنی محنت ضائع نہیں گئی۔"

اُس کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے۔

"بیٹا جی! مجھے ہی نہیں ساری پارٹی تم تینوں کی تعریف کرے گی۔ تاشہ کی تو میں نے پارٹی شروع ہونے سے پہلے بھی تعریف کی تھی۔ آج یہ الگ ہی انداز سے تیار ہوئی تھی۔"

جلدی سے تاشہ۔ "بدلے میں نے کیا کہا تھا آپ تو بھائی ہیں۔ آپ کو اچھی نہیں لگوں گی تو اور کس کو۔"

"سچ میں اچھی لگ رہی ہو تاشہ۔" سالک کی تائید کرتے ہوئے شامہ تینوں نے ایک دوسرے کو الگ ہونے کا اشارہ کیا۔ تو حسینہ کو پتہ چل گیا اُس نے تاشہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ہاتھ چھڑوا کر پھر بھی نکل گئی۔ سالک کو اُن کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ بہت بے باک تھا۔ لیکن وہ محسوس کرتی تھیں اِن کو وقت چاہیے۔

"تمھیں اچھا نہیں لگتا لوگ تمھاری تعریف کریں۔"

"مجھے جس کے ساتھ رہنا ہے اُس کی تعریف چاہیے کسی اور کی نہیں۔"

"اگر وہ کہے کہ اُس کو تم ایسی ہی اچھی لگی ہو۔"

"تو میں خوش ہو جاؤں گی۔ مجھے پیا کے دل میں جگہ مل گئی ہے۔"

"تم نے جب پارٹی میں قدم رکھا تھا تو پارٹی میں بہار آ گئی تھی اور میرے دل کا پودا اُس کو محسوس کر رہا تھا۔ اُس پر نئے پتے آنے شروع ہو گئے تھے۔

یعنی میرے دل کا پودا پورے جوبن پر آ گیا ہے۔"

ساتھ ہی سالک اُس کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا وہ جب بھی حسینہ کو ایسے دیکھتا تھا وہ شرم سے آنکھیں جھکا لیتی تھی اور سمٹ جاتی تھی۔ اس کا اِس طرح الجھ جانا سالک کو سلطنت کے حکمران ہونے کا احساس دلا رہا تھا جس کے سامنے آنے سے رعایا کا ہر عام و خاص جھک جاتا ہے۔ اس کو بھی حسینہ پر حکمرانی کا احساس ہو رہا تھا اُوپر سے اُس کا شرمانہ سونے پر سہاگہ تھا۔ وہ اُس کی اِس حالت سے لطف

اندوز ہورہا تھا اور اُس پر فریفتہ ہورہا تھا۔ کافی دیر دونوں خاموش اِسی طرح رہے تو سالک سے رہا نہ گیا۔

''میرے دیکھنے سے تمھاری حالت غیر ہوجاتی ہے۔ لگتا ہے ہاتھ لگاؤں گا تو تم ویسے یہ مرجاؤ گی۔''

اُس کے پاس اِس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اُسے دیکھے جارہا تھا وہ چپ چاپ گلاس کے پیندے پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اور اپنی شرم جو اُس کے وجود کو ہلا رہی تھی کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اُس کا چہرہ سالک کو سب بتا رہا تھا۔ اُس کو لگ رہا تھا کہ وہ کھڑی زمین میں گڑھ جائے گی۔ دل میں دعا کر رہی تھی کہ کوئی آجائے۔ وہ یہ بھی بن کہے پڑھ رہا تھا کہ اِس میں اب میرے سامنے اور زیادہ دیر ٹھہرنے کی ہمت نہیں رہی۔ مسکرا کر ذرا دور کھڑی رادیہ سے اشارے میں آنے کے لیے کہا۔ وہ آئی تو

''سنبھالو اِس کو کہیں گر ہی نہ جائے۔'' وہاں سے چلا گیا۔

اُس کے جاتے ہی حسینہ نے لمبی سانس لی۔ پھر گلے سے آہستہ سے آواز نکلی۔ ''تم دونوں کہاں چلی گئی تھیں۔''

''ہم نے سوچا! تم دونوں کو اکیلے میں بات کرنے کا موقع دیا جائے۔ کیسی رہی ملاقات۔''

اتنے میں شمامہ بھی آگئی۔ جوش سے سننے لگی۔ ''وہ دیکھتے ہی ایسے ہیں کہ مجھ سے کوئی جواب ہی نہیں دیا جاتا، پھر بھی میں نے کافی جواب دیئے ہیں۔''

''تمھاری تعریف کی سالک بھائی نے۔'' ساتھ ہی شمامہ نے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔

''ویسے تو سادا ہی ہو لیکن اس لباس میں ملبوس منفرد لگ رہی ہو۔''

ناک چڑھا کر۔

''پتہ نہیں سمجھ نہیں آئی۔''

''تم بتائو، میتھ کا یہ سوال میں حل کر دیتی ہوں۔''

''بس! یہ کہا، اِس سادگی میں بھی اچھی لگ رہی ہو۔''

''یہ تعریف ہی تھی۔

شکر ہے اچھی لگی ہو۔

وہ نئے تھے باقی تو سب عادی ہیں۔"

خوشی سے رادیہ۔ "یعنی اب تم پیا گھر آئی کے آئی اور ہماری باری بھی آئی۔ ہمارے تو وہ انتظار کر کے تھکے پڑے ہیں۔"

"اچھا بچوں! یہ بات ہے۔ گھر جا کر امی سے بات کرتی ہوں۔"

جوش سے شامہ۔ "ضرور کرنا۔ تم دونوں نے تو آنکھ مچولی کب تک کھیلنی ہے۔ ہم تو زندگی کا مزہ لیں۔"

تکتے ہوئے حسینہ۔ "بہت بے شرم ہو۔"

ہنس کر رادیہ۔ "تم شرم کرتی رہو۔ بہت مشکل کام ہے ہم سے یہ نہیں ہو پاتا۔"

اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے حسینہ۔ "تاشہ کہاں ہے؟"

کھسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ رادیہ۔ "سارب کے ساتھ۔"

ساتھ ہی شامہ۔ "پتہ ہے سارب نے خود اُس کو بلایا ہے۔"

"شکر ہے اِس بدتمیز کو بھی عقل آئی۔"

"تم اپنے بھائی کے بہت قریب ہو۔

کیا خیال ہے اُس کا؟"

اُس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے تاشہ۔ "میں دیکھ رہی ہوں تم بدل گئے ہو۔"

"کیا مطلب لوں اِس سے۔"

"تم نے دوسری مرتبہ سالک بھائی کے خیالات پوچھے ہیں۔ کیا تم بھی اپنے علاوہ دوسروں کے بارے میں سوچ سکتے ہو۔"

"کہا تھا نا، اگر بہن حسینہ ہو تو مجھ جیسا لاپرواہ بھائی بھی سوچتا ہے۔"

"کبھی دوسروں کی بہن کے بارے میں بھی سوچ لیا کرو۔"

"تم جو گول گول باتیں کرتی ہو۔ یہ مجھے الجھا دیتی ہیں۔"

"تم نہ الجھو، سیدھا سیدھا سمجھو۔"

''سمجھنے کی ہی کوشش کر رہا ہوں۔''

اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔ ''اگر میرے بارے میں سوچ رہی ہو تو یہ سوچ کر چلنا۔ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ مگر حسینہ کی آنکھوں میں آنسو بھی آئے تو میں برداشت بھی نہیں کر سکتا۔ وہ میرے دل پر ہتھوڑے جیسی ضرب لگاتا ہے۔''

''حسینہ کو تمھارے حوالے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔ وہ محبت ہے۔ محبت دینا اور لینا جانتی ہے۔''

''اِس سب کے باوجود پتہ نہیں کیوں؟ اُس کے نصیبوں میں انتظار ہے۔ خوشیاں اُس سے دور ہیں۔''

''تم خود کیوں نہیں سالک بھائی سے بات کرتے۔''

''حسینہ ہے نا میری پاؤں کی زنجیر۔

تم تو جانتی ہو۔ میرا غصے پر کنٹرول نہیں۔

اگر ایسا کچھ ہوا تو وہ برداشت کیسے کرے گی۔''

''تم پھر امی ابو کی طرح انتظار کرو۔ تمھیں پتہ ہے ابو بھی شاخ کے ٹوٹنے سے ڈرتے ہیں۔''

کھانے سے بھری پلیٹ لا کر سالک نے انشال کو دی۔ لیتے ہوئے انشال۔ ''بھائی آپ نے یہ تکلف کیوں کیا۔ میں خود لے لیتا۔''

''یار! تمھارے ساتھ ایک انجانی سی محبت ہو گئی ہے۔ تمھارا بے لوث کام کرنا بغیر کسی صلے کے، پھر کسی کو احساس بھی نہ ہونے دینا۔ دوسروں کے لیے راستہ بنانا۔

یار! اچھا لگتا ہے۔''

''آپ کو کیسے پتہ چلا۔''

''مجھے سب نظر آتا ہے، آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔''

''شکریہ بھائی!''

کندھے پر ہاتھ رکھ کر سالک۔ ''منفرد چیزیں مجھے اچھی لگتی ہیں اور میں اُن کی قدر کرنا جانتا ہوں۔''

اِن الفاظ نے انشال کی ڈھارس بندھائی کیونکہ وہ حسینہ کو لے کر اور مناہل کے رویہ کو محسوس کر رہا تھا۔ اُس کو لگا سالک نے اُس کے ذہن میں اُٹھنے والے سوالوں کے جواب دیئے ہیں۔

''مزہ آیا یا نہیں۔''

''بھائی! بہت انجوائے کیا۔ سمجھیں ایک لمبی ویک اینڈ تھی اب تازہ دم ہو کر اور زیادہ کام کر پاؤں گا۔''

سٹاف روم میں بیٹھی چائے کا کپ ہاتھ میں لیے مناہل خود سے۔ ''آج سر سالک سے پارٹی میں نہ دعوت دینے پر شکوہ کروں گی، ساتھ ہی گھر پر چائے کی دعوت دوں گی۔''

پھر کچھ سوچ کر خود سے ہی۔ ''یہ اچھا ہے چائے کی دعوت سے وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔ اتنے تو سمجھ دار ہیں وہ۔''

کیس ڈسکس کرنے کے بہانے سے وہ اُس کے کمرے میں گئی۔ ''سر! یہ انیلہ کا کیس آپ سے ڈسکس کرنا تھا۔''

''ضرور...... ضرور کیوں نہیں۔ آؤ تم۔''

اُس نے ڈاکٹر سالک کو فائل دی تو وہ اُس کو دیکھنے لگ گیا۔ بڑی ہمت کر کے مناہل۔ ''آپ نے دعوت پر نہیں بلایا۔''

بے اعتنائی سے سالک۔ ''وہ تو امی نے حسینہ کے لیے کی تھی، وہ دراصل پارٹیز میں نہیں جاتی۔ امی چاہتی تھیں کہ وہ آئے۔

تم غالباً حسینہ کو جانتی ہو گی وہ ڈاکٹر انشال کی بہن ہے۔''

لفظ حسینہ ڈاکٹر مناہل کو چھری کے کٹ کی طرح لگا مگر آہستہ سے۔ ''جی جانتی ہوں۔''

''مریضہ کو یہی میڈیسن جاری رکھو۔ اور اس کا بلڈ ٹسٹ کرواؤ پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔''

''بہتر جی سر۔''

''کچھ اور پوچھنا ہے؟''

''جی نہیں!''

اُس نے تو ڈاکٹر مناہل کو کچھ کہنے کے قابل کہاں چھوڑا تھا۔ وہ جو خواب بننے لگی تھی وہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئے تھے۔ وہ چپ چاپ چلی گئی۔

☆......☆......☆

آؤٹ ڈور میں ہمیشہ ہی بہت مریضوں کا رش ہوتا ہے اور ڈاکٹروں کو بہت کم وقت میں بہت زیادہ مریض دیکھنے پڑتے ہیں۔ یہ تو پھر ڈاکٹر سالک کا آؤٹ ڈور تھا جس میں بہت زیادہ مریض آتے تھے۔ کچھ تو یہ سن کر آتے تھے کہ امریکہ کا ڈاکٹر ہے اب تو زیادہ تر ڈاکٹر سالک کے اچھے اخلاق اور ہمدردانہ رویہ کی وجہ سے آ رہے تھے۔ آؤٹ ڈور پر زیادہ تر ڈاکٹر سالک کے ساتھ ڈاکٹر انشال اور مناہل کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ انشال تو محبت سے ساتھ ہوتا تھا اور مناہل متاثر ہو کر ساتھ تھی۔ مگر آج اُس کے لیے بھی آؤٹ ڈور پر جانا مشکل ہو گیا تھا۔ ایک تو سر کھجانے کو وقت نہ ملتا تھا، دوسرا اُس نے ڈاکٹر مناہل کے خوابوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ڈیوٹی چونکہ لگ گئی تھی اس لیے دل نخواستہ مناہل کو جانا پڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر انشال نے مریض کی فائل دیکھی اِس کا تفصیلی مطالعہ کیا پھر ڈاکٹر سالک کی طرف فائل بڑھائی۔ اُس نے فائل کا بغور مطالعہ کیا۔ پھر انشال سے ''ٹیومر ہے اِس کی شاخیں ہیں۔ یہ خطرناک ہوتی ہیں اگر رسولیوں کی شاخیں ہوں تو جلد از جلد اِن کا ریمو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ پھیل جاتی ہیں۔'' پھر مریض سے ڈاکٹر سالک۔

''آپ کی رسولیاں بڑھ رہی ہیں جو خطرناک ہو سکتی ہیں، آپ آپریشن کروائیں۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔''

''جناب! کیسے کرواؤں پیسے نہیں ہیں۔''

''یہاں مفت علاج ہوتا ہے۔ آپ یہاں سے کروائیں۔''

''ڈاکٹر صاحب! نام کا مفت ہوتا ہے، زیادہ آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔''

تعجب سے ڈاکٹر انشال کی طرف دیکھتے ہوئے۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''جہاں تک مجھے علم ہے بھائی یہاں ضرورت مندوں کا مفت علاج ہوتا ہے۔''

''ڈاکٹر صاحب! اِن سے کیا پوچھتے ہیں۔ جس تن لاگے وہ تن جانے۔ مجھ سے پوچھیے۔''

اُس کی بات نے ڈاکٹر انشال کو بھی لاعلم ہونے کا احساس دلا دیا۔ وہ جو سالک انشال کو دیکھ رہا تھا اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرواتے ہوئے۔ ''ڈاکٹر صاحب! اب تو ایسا زمانہ آ گیا ہے۔ اگر میرے گھر آگ لگی ہے تو ہمسایہ یہ سوچ کر سو جاتا ہے کہ میرا گھر تو محفوظ ہے۔ یہ صاحب لوگ کبھی ہماری طرح ہسپتال کے چکر کاٹیں تو اِن کو علم ہو کس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔''

''انشال! ان کو آپریشن کی ڈیٹ دو اور جا کر اِن کو ایڈمٹ کروا دو اور کاؤنٹر پر اِن کے سارے معاملات کلیئر کر کے آؤ۔''

اُس نے فائل پکڑی اور مریض کے ساتھ جانے لگا۔ جاتے جاتے مریض۔ ''اللہ آپ کو بہت دے، آپ عظیم انسان ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ بات یاد رکھیے گا، اگر ہر انسان یہ سوچ لے کہ جو آج اِس انسان کے ساتھ ہو رہا ہے وہ کل کو میرے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ تو دنیا میں کوئی دکھ نہ رہے۔''

اُن کے جانے کے بعد سالک اور مناہل مریضوں کو دیکھنے لگے۔ مناہل چپ چاپ کام کر رہی تھی اُس کی چپ میں بھی دکھ تھا۔ انشال نے مریض کے ساتھ جا کر سارے انتظامات کر دیئے۔ آؤٹ ڈور ختم ہوا تو سالک جانے لگا تو انشال وہاں پر سٹاف روم تک گیا۔ سالک ''تم کیوں نہیں جا رہے۔''

''دراصل آج میں خود ڈرائیو کر کے نہیں آیا۔ ڈرائیور چھوڑنے آیا تھا۔ میں اُس کو فون کرتا ہوں وہ آ جائے گا۔''

''اِس کی ضرورت نہیں، میں تمھیں ڈراپ کر دیا ہوں۔''

وہ گاڑی کی طرف چل پڑے تو انشال۔ ''دراصل کل نائٹ تھی صبح دو چار گھنٹے سویا ہوں تو مجھے ڈر تھا کہ کہیں مار ہی نہ دوں اس لیے ڈرائیور کے ساتھ آیا تھا۔''

گھر پہنچے تو انشال۔ ''اب آپ یہاں سے جا نہیں سکتے۔ ایک کپ چائے ہو جائے ساتھ کچھ گپ شپ ہو جائے گی۔''

"آپ کو انکار کیسا، چلتے ہیں۔"

دونوں لاؤنج میں داخل ہوئے تو حسینہ کھڑی رادیہ اور کلثوم بیگم کو کامیابی کی نوید سننے میں مصروف تھی۔ سالک عین اُس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور ساتھ انشال۔ وہ گاڑی پر سوار بولی جا رہی تھی۔

"امی جو میں نے سمپل بھیجے تھے اُن کا رزلٹ آ گیا۔ رزلٹ کیا ہے سمجھیں خوشخبری ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میری اِس چھوٹی سی لیب میں بھی بڑا کام ہو سکتا ہے۔" پھر خود ہی ساتھ

"ویسے بڑے بڑے کام ہمیشہ چھوٹی لیب میں ہی ہوتے ہیں آپ الگزینڈر فلیمنگ کو تو جانتے ہیں اُس نے پنسلیں کہاں بنائی تھی۔ اِسی طرح میں نے بھی پانی کو صاف اِس لیب میں کرنا ہے اِس کی ایک چھوٹی سی کرن میرے سمپل کے رزلٹ نے دکھادی ہے باقی آگے سے آگے بہتر ہو گا۔

بندہ کوئی ستائش کے دو لفظ بول دیتا ہے تا کہ دوسرے کی حوصلہ افزائی ہو جائے۔"

پیچھے سے سالک۔ "ہم کر دیتے ہیں۔ آپ حکم تو کریں۔"

چونک کر حسینہ پیچھے مڑی تو سیدھی سالک میں جا کر لگی بس اُس کے ساتھ ٹکر کیا ہوئی حسینہ کی تو سانس ہی رک گئی اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے اُس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ وہاں سے بھاگی اور سیدھی لیب میں جا کر سانس لیا۔

ہونٹوں کو دبائے کلثوم بیگم اور رادیہ ہنسنے لگیں ساتھ ہی "آؤ بیٹا۔"

"امی! سالک بھائی باہر سے ہی جا رہے تھے زبردستی اندر لایا ہوں بس آپ چائے بنوادیں۔"

"تم دونوں بیٹھو۔ ابھی چائے آئی۔"

"آنٹی! آپ میری چائے حسینہ کی لیب میں ہی بھیج دیجئے گا۔ میں اُس کو مبارکباد تو دیتا ہوں۔"

"جی بیٹا! آپ جاؤ۔"

ساتھ ہی انشال۔ "امی میں بھی فریش ہو کر آتا۔"

ابھی تک حسینہ لیب میں کھڑی سانس درست کر رہی تھی اُس کے ساتھ لگنے سے اُس کے وجود کا ایک ایک حصہ محسوس کر رہا تھا۔ اس کے جسم میں الکٹرون حرکت میں آ گئے تھے۔ انھوں نے اُس کے جسم

میں کرنٹ پیدا کر دیا تھا۔ دل تو دھڑک دھڑک کر اُس کو بتا رہا تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک اُس کی ہی ہے۔ وہ لیب میں داخل ہوا تو اُس کی حالت غیر کا مشاہدہ کرتے ہوئے۔

''تو ابھی تک سانس بحال نہیں ہوا'' اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔ ''اتنی پریشان کیوں ہو۔ کیا میں کوئی جن ہوں جو کھا جاؤں گا۔''

سر کے اشارے سے ''حسینہ نہیں'' تو سالک۔

''میں نے تو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ہاتھ لگاؤں گا تو کیا کرو گی۔''

اُس کے سامنے کھڑی ہو کر۔ ''آپ کیوں لگائیں گے ہاتھ۔''

اُس کے قریب ہوتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔ ''بتاؤ کیوں لگاؤں گا ہاتھ۔''

شرم سے آنکھیں جھکا کر حسینہ تھوڑی دور جا کر۔ ''مجھے نہیں جاننا۔''

''نہیں......نہیں......اگر جاننا چاہتی ہو تو بتا دیتے ہیں۔''

ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ رادیہ پروین کے ساتھ چائے لے آئی۔ اُس نے پروین کو چائے رکھنے کا کہا اور جانے کے لیے۔ اس کے جاتے ہی رادیہ۔ ''بھائی پوچھتے کیا ہیں ایک دن پکڑ ہی لیں۔''

مسکرا کر سالک۔ ''یہ دیکھا اِس کو اور تم ایسے ہی دور کھڑی کانپ رہی ہو۔''

''میں تو نہیں کانپ رہی۔''

''اچھا......اچھا......تو یہ تمھارے فرشتے ہیں۔''

اُس نے خود کو محسوس کیا تو وہ واقعی ہی کانپ رہی تھی۔ رادیہ ''اچھا بھائی میں چلتی ہوں۔ ہاتھ پکڑ لیں تو مجھے بتا کر جایئے گا۔''

''میں نہیں پکڑ رہا کیونکہ ابھی میں اِس کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اتنی پرواہ۔''

''کیا کریں رادیہ، کرنی پڑتی ہے چاہے لوگ کریں یا نہ کریں آخر کو پاگل جو ہیں لوگ۔''

جلدی سے حسینہ۔ ''میں تو پاگل نہیں ہوں۔''

مسکرا کر سالک۔ ”میرا مطلب میں پاگل ہوں۔“

سنجیدگی سے حسینہ۔ ”آپ کہاں ہیں۔“

”پھر اتنی دور کیوں کھڑی ہو۔“

”ویسے ہی میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔“

اشارہ کرتے ہوئے سالک۔ ”رادیہ ذرا بتاؤ؟ لوگ آپ سے دور کب بھاگتے ہیں۔“

”ظاہر ہے جب وہ آپ کو پاگل جانتے ہیں۔“

”یہ ایسے ہی بول رہی ہے میں نے ایسا کچھ نہیں سمجھا۔“ صفائی دیتے ہوئے حسینہ ہیں۔

”اگر ایسا کچھ نہیں تو یہاں آؤ اور چائے بنا کر دو۔“

”آج نہیں کل بنا کر دوں گی۔“

”یعنی چائے کے لیے کل آنا پڑے گا۔“

”بھائی! میں آپ کو بنا دیتی ہوں۔ آج ذرا اِس کی مشین درست ہونے میں وقت لے گی۔ آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔“

”ہم چلتے ہیں کل ہی آ کر پیئیں گے۔“

جلدی سے بھاگ کر۔ ”میں ابھی بنا دیتی ہوں۔ ورنہ امی بہت ڈانٹیں گی۔“

”یعنی ہماری کوئی پرواہ نہیں۔ امی کی ہے۔“

اُس کی حالت دیکھتے ہوئے رادیہ۔ ”بھائی آج کے لیے اتنا کافی ہے۔“

”صرف تمہارے کہنے پر ہم چھوڑ رہیں ہیں۔“

خبریں دیکھتے ہوئے سالک حسینہ کے واقعہ کو یاد کر کے رہا تھا اور مسکرا رہا تھا خود سے۔ ”انیسویں صدی کی ہے مگر دل کو اچھی لگ رہی ہے۔“ پھر خود سے۔ ”مگر تم اُس صدی کے نہیں ہو۔“ پھر خود سے۔ ”پرانی چیزیں دل کو ہمیشہ فیسی نیٹ کرتی ہیں۔ میں نے کون سے فیشن شو میں اُس کو پیش کرنا خود ہی دیکھنا ہے وہ میرے دل کو سکون دیتی ہے بس کافی ہے۔“

''غزہ اپر اسرائیل کا حملہ
ہزاروں فلسطینی بے گھر سینکڑوں زخمی اور شہید'' اِس آواز نے سالک کی توجہ خبروں کی طرف مبسذول کروائی وہ یادوں سے نکل کر خبریں سننے لگ گیا۔ خبریں تھوڑی تھیں وہ تو ہزاروں لوگوں کی فریاد تھی جو اُس کو دکھی کر رہی تھی۔ اُس نے چینل بدلا دوسری جگہ خبر تھی۔

''Russia attacks on Ukarain'' اِس میں بھی لوگوں کی تباہی ہی تھی۔ اُس نے مزید دیکھنے کی بجائے وہاں سے اُٹھنا پسند کیا اور ٹی وی بند کر دیا۔

☆......☆......☆

ابھی ہسپتال کے لیے انشال نکل کر گاڑی کی طرف آ رہا تھا کہ دو گاڑیاں اندر داخل ہوئیں۔ احمد صاحب اور اُن کی مسز رضوان صاحب اور اُن کی مسز اِن سے باہر نکلی۔ انشال نے بڑے تپاک سے ان سے سلام دعا کی اور اُن کو اندر لے کر گیا۔ اُن کو دیکھ کر کلثوم بیگم اور عبدالرحمٰن تارڑ بھی خوش ہوئے سلام دعا ہوئی۔ کلثوم بیگم نے پروین کو چائے لانے کا حکم دیا۔

''آج دونوں فیملی اکٹھی۔ لگتا ہے کوئی بڑی بات ہے۔'' کلثوم بیگم بیٹھنے کے لیے انشال کو اشارہ کرتے ہوئے۔

یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ رضوان فیملی ان کے ساتھ ہے مسز احمد نے مسز رضوان کی طرف دیکھ۔

''آج تو ہم آپ سے منگنی کی تاریخ لینے آئے ہیں۔ اس لیے اکٹھے آئے ہیں تا کہ آپ کوئی ٹال مٹول نہ کر سکیں۔''

اُس کے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے مسز رضوان۔ ''بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم لوگ تو لائن میں کھڑے ہو ہو کر تھک چکے ہیں۔ درخواست ہے اب انتظار ختم کیا جائے۔''

اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے عبدالرحمٰن۔ ''بھابی! آپ کی بیٹیاں ہیں۔ ہم بھلا کیوں انتظار کروائیں گے۔ بس حسینہ کی وجہ سے دیر ہوئی ہے۔''

''اب تو سالک کو آئے بھی تین چار ماہ ہو گئے ہیں۔ احمد صاحب عبدالرحمٰن کو احساس دلاتے ہوئے۔

''ہم چاہتے ہیں کہ کوئی فنکشن ہو جائے شادی کی ہمیں بھی کوئی جلدی نہیں۔'' رضوان صاحب احمد صاحب کی بات کو مزید اہم کرنے کے لیے تا کہ زور ڈالا جا سکے۔

اس دوران پروین چائے لے کر آئی تو کلثوم بیگم نے اُسے رکھ کر جانے کو کہا۔ اور چائے پروسنے لگی۔ ''احمد صاحب! میں ماں جی سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے دو دن کا ٹائم دیں۔''

چائے کے کپ کو ایک طرف رکھتے ہوئے مسز احمد۔ ''جی بھائی! آپ ماں جی سے پوچھیں اُن کا حکم سب سے مقدم ہے۔ مگر آپ اُن سے ہماری طرف سے درخواست کریں۔''

''بیگم نے ٹھیک کہا۔ ماں جی سے درخواست کی جا سکتی ہے۔''

''دیکھو! مل کر بیٹھے ہیں تو حل نکل آیا ہے۔'' رضوان صاحب احمد صاحب کی تائید کرتے ہوئے۔

''بھائی صاحب! ہم لوگ رشتوں کو نام دینا چاہتے ہیں۔''

مزید وضاحت دیتے ہوئے مسز احمد۔ ''بھابی! یہ بات نہ کریں۔ یہاں تو نکاح کر کے انسان کو گارنٹی نہیں ہوتی۔ یہ پھر منگنی ہے۔''

''آپ کچھ بھی کہیں اُس رشتہ کا کوئی نہ کوئی نام تو ہوتا ہے۔''

ساتھ ہی رضوان صاحب۔ ''بھابی نے سچ کہا۔ رشتے نام کے ساتھ اُمید کی کرن ہوتے ہیں جو آپ کو ڈوبنے نہیں دیتے۔''

اُس کی بات عبدالرحمٰن کے دل کو لگی۔ ''رضوان صاحب! آپ نے بجا فرمایا۔ آپ کی بات دل کو چھو گئی ہے۔ واقعی ہی رشتوں کے نام ہی سہارا ہیں۔''

اتنی دیر سے خاموش بیٹھا انشال سب سن رہا تھا گھڑی کو دیکھ کر۔ ''انکل اور آنٹی مجھے اجازت دیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ فیصلہ تو آپ بڑوں نے کرنا ہے۔''

پاس بیٹھی مسز رضوان۔ ''جی بیٹا جاؤ۔'' دوسروں نے بھی اُس کی تائید کی اور وہ ہسپتال کے لیے نکل گیا۔

راستے میں جاتے ہوئے انشال خود سے۔ ''کیا واقعی ہی انتظار لمبا ہو گیا ہے۔ سب اِس کو محسوس کر رہے ہیں؟ اِس کا مطلب تو یہ ہوا حسینہ بہت صابر ہے چپ چاپ کھڑی انتظار کر رہی ہے۔ کیا

لڑکیاں بے زبان ہوتی ہیں، یا میری بہن ہی ایسی ہے جس نے بولنا سیکھا ہی نہیں۔ جس سوسائٹی سے میں تعلق رکھتا ہوں یہاں تو ایسی لڑکی میں نے ایک بھی نہیں دیکھی۔ یہ کہاں سے آ گئی ہے۔"

خود سے باتیں کرتے کرتے اُس کی آنکھوں میں پانی کی دو بوندیں آئیں جن کو اُس نے جلدی سے صاف کیا۔ پھر خود سے "سالک بھائی کو آئے ہوئے کافی وقت ہو گیا ہے اب تک انھوں نے فیصلہ کر ہی لیا ہوگا۔ حالانکہ لگتا ہے اُن کو حسینہ پسند ہے۔ مجھے اُن سے بات کرنی چاہیے یا نہیں؟ بس یہ ہی سمجھ نہیں آ رہا۔"

اپنے سامنے میز پر رکھی درخواست کو دیکھتے ہوئے سالک نرس سے۔ "یہ کیا ہے؟"

"سر! یہ درخواست ڈاکٹر مناہل کا ڈرائیور دے کر گیا ہے۔ وہ ہفتے کی چھٹی پر ہیں۔"

اُس پر دستخط کرتے ہوئے سالک۔ "گڈ۔ ویری گڈ۔ اُس کو واقعی ہی ریسٹ کی ضرورت تھی۔"

اندر داخل ہوتے ہوئے انشال نے یہ الفاظ سن لیے۔ جو اُس کے لیے ڈھارس تھے خود سے۔

"سالک بھائی نے نو انٹری کا بورڈ لگا رکھا ہے۔ بس کام سے عشق کرتے ہیں اس لیے شادی کا نہیں سوچتے۔"

اُس کو سوچوں میں گم دیکھ کر سالک۔ "آؤ...... اندر آؤ...... کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ ابھی میں ہسپتال آ رہا تھا تو انکل احمد اور اُن کی بیگم اُن کے ساتھ انکل رضوان اور اُن کی بیگم شمامہ اور رادیہ کی منگنی کے لیے تاریخ لینے آئے ہوئے تھے۔ وہ رشتے کو باقاعدہ نام دینا چاہتے ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ امی ابو حسینہ کی پہلے رخصتی چاہتے ہیں۔"

لفظ رخصتی نے سالک کی آواز کو گم کر دیا تو اُس کو لگا انشال اُس کو احساس دلا رہا ہے حسینہ اس کے لیے کھڑی ہے۔

ماں جی کو فون ملا کر کلثوم بیگم۔ "ماں جی ہم تو لمبی تان کر سوئے ہوئے تھے، آج شمامہ اور رادیہ کے سسرال والوں نے آ کر جگایا ہے۔"

’’تو پھر جگا کر کیا کہا۔‘‘ ہنس کر ماں جی۔

’’وہ منگنی کرنا چاہتے ہیں رشتے کو باقاعدہ نام دینا چاہتے ہیں۔ وہ بضد ہیں کہ باقاعدہ تقریب کی جائے۔‘‘

پرسکون انداز میں ماں جی۔ ’’کوئی بات نہیں تاریخ دے دو۔ کل فضیلت کی بیٹی کی شادی ہے میں پرسوں تمھارے پاس۔‘‘

’’آپ ڈرائیور کے ساتھ مت آیئے گا میں سارب کو بھیج دوں گی۔ وہ آپ کو لے آئے گا۔‘‘

’’بیٹا! میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے ایسا مت کہا کرو۔ وہ سنیں گے تو اُن کا دل برا ہوگا۔ یہ سب میرے بچے ہیں۔‘‘

’’ہم نے کب کہا نہیں ہیں۔ آخر نوکر ہیں، آپ کی اولاد لے آئے گی تو کیا برائی ہے۔‘‘

’’تم میری فکر چھوڑو۔ میں آجاؤں گی۔ تم تقریب کی تیاری کرو۔ دیکھو! بچیوں کی پسند سے سب کچھ ہونا چاہیے۔‘‘

’’وہ تو آپ فکر ہی نہ کریں سب حسینہ جیسی نہیں ہوتیں۔ وہ ہی گائے ہے، جو کچھ نہیں بولتی۔‘‘

’’بس اللہ اُس کے نصیب اچھے کرے۔‘‘

’’ماں جی! بس اُس کے نصیبوں سے پتہ نہیں کیوں ڈر لگ رہا ہے حالانکہ سالک بہت اچھا ہے۔‘‘

’’چھوڑو، یہ شیطانی وسوسے ہیں سب اچھا ہوگا۔‘‘

فون بند کر کے بہو کو تسلی دینے والی ماں جی خود اندر سے ڈر گئیں خود سے۔ ’’اِس اچھے کو کیا کریں جو سیدھی بات ہی نہیں کر رہا۔ ہمارے لیے تو وہ اچھا ہے جو حسینہ کے لیے اچھا ہے۔‘‘

ہسپتال سے واپس گھر جاتے ہوئے سالک کی گاڑی حسینہ کے گھر کے سامنے جا کر رُک گئی۔ گاڑی رکی تو سالک کو احساس ہوا وہ کہاں ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر خود سے۔ ’’گھر تو ابھی آگے ہے یہاں کیوں گاڑی روکی ہے۔ اگر اُس سے ملنے کا سوچ رہے ہو تو یہ مناسب نہیں لگتا۔ سیدھی طرح گاڑی چلاؤ اور گھر پہنچو۔ باقی گھر جا کر خود سے پوچھو چاہتے کیا ہو۔‘‘ اُس نے گاڑی کو ریس دی اور سیدھا گھر پہنچ کر

سانس لیا۔ وہ اندر داخل ہوا تو تاشہ اور نفیسہ بیگم آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ اُس کو دیکھ کر نفیسہ بیگم۔

''تمھاری کیوں ہوائیاں اڑی ہوئی ہیں۔''

مذاق سے تاشہ۔ ''امی، بھائی کا اب حسینہ کے بغیر دل نہیں لگتا آپ خود کیوں نہیں سمجھتیں۔''

''یہ حکم کرے تو ہم کل ہی لے آتے ہیں۔''

کوئی جواب دیئے بغیر۔ ''امی میں فریش ہونے لگا ہوں۔ آپ ذرا چائے میرے کمرے میں بھیج دیں۔''

''تم جاؤ میں بھیجتی ہوں۔'' اُس کے جانے کے بعد نفیسہ بیگم۔

''تاشہ! آج سالک اُلجھا اُلجھا لگ رہا تھا۔''

ماں کی تصدیق کرتے ہوئے تاشہ۔ ''جی امی۔''

کمرے میں پہنچ کر سالک کوٹ اُتارتے ہوئے خود سے۔ ''تم کیا ٹین ایج لڑکوں کی طرح حرکتیں کرنے لگ گئے ہو؟

وہ تمھارے دل میں بس گئی ہے اِس بات کو مان لو۔''

خود سے ہی ایک بات اور۔ ''اب تم اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

تمھارا دل دن رات اُسے دیکھنے کو چاہتا ہے۔''

پھر خود سے ہی۔ ''اِس سے بھی زیادہ دل چاہتا ہے اُس کو سامنے بٹھا کر تکتا رہوں۔ شاید دل کی تسکین ہو۔ وہ ایسی ہے جیسے جیسے اُس کو دیکھتا ہوں پیاس بڑھتی ہی جاتی ہے کم نہیں ہوتی۔'' خود کو جواب دیتے ہوئے۔ ''شاید یہ اُس کے اُس انتظار کی تڑپ ہے جو اُس نے بن کہے کیا ہے۔ کہتی تو وہ آج بھی نہیں ہے۔ مگر سب اُس کو محسوس کر رہے ہیں۔ چاہے میں مانوں یا نہ، اُس کے انتظار کی چبھن میرے دل تک بھی پہنچ گئی ہے۔'' پھر خود سے سوال کرتے ہوئے۔ ''اِن باتوں کو چھوڑو۔ بتاؤ فیصلہ کیا ہے۔ فیصلہ کیا ہونا ہے ساری زندگی اُس کو سامنے بٹھا کر دیکھنا ہے۔ اُس کے اور اپنے دل کو بتانا ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ہیں۔''

خود سے ہی۔ ’’جہاں تک ٹین ایج لڑکوں کا تعلق ہے تو دل کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ تو رسم ورواج کو بھی نہیں مانتا۔‘‘

مسکرا کر خود سے۔ ’’اب شمامہ اور رادیہ کی منگنی پر ملاقات ہوگی دل اور آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی تب تک دونوں تڑپیں۔‘‘

نیت صاف ہو اور تعلق پاکیزہ ہو تو کیسے ممکن ہے دوسرے کے دل میں آگ نہ لگے۔ ہم میں خود میں ہی کھوٹ ہوتا ہے۔ اِس لیے بریک اپ ہوتے ہیں۔ کیونکہ آج کل ہر ایک کے پاس بہت زیادہ لوگ ہوتے ہیں ہر کوئی کہتا ہے تم نہیں تو کوئی اور سہی۔ کوئی بھی رشتوں کو چلانے کے لیے قربانی نہیں دیتا۔ رشتے ہوں یا زندگی، دونوں کو قربانی چاہیے۔ اب لوگوں کی سوچ بدل گی ہے۔ ہر کوئی ہی کہتا ہے چار دن کی زندگی ہے، میرا اِس پر پورا پورا حق ہے میں کیوں نہ اِس سے لطف اندوز ہوں۔ دُکھ اور تکلیف سے میں کیوں گزروں۔ مجھے بس آرائش وزیبائش کی زندگی گزارنی ہے۔ دوسرا جائے بھاڑ میں۔ پہلے لوگ اگر کسی کے نام لگ جاتے تھے تو زندگی گزار دیتے تھے، چاہے وہ اُس کو ملتا تھا یا نہیں۔ اب تو نکاح ٹوٹ جاتے ہیں، پہلے تو زبان سے نکلے لفظ نہیں ٹوٹتے تھے۔ لڑکیاں ہوں یا لڑکے، اب دونوں ہی تعلق نبھانا نہیں جانتے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری مائیں بھی ماڈرن ہوگئی ہیں۔ انھوں نے بھی بچوں میں وفا کے بیج بونا چھوڑ دیئے ہیں۔ وہ بچوں میں مطلب پرستی کے بیج بونا شروع ہوگئی ہیں۔ ایثار اور قربانی کو بےوقوفی سمجھا جاتا ہے۔ آپ کسی کے بچے کو سچی بات کہتے ہیں تو وہ لڑنے آجائے گا۔ پہلے کوئی غیر بھی صحیح بات پر آپ کے بچے کو ڈانٹتا تھا جو سمجھ جاتا تھا۔ وہ آپ کا بھلا کر رہا ہے۔ مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب لوگ سمجھتے ہیں وہ زیادہ عقل مند ہوئے ہیں۔ کوئی اگر اِن قدار کے ساتھ چلتا ہے تو ہم اُس کو پرانے زمانے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جیسے حسینہ وہ رشتے سے وفا کر رہی ہے تو چاہے سب اُس کو پرانے زمانے سے ملا رہے ہیں، مگر سب کے دل اُس کی اقدار کو محسوس کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ کہتی بھی نہیں۔ اِسی طرح معاشروں میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ پھر آپ نہ دوسرے آپ کے لیے لڑتے ہیں۔

کھانے کی میز پر نفیسہ بیگم۔ ’’بھابی کا فون آیا تھا، وہ رادیہ اور شمامہ کے سسرال والوں کے اصرار

پر اُن کی منگنی کی تقریب ہو رہی ہے۔ آپ بتائیں عثمان صاحب۔ ہم نے کب اُن سے حسینہ کی رخصتیکی تاریخ لینی ہے۔"

"بیگم! آپ کا بیٹا سامنے بیٹھا ہے اِس سے پوچھ لیں۔"

جلدی سے تاشہ۔ "اِن کے تو دل کی مرضی ہے کل ہی لے آئیں۔"

ہنس کر زرمین اور تاجیل۔ "لگتا ہے اِس نے سالک کے اندر کیمرہ فٹ کر رکھا ہے جو اِس کو ہر خبر ہے۔" سالک کی طرف دیکھ کر زرمین۔ "دیور جی! آپ کچھ نہیں کہیں گے۔"

"بس یہ منگنی کی تقریب ہو جاتی ہے تو آپ بھی کوئی مناسب دن دیکھ کر چلے جایئے گا۔"

سب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ خوشی سے نفیسہ بیگم۔ "شکر ہے یہ دن بھی دیکھنا نصیب ہوا۔"

"شکر ہے ہماری دوستی کی لاج رہ گئی۔ ورنہ رشتہ تو ٹوٹنا تھا ساتھ ہی میں نے بھی ٹوٹ جانا تھا۔ حسینہ نے تو مر جانا تھا۔"

"عثمان صاحب! اگر اُس نے مرنا تھا تو ہم نے جیتوں میں سے ہونا تھا۔ مجھے تو وہ درویش لگتی ہے۔"

دنیا دار ہونے کے باوجود تاجیل مانتا تھا کہ حسینہ درویش ہے۔

"امی! درویش کا دل توڑ کر سالک نے کہاں جانا تھا۔ وہ ہمارے گھر آئے۔ یہ نہ صرف سالک بلکہ ہم سب کی خوش قسمتی ہو گی۔ کہنا ہے نا! نیک لوگوں کی صحبت بھی آپ کی زندگی بدل دیتی ہے۔ میں نے اتنی دنیا دیکھی ہے اُس جیسی ایک بھی نہیں دیکھی۔"

حسد کی بجائے سچ کو تسلیم کرتے ہوئے زرمین۔ "امی! تاجیل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

تقریب کے سارے انتظامات سارب کے ذمہ لگائے گئے تھے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن تارڑ کو فیکٹری اور زمینوں کو دیکھنا ہوتا تھا۔ ویسے بھی وہ اِن چیزوں میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ انشال تو تھا ہی ہسپتال کے لیے۔ اُس کو مریضوں اور حسینہ کے علاوہ کسی چیز میں دلچسپی نہ تھی۔ گھر میں کوئی بھی ایونٹ ہوتا تھا تو سارب ہی انتظامات کرتا تھا۔ اب تو بہنوں کی تقریب تھی جس میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا۔ حالانکہ فیملی ایونٹ مینجمنٹ لوگ تھے جن سے وہ کام کرواتے تھے۔ اِس کے باوجود اُس نے بہت سے

نئے لوگوں کو بھی بلوایا پھر جو اُس کو سب سے بہترین لگے اُن کو آرڈر دیا۔ اُن سے مطالبہ کیا گیا کہ ایونٹ کی ڈیکوریشن سب سے منفرد ہونی چاہیے۔ وہ سب کام کھڑا ہو کر نگرانی میں کروا رہا تھا۔ شامہ اور رادیہ کے لباس بھی ڈیزائنرز سے ڈیزائن کروائے گئے تھے۔ گھر منگنی والا کم اور شادی والا زیادہ لگ رہا تھا۔ ایک ہفتہ تیاریاں جاری رہیں۔ ماں جی یہ سب دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ دل میں دعا کر رہی تھیں کہ حسینہ بھی جلد از جلد دلہن بنے۔ شامہ اور رادیہ اپنا اپنا ڈریس ساتھ لگا کر ماں جی کو دکھا رہی تھیں تو ماں جی۔ ''حسینہ تم اپنا ڈریس نہیں دکھاؤ گی۔'' تو حسینہ نے اپنا ڈریس دکھایا تو ماں جی۔ ''میری بیٹی کا سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔''

ہفتہ تو پل بھر میں گزر گیا۔ منگنی والے دن مشہور بیوٹیشن کو گھر بلایا گیا۔ اس نے دونوں کو تیار کیا۔ چونکہ وقت پر پہنچنا تھا اِس لیے سالک کے بھی سب گھر والے وقت پر تیار ہو گئے۔ وہ تیار ہو رہا تھا تو تاشہ۔ ''بھائی جلدی آ جائیں۔''

''تم لوگ جاؤ۔ میں آ جاؤں گا۔''

''آج لگتا ہے سپیشل تیار ہو رہے ہیں۔'' اُس کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھتے ہوئے تاشہ۔

''کوئی بات نہیں ہو جائیں۔ ہم جا کر آپ کے آنے کی اطلاع دیتے ہیں۔''

''اِس اطلاع کا کیا فائدہ ہو گا۔ وہ دروازے پر آ کر استقبال کرے گی۔ کیا ایسا ممکن ہے؟''

''یہ ذرا مشکل ہے۔ شرمیلی جو ٹھہری۔''

''ہم سب نکل رہے ہیں۔'' جاتے جاتے تاشہ۔

تیار ہوتے ہوئے سالک خود سے۔ ''آج پتہ نہیں وہ کیسی لگ رہی ہو گی۔ ابھی میں اُس کے سامنے گیا نہیں نہ جانے کیوں دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ آج میں اُس کو دو ہفتوں بعد دیکھوں گا۔ اِس کے بعد تب ملاقات ہو گی جب میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اِس گھر میں لاؤں گا۔''

سب سے آخر میں نکلنے کے باوجود سالک اُن کے ساتھ ہی اُن کے گھر پہنچ گیا۔ باری باری سب ایک دوسرے سے ملے۔ سلام دعا ہوئی۔ جب دل میں یار ہو تو نظر اُس کو ڈھونڈتی ہے۔ یہی حال

سالک کا تھا۔ وہ بھی بہانے سے تاجیل سے۔ ''میں ذرا انشال سے ایک ضروری بات کر کے آیا۔''

''یار! آج کے دن تو مریض مت ڈسکس کرنا۔ آج تو بیچارے کو سکون لینے دینا۔''

''ایسا کچھ نہیں میں ابھی آتا ہوں۔''

''اگر حسینہ کو دیکھنا ہے تو شوق سے جاؤ۔

دیکھو! آج کنجوسی سے کام مت لینا۔''

''آپ جانے دیں گے تو کچھ کروں گا۔''

''آج انشال کی بجائے حسینہ سے ملو۔''

وہ اندر داخل ہوا تو وہ سیڑھیوں سے اُتر رہی تھی۔ وہ بڑے نفیس لباس میں ملبوس تھی۔ میک اپ نہیں کیا ہوا تھا۔ سر کو سکاف سے ڈھانپے ہوئے تھی۔ جیسے ہی سالک کی اُس پر نظر پڑی اُس کے بے چین دل کو قرار آ گیا۔ اُس نے تو سالک کو نہ دیکھا تھا۔ وہ سیدھا اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اِس سے پہلے کہ وہ اُس کے قریب پہنچتا وہ سیڑھیوں سے نیچے اُتر آئی۔

اُس کی نظر سالک پر پڑی تو رُک گئی۔ جھٹ سے ''السلام وعلیکم۔''

''وعلیکم السلام۔''

جب اُس کی نظروں کی تاب نہ لا سکی تو حسینہ نظریں نیچے کر کے چلنے لگی تو سالک اُس کے آگے بازو کر کے روکتے ہوئے۔ ''یار! دو گھڑی تو رک جاؤ۔ آنکھوں کے راستے تم کو دل میں اُتار لوں۔ بے چارہ دل کب سے پیاسا ہے۔ تم کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔''

الفاظ تھے یا منتر وہ تو مارے شرم کے پانی پانی ہو گئی۔ اُس کا بھی دل دھک دھک کرنے لگا۔ اتنی زور سے کہ وہ محسوس کرنے لگی۔ اِس حزن و ملال کے عالم میں دونوں ہاتھوں کو ملنے لگی۔ ''پلیز آپ مجھے جانے دیں۔''

وہ اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔ ''بتاؤ میری آنکھوں میں دیکھ کر محبت کرتی ہو۔ میں تو اب تم کو اپنے سامنے بٹھا کر دیکھنا چاہتا ہوں، ہمیشہ کے لیے۔''

اس کی آنکھوں میں دیکھ کر حسینہ۔ ''نہ تو آپ سے پہلے کوئی تھا نہ کوئی بعد میں ہوگا۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں۔ کیا ہے؟''

وہ جانے لگی تو سالک۔ ''یار کچھ دیر تو رک جاؤ۔ دو ہفتوں کا انتظار ہے۔ تب جا کر وصال یار نصیب ہوا ہے۔''

''آپ اس طرح دیکھتے ہیں تو میری روح تک کانپ جاتی ہے۔''

''ظاہر ہے دل کی نظر سے دیکھوں گا تو دل پر اثر ہوگا۔''

اِسی دوران تاشہ وہاں آدھمکی۔ ''سالک بھائی اب آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اب ہم آپ کو جلد لینے آرہے ہیں۔''

پیچھے مڑ کر سالک۔ ''تم میری دادی اماں ہر جگہ پہنچ جاتی ہو۔''

''دراصل مجھے آنٹی نے کہا ہے شامہ اور رادیہ کو لے کر باہر آؤ۔ اِس لیے آئی ہوں۔''

''اب تم پیغام دے چکی اوپر جاؤ۔ یہ آتی ہے۔ مجھے اِس سے بات کرنی ہے۔''

وہ بھائی کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگی تو سالک اُس کے قریب ہو کر۔

''کچھ وقت نکالنا۔ میں تم کو سامنے بٹھا کر دل میں اُتارنا چاہتا ہوں۔''

اندر سے ڈر گئی مگر خود پر قابو پاتے ہوئے۔ ''آپ نے دیکھ تو لیا ہے۔''

''اکیلے میں بہت زیادہ دیر کے لیے تقریباً گھنٹے آدھے کے لیے۔''

مزید ڈر گئی لیکن بولی۔ ''بہت مہمان آئے ہوئے ہیں۔''

ساتھ ساتھ ابھی سے کانپ رہی تھی۔ سالک نے محسوس کر لیا۔ ہنس کر۔ ''مجھ سے ڈر رہی ہو۔''

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' کیونکہ وہ نہیں نہیں کہنا چاہتی تھی۔ پھر حوصلہ کر کے بھولے انداز میں بولی۔ ''جب میں اور شامہ رادیہ کے ساتھ بیٹھی ہوں گی تو پلیز دیکھ لینا۔'' التجاء والی نظروں سے پلیز...... پلیز...... اُس کی یہ ادا سالک کو اچھی لگی۔

''کیا یاد کرو گی۔ ہم دور سے دیکھ کر ہی دل کو سمجھائیں گے۔ کوئی اور حکم۔''

سر ہلاتی ہوئی ”نہیں ......نہیں......“

وہاں سے دوبارہ اوپر چلی گئی شامہ اور رادیہ کو لینے کے لیے۔ دونوں شامہ اور رادیہ کو سٹیج پر لے کر آئیں۔ شامہ اور افنان کو اکٹھا بٹھایا گیا۔ رادیہ اور احسام کو۔ شامہ کے ساتھ مسز احمد اور احمد صاحب بیٹھ گئے۔ رادیہ کے ساتھ مسز رضوان اور رضوان صاحب بیٹھ گئے تھے۔ صوفے پر اُن کے سامنے نفیسہ بیگم، کلثوم بیگم حسینہ کو لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ سالک اُن کے سامنے بیٹھا حسینہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔ نفیسہ بیگم حسینہ کے واری صدقے جا رہی تھیں۔ سالک کو یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ سچ ہے جتنا بیٹا پیارا ہوتا ہے اتنی ہی بہو۔ ماں جی بھی ساتھ اُن کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ عبدالرحمٰن تارڑ اُٹھ کر ماں جی کے پاس آیا۔ اُس نے ماں جی کو انگوٹھی پہنانے کے لیے کہا۔ وہ ماں جی کا ہاتھ پکڑ کر اُن کو سٹیج پر لے کر گیا۔ مسز احمد اور احمد صاحب اُن کے ساتھ ہی رضوان صاحب اور مسز رضوان اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ ماں جی نے افنان اور احسام کو انگوٹھی پہنائی۔ پھر مٹھائی کھلائی۔ پیسے وارے اور کام والی کو دیئے۔ ماں جی کے بعد مسز احمد نے شامہ اور مسز رضوان نے رادیہ کو انگوٹھی پہنائی۔ باقی رسومات بھی کیں۔ ان کے بعد نفیسہ بیگم اور عثمان سانگھڑ نے مٹھائی کھلائی۔ پھر کلثوم اور عبدالرحمٰن تارڑ نے رسم کی۔ تاجیل اور زرمین نے بھی مٹھائی کھلائی۔ صوفے پر بیٹھی حسینہ اور دوسرے صوفے پر اُس کے سامنے بیٹھا سالک سب دیکھ رہے تھے۔

رسم کے بعد تھوڑی دیر سٹیج پر بیٹھنے کے بعد ماں جی کلثوم بیگم کے ساتھ حسینہ کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد نفیسہ بیگم بھی آئی تو ماں جی نفیسہ بیگم اور کلثوم سے۔

”اِن دونوں کو بھی بھیجو۔ آخر کو یہ بھی تو ایک جوڑا ہے۔“

ہنس کر سالک چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ۔ ”میں تو تیار ہوں۔ آپ اِن سے پوچھ لیں میرے ساتھ چلنا پسند کریں گی یا نہیں۔“

”بیٹا جی! یہ تمھارے ساتھ ہی چلنا چاہتی ہے۔“

”ماں جی اجازت ہو تو ہاتھ پکڑ کر لے جاؤں۔“

''ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں اِس سے پوچھ لو۔''

ہڑ بڑاہٹ سے حسینہ۔''میں ہاتھ پکڑائے بغیر ہی چلی جاتی ہوں۔''

''جیسے جناب کی مرضی۔ آگے آپ چلیں ہم آپ کے پیچھے۔''

وہ جا رہے تھے تو تاشہ سارب سے۔''ہم دونوں بھی مل کر مٹھائی کھلائیں۔''

''تم اِس کا مطلب جانتی ہو۔''

''بہت اچھی طرح۔''

''لیکن میرے سے ایسی کوئی اُمید مت رکھنا۔''

''میری اُمیدوں کو تم چھوڑو۔اب تو چلو۔''

دونوں اُن کے پیچھے سٹیج پر پہنچ گئے۔حسینہ اور سالک کو اکٹھے دیکھ کر سب خوش تھے۔انھوں نے دونوں جوڑوں کو مٹھائی کھلائی۔ جب سارب اور تاشہ نے مٹھائی کھلائی تو سب نے اُن کو حیرت سے دیکھا خاص کر شمامہ اور رادیہ نے۔آہستہ سے شمامہ۔''طوطا پنجرے میں پھنس گیا۔''

''پتہ نہیں فی الحال مٹھائی تک آیا ہے۔''

دوسری طرف سے آہستہ سے رادیہ۔''اچھا اُومن ہے۔''

اِس ساری تقریب میں انشال ہی اکیلا رہا اُس نے مٹھائی بھی اکیلے ہی کھلائی۔سالک تو خوشی سے اُڑا اُڑا پھر رہا تھا۔اُس کی نظروں کا مرکز صرف حسینہ تھی۔وہ جہاں جہاں جاتی اُس کی نظریں ساتھ ساتھ سفر کرتیں۔کھانا جب ویٹر نے لا کر ان کے سامنے ٹیبل پر رکھا تو سالک نے خود پلیٹ میں ڈال کر حسینہ کو دیا۔ماں جی تو دونوں کے واری صدقے جاتے ہوئے نہیں تھک رہی تھیں۔خوشی سے نفیسہ بیگم۔

''ماں جی!اب ہم کب رخصتی کی تاریخ لینے آئیں۔''

''بیٹی تمھاری ہی ہے جب مرضی آجاؤ۔ہم تو اِس گھڑی کے پندرہ سال سے منتظر ہیں۔''

تقریب سب کے لیے بہت اچھی ہے۔سب میں اُمید کی نئی کرن تھی۔سب اپنی اپنی آنکھوں میں خواب سجائے گھر کو لوٹے۔شمامہ اور رادیہ کے نئے رشتے بنے۔سالک اور حسینہ کی آنکھوں میں خوشی

کی نئی لہر دوڑی۔ پندرہ سال سے جس انتظار میں کلثوم بیگم، ماں جی اور عبدالرحمٰن تارڑ تھے وہ ختم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ سالک کا دل ایسا درخت تھا جو اپنے پورے جوبن پر تھا۔ جس پر پھول ہی پھول کھل گئے تھے۔ اِن پھولوں میں حسینہ کی خوشبو تھی۔ جس سے وہ خود کو معطر کر رہا تھا۔

اب تو حسینہ کی آنکھوں میں بھی کامیاب ہونے کی اُمید تھی۔ بلکہ اُس کو تو لگ رہا تھا اُس نے سالک جیسے قلعہ کو فتح کر لیا ہے۔ دونوں خاندان خوش تھے کہ پچھلی دو نسلوں سے دوستی کا جو درخت تھا وہ ٹوٹے گا نہیں بلکہ پھلے اور پھولے گا۔ اِس کی وجہ اُن کو سارب اور تاشہ لگ رہے تھے۔ سب نئے دن کا انتظار کر رہے تھے تاکہ پہلے رشتے کو پروان چڑھائیں اور آگے کی شروعات کریں۔

☆......☆......☆

آج مستی میں چور سالک فُل آواز میں گانے سن رہا تھا گانوں کی آواز سے کمرہ گونج رہا تھا۔ گانے سنتے سنتے نہ جانے کیوں ایل ای ڈی کے چینل بدلنے لگا۔ چینل بدلتے بدلتے خبروں تک پہنچ گیا۔

Russia Ukaraine war

Zelensky's pledge to end war in 2025

سن کر آگے چینل پر پہنچ گیا۔ باقی کی خبر بھی نہ سنی۔

''شدید سردی سے فلسطینی بچے مرنے لگے۔'' اِس خبر نے اِس کا ہاتھ روک دیا اور وہ مزید خبریں سننے لگا۔

''90 فیصد فلسطینی سردی میں خیموں میں رہنے پر مجبور۔ سردی کی وجہ سے وہ مختلف بیماروں کا شکار ہو رہے ہیں۔ اسرائیلی حملوں میں پینتالیس ہزار فلسطینی شہید۔ 14 ماہ میں غزہ کی آبادی چھ فیصد کم ہو گئی۔''

وہ ساتھ ساتھ فلسطینیوں کو دکھا بھی رہے تھے۔ عورتوں اور بچوں کی بے بسی اور آنسو۔ خبر کم اور ان کی صورتحال زیادہ تکلیف پہنچا رہی تھی۔ ان کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔

''اسرائیلی حملے عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہیں۔''

جس طرح بچے سردی میں تڑپ رہے تھے مائیں بے بس اور لاچار تھیں۔ اُن کے پاس ڈاکٹر تو دور کی بات کوئی پوچھنے والا بھی نہ تھا۔ کیونکہ سردی کی وجہ سے وہ مختلف بیماریوں کا شکار ہورہے تھے۔ اُن کی سردی کو اُس نے اپنے کمرے میں محسوس کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ خود سے ''وہ سردی تم اِس کوزی کمرے میں کیسے محسوس کرسکتے ہو؟ یہاں تو اُس کا ایک جھونکا بھی نہیں آسکتا۔ شیشے بند ہیں ہیٹر لگا ہوا ہے۔'' پھر خود سے ''کانپنا تو دور کی بات مجھے تو ٹمپریچر بھی نارمل محسوس ہورہا ہے۔'' اس کے دماغ میں مریض کے الفاظ آئے۔

''ہمسائے کے گھر میں آگ لگی ہو تو آپ یہ سوچ کرتان کر سوجاتے ہو یہ آگ میرے گھر تک نہیں پہنچ سکتی۔''

خود کو جواب دیتے ہوئے۔ ''کہا تو اُس نے سچ تھا جب آپ کسی تکلیف سے گزرے ہی نہیں تو آپ کو کیا پتہ درد کیا ہے۔ درد محسوس کرنے کے لیے پہلے درد سے گزرنا ضروری ہے۔ میں بھی باہر جا کر پہلے اِس درد سے گزرتا ہوں تاکہ محسوس کرسکوں درد کہتے کس کو ہیں۔ ورنہ صرف باتیں ہوں گی۔''

وہ اُٹھا بغیر کسی کوٹ یا چادر کے جا کر لان میں بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھے دس منٹ نہیں گزرے تھے کہ اس کے دانت بجنے لگے۔ وہ سردی سے کانپنے لگا۔ اِس سردی کا تجربہ اُس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ پھر اُس کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ پہلے زمانے میں امراء اور بادشاہ اپنے بچوں کو غریب گھروں میں تعلیم تربیت کے لیے کیوں بھیجتے تھے۔ تاکہ وہ غربت کو اور اِن غریب لوگوں کے مسائل کو قریب سے دیکھیں اور محسوس کریں۔ ''ہم رئیس زادوں کو تو پتہ ہی نہیں کہ سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر مریضوں کے ساتھ کیسے برتاؤ کرتے ہیں یا پھر یہ نام نہاد پرائیویٹ ہسپتال جنھوں نے لکھا ہوتا ہے ''مستحق لوگوں کا مفت علاج'' کیسے ان کے گھر کے برتن تک بکوادیتے ہیں۔ میں بھی باہر عیش کی زندگی گزار رہا تھا یہ تو میرا ماں باپ اور حسینہ کا انتظار تھا جو مجھے کھینچ لایا ہے۔ سب ٹھیک کہتے ہیں واقعی ہی حسینہ درویش ہے۔ وہ تو اِس زمانے کی لگتی ہی نہیں اتنی پاکیزگی ہے۔ جو آپ کو پتہ ہو یا نہ اثر کرتی ہے۔ اگر میں اُس سے نہ ملتا تو مجھ میں بھی اِس ماڈرن دنیا سے آگے سوچ ہی نہ جاتی۔ میں چیزوں کو محسوس نہ کرتا۔''

پھر سالک کے دماغ میں مریض کے الفاظ گونجنے لگے۔ ''ساتھ والے کا گھر جل رہا ہو تو انسان کو لگتا ہے یہ آگ میرے گھر تک نہیں آسکتی۔ یہ صرف اُسی کا مقدر ہے۔''

پھر خود سے۔ ''یہی ہے انسان اُس نے سچ کہا تھا۔''

وہ سردی میں بیٹھا رہا اور کانپتا رہا تا کہ درد اندر تک جائے۔ جب بس ہوگئی تو اُٹھ کر اندر چلا گیا۔ بستر پر لیٹا مگر آج نیند اُس سے کوسوں دور تھی۔ وہ فلسطین کو اپنا گھر اور فلسطینیوں کو اپنے گھر والے محسوس کر رہا تھا۔ گھر اور گھروں کی تکلیف اُس کو سونے نہیں دے رہی تھی۔

پل بھر میں انسان کی زندگی بدل جاتی ہے تو پل بھر میں سوچ کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔ جیسے پل بھر میں شامہ اور رادیہ نئے لوگوں سے جڑ گئی تھیں۔ پل بھر میں سالک کی آنکھوں سے حسینہ کا خواب مٹ گیا تھا اس کی جگہ گھر جلنے کی تڑپ پیدا ہوگئی تھی۔ شامہ اور رادیہ اپنے اپنے منگیتر سے باتیں کر رہی تھیں۔ اور سالک سوچ رہا تھا کس طرح وہ گھر میں مقیم لوگوں کو بچائے۔ خود سے سالک۔

''کیا میں تلوار اٹھا سکتا ہوں؟ کیا میں بم کے سامنے کھڑا ہو سکتا ہوں؟ مجھ میں کون سی صلاحیت ہے جس کو استعمال کر کے میں انسانیت کو بچا سکتا ہوں۔''

پھر خود کو جواب دیتے ہوئے۔ ''میں اِن میں سے کچھ نہیں کر سکتا۔ تلوار اُٹھانی نہیں آتی کبھی چیونٹی تو ماری نہیں۔ میرا جسم لوہے کا تو ہے نہیں کہ بم سامنے کھڑا ہو جاؤں تو لوگوں کو بچا لوں۔''

رات بھر بے بس اور لاچار لوگوں کے حالات سے گزرنے اور اُن کے کرب کو محسوس کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ صرف سوچ کے ذریعے ہی ان کے حالات سے گزرتے ہوئے اُس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کا پورا وجود چھلنی چھلنی ہو گیا ہو۔ اُس کے وجود میں اتنے چھید ہو گئے تھے کہ جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہر چھید سے خون رس رہا تھا۔ جس کو کوئی دل کی آنکھ رکھنے والا ہی دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے خود آج پہلی مرتبہ کسی کے کرب کا تجربہ کیا تھا۔ دوسرا کوئی کیسے کر سکتا تھا۔ سالک خود سے ''میں اس آگ میں ضرور کودوں گا چاہے میں اِس میں فنا ہو جاؤں۔ اِس کو بجھا بھی نہ پاؤں لیکن میں کوشش کرنے والوں میں شامل ضرور ہو جاؤں گا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کے لیے کبوتر اپنی

چونچ میں پانی بھر بھر کر ڈالتا رہا تھا۔ اُس نے بھی انجام کی پرواہ کیے بغیر کوشش کی تھی۔ میری حیثیت کچھ بھی نہیں تو کیا ہوا؟ حیثیت سے جنگ تو نہیں لڑی جاتی۔ اِس کے لیے صرف جذبے کی ضرورت ہوتی ہے۔'' خود کے ساتھ لڑتے لڑتے وہ سو گیا تھا۔ بغیر کسی نتیجے پر پہنچے۔

سب ناشتہ کر رہے تھے لیکن وہ خود سے اُلجھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد کیا ہو رہا تھا نہ تو اس کو خبر تھی اور نہ ہی وہ جاننا چاہتا تھا۔ اُس کو کھویا دیکھ کر نفیسہ بیگم۔ ''سالک! ناشتہ تو کرو۔ کہاں گم ہو۔''

''امی! کر تو رہا ہوں۔''

مذاق سے تاشہ۔ ''تھوڑے دن کی بات ہے حسینہ آجائے گی، اِس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

اُس نے اُس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ سرد سا رویہ دکھایا۔ تاشہ کو عجیب تو لگا مگر اُس نے اِس پر زیادہ دھیان نہ دیا۔

اُس کی طرف دیکھتے ہوئے نفیسہ بیگم۔ ''میں سوچ رہی ہوں، ہم لوگ اتوار کو تاریخ فکس کر آتے ہیں۔''

خوشی سے عثمان سانگھڑ۔ ''بیگم! نیک خیالات ہیں نیک کام میں دیر کیسی؟''

''ویسے میں نے ماں جی کے کانوں سے یہ بات گزار دی تھی تا کہ وہ تیار رہیں۔''

کوئی بھی جواب دینے کی بجائے وہ اٹھ کر جانے لگا تو نفیسہ بیگم۔ ''ناشتہ تو کر لیتے۔''

''کر لیا ہے۔''

اُس کے جانے کے بعد عثمان۔ ''اِس کو کیا ہوا ہے یہ ایسے بی ہیو کر رہا ہے۔ جیسے ہم کسی ہمسائے کی بات کر رہے ہیں۔ جس سے اِس کا کوئی سروکار نہ ہو۔''

''آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ یہ تو بہت خوش ہے۔ کل تو اُس کا ہاتھ پکڑ کر سٹیج پر لے جا رہا تھا۔ وہ ہی نہیں مانی۔''

''اچھا جی! یعنی ہمارے سامنے ایکٹنگ کر رہا ہے، کوئی بات نہیں۔''

مریضوں کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر مناہل پر نظر پڑی تو سالک۔ ''خوشی ہوئی آپ نے دوبارہ کام

شروع کیا۔ میری ایک بات یاد رکھنا۔
اکثر وہ نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں۔ ے"
دکھ بھرے لہجے سے۔ "صرف وہی نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں۔ باقی سب زبردستی مل جاتا ہے۔"
کچھ دیر خاموش رہی پھر۔ "آپ سے ایک بات پوچھوں؟"
"جی بولیں۔"
"حسینہ سے آپ کا رشتہ کیا ہے؟"
"میں اُس کا انتظار ہوں۔"
"اور وہ آپ کی۔"
"اِس کا جواب میں اِس وقت دینے کے قابل نہیں ہوں پھر کبھی۔"
ناشتے پر ماں جی۔ "کل نفیسہ نے مجھ سے تاریخ کی بات کی ہے۔ میں نے بھی اس کو کہہ دیا، بس تم لوگوں کے اشارے کے منتظر ہیں۔"
اپنے ڈر کا اظہار کرتے ہوئے عبدالرحمٰن۔ "بس ماں جی! یہ ہو جائے۔ دونوں خاندان دریا کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں۔ ڈر ہی رہتا ہے اب دریا میں گرے کہ اب گرے۔"
"فکر نہ کرو۔ سب بہتر ہی ہوگا۔"
آج انشال کی گاڑی خراب ہوگئی تھی۔ اِسی وقت سالک نکل رہا تھا۔ اُس کو دیکھ کر۔ "کیا ہوا ہے؟"
"گاڑی خراب ہوگئی ہے ڈرائیور کو فون کرنے لگا ہوں کہ مجھے آ کر لے جائے۔"
"آؤ...... میں تمھیں چھوڑ دیتا ہوں۔ وہ خود ہی گاڑی لے جائے گا۔"
وہ اُس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سالک نے لے جا کر گاڑی اُن کے گھر کے سامنے روک دی۔ ہمیشہ کی طرح پرجوش انداز میں انشال۔ "اندر آئیں۔ چائے پی کر جائیے گا۔"
"نہیں ابھی ضروری کام ہے پھر کبھی سہی۔"
اُس نے دو تین مرتبہ اصرار کیا مگر سالک نہ مانا۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ انشال کے

لیے سالک کا رویہ حیران کن تھا۔ اُس نے زیادہ دھیان نہ دیا۔ خدا حافظ کر کے اندر چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھوتے ہوئے بھی انشال کا دھیان بار بار سالک کی طرف جا رہا تھا کیونکہ اِس قسم کا رویہ اُس کے کردار کا خاصہ نہ تھا۔

گھر میں سالک اب سب سے الگ الگ اپنی ہی سوچ میں گم رہنے لگا تھا۔ اب وہ انشال سے پہلے کی طرح ہنسی مذاق بھی نہ کرتا تھا فارمل سا ہو گیا تھا۔ ہر وقت خود سے سوال کرتا تھا۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ بار بار اُن خبروں کو سنتا رہتا تھا۔

''خیموں میں مقیم فلسطینیوں میں مختلف بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ مگر کوئی مسیحا نہیں ہے۔''

اچانک اِس خبر کو سننے سے اُس کے دماغ کی اُلجھن کا حل نکل آیا۔ خود سے۔ ''کیا ہوا؟ اگر میں تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ یا بم کے آگے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ میں اِن پریشان حال لوگوں کا علاج کر سکتا ہوں۔ جہاں تک دوائیوں کا تعلق ہے اس کے لیے بھی ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔''

خوشی سے خود سے۔ ''اب میرے سامنے راستہ آ گیا ہے۔ اب عمل کرنا ہے۔ سب سے پہلے کس سے بات کی جائے۔''

ابھی خود سے سوال ہی کر رہا تھا کہ اُس کے دماغ میں انشال کا خیال آیا۔ ''بیسٹ بندہ ہے ویسے بھی اُس کے ساتھ دل کے تار جڑے ہیں۔ آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔''

ابھی انشال ہسپتال میں داخل ہوا ہی تھا کہ شور مچا ہوا تھا کہ ڈاکٹر سالک نے ریزائن کر دیا ہے۔ جس کو دیکھو یہ ہی بات کر رہا تھا۔ وہ گزر رہا تھا تو ڈاکٹر مناہل اُس کو روک کر۔ ''انشال! سر سالک نے ریزائن کیوں کیا ہے؟''

اِس کے اِس کیوں کا اُس کے پاس جواب نہ تھا اُس کی شکل دیکھتا رہا پھر۔ ''مجھے خود یہاں سے پتہ چلا ہے۔''

''اگر تمھیں نہیں پتہ تو پھر کس کو ہو گا؟''

کوئی جواب دیئے بغیر وہاں سے سیدھا آفس گیا اُن کو بتا کر سالک کے گھر پہنچ گیا۔ وہ داخل

ہوا ہی تھا تو نفیسہ بیگم۔ ''بیٹا! خیریت تو ہے؟''

''آنٹی! سالک بھائی کہاں ہیں۔''

''اپنے کمرے میں۔''

وہ سیدھا اُس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ بغیر سلام دعا کے۔ ''آپ نے ریزائن کیوں کیا ہے؟''

''تم بیٹھو۔ مجھے پتہ تھا تم سب سے پہلے میرے پاس آؤ گے۔

اِس لیے سب سے پہلے ریزائن کیا ہے۔

حالانکہ سب سے آخر میں کرنا چاہیے تھا۔''

''مطلب۔''

''بیٹھو، بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

''آپ ایسے ہی بتادیں۔''

''یہ قصہ دو لفظوں میں بیان نہیں ہوگا۔''

''میرا دل گھبرا رہا ہے۔ آپ کھل کر بات کریں۔''

''میں حسینہ سے شادی نہیں کر رہا۔ مطلب میں اُس کو گھر نہیں لا رہا۔''

یہ الفاظ اُس پر ایسے لگے جیسے پتھر لگے ہوں۔ اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ ہمت کر کے انشال۔ ''اس کا قصور۔''

''بے قصور ہے۔''

''پھر سزا کیوں۔''

''میں فلسطین جانا چاہتا ہوں۔''

''یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ آپ کو روکے گی نہیں۔''

''روکے گی نہیں مگر انتظار تو کرے گی۔''

''تو اُس کو ساتھ لے جائیں۔''

''میں ایسا نہیں کر سکتا۔ پتہ نہیں وہاں کن کن حالات سے گزرنا پڑے۔''

''وہ اُف نہیں کرے گی۔''

''یہ ہی میں نہیں چاہتا۔''

اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سالک۔ ''میں ہمسائے کے گھر کی آگ کو اپنے گھر میں محسوس کر رہا ہوں اور اپنے گھر والوں کے لیے لڑنا چاہتا ہو۔

اِس لیے ریزائن کیا تھا تا کہ تم میرے پاس آؤ۔

میں تم سے بات کروں۔

مجھے لگتا ہے تم مجھے سمجھتے ہو۔''

گھر میں ریزائن کا کس کس کو پتہ ہے؟

''صرف اور صرف تم کو۔''

''وہ تو پہلے ہی پندرہ سال سے جھلی بنی ہوئی ہے خود پر ہر چیز کو حرام کر کے بیٹھی ہے۔ اُس کے دل پر کیا گزرے گی آپ نے سوچا۔''

''سوچ نہیں سکتا ورنہ پاؤں اُٹھا نہیں پاؤں گا۔''

''پھر آپ نے کیسے سوچا میں اُس سے بات کروں گا۔''

''دل نے کہا تم ہی وہ دروازہ ہو جو کھل سکتا ہے۔''

وہ موتی جو انشال کی گال پر گرے ہوئے تھے جن کو آنسو کہتے ہیں صاف کرتے ہوئے۔

''آپ کے دل نے غلط کہا۔

اُس سے کہنا تو دور کی بات ہے۔

میرا تو سوچ سوچ کر دل پھٹ رہا ہے۔

آپ نے شاید اُس کو دیکھا نہیں۔ وہ تو پہلے ہی انتظار کی سولی پر چڑھ چڑھ کر آدھی ہوگئی ہے آپ کو دیکھ کر زندگی میں آئی ہے۔

اُس کے حال پر رحم کریں۔

اتنی سزا نہ دیں۔" ہاتھ جوڑتے ہوئے انشال۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ مجھے اُس جھلی کا کچھ پتہ نہیں۔ لیکن میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔"

آنکھیں صاف کر کے انشال وہاں سے باہر نکلا تو پھر نفیسہ بیگم سامنے تھیں پوچھنے لگیں۔ "کیا ہوا ہے؟"

اُن کے اِس سوال کا کوئی جواب انشال کے پاس نہ تھا لہٰذا وہ بغیر جواب دیئے وہاں سے نکل گیا۔ گھر جانے کا اُس میں حوصلہ نہ تھا۔ اس لیے بچوں کی طرح جا کر مین پارک میں بیٹھ گیا۔ اُس کے جاتے ہی نفیسہ بیگم سالک کے پاس آئیں۔

"یہ انشال کو کیا ہوا ہے۔"

پہلی مرتبہ بات کرنا مشکل ہوتا ہے ایک مرتبہ کرلیں تو پھر حوصلہ ہی حوصلہ ہو جاتا ہے۔ "میں نے حسینہ کی رخصتی سے انکار کر دیا ہے۔"

الفاظ تو شاید ابھی فضاء میں ہی تھے کہ نفیسہ بیگم نے زوردار تھپڑ سالک کے منہ پر رسید کر دیا۔

"تم نے حسینہ کو مذاق بنالیا ہے۔ وہ بھی جیتی جاگتی لڑکی ہے۔ اس کے بھی جذبات اور احساسات ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔"

وہ تو تپتی ہوئیں سیدھی عثمان کے کمرے میں گئیں۔ "آپ نے سنا ہے۔ وہ کہتا ہے اب وہ حسینہ کو گھر نہیں لائے گا۔"

"وہ مذاق کر رہا ہوگا۔"

"کیسا مذاق ہے کہ انشال روتا ہوا گیا ہے۔"

وہ بھی سیدھا سالک کے کمرے میں گیا نفیسہ بیگم عثمان کے پیچھے تھیں۔ "یہ کیا مذاق ہے۔"

"مذاق نہیں سچ ہے۔"

خود کو ٹھنڈا کرتے ہوئے عثمان سا نگھڑ۔ "بیٹھو، بیٹھ کر بتاؤ۔ تم کو اُس سے کیا شکایت ہے۔"

''اُس سے کوئی شکایت نہیں۔''

''تو پھر۔''

''مجھے فلسطین جانا ہے۔''

''وہ منع نہیں کرے گی۔''

''مجھے پتہ ہے۔مگر میں اُس کو مزید انتظار کی سولی پر نہیں چڑھانا چاہتا۔''

''تو اُس کو ساتھ لے جاؤ۔اُف بھی نہیں کرے گی۔چاہے چکی میں پیس دینا۔''

''مجھے پتہ ہے میں ایسا بھی نہیں چاہتا۔''

''میں عبدالرحمٰن سے کیسے بات کروں۔''

''جیسے بھی کرنی ہے بس کریں۔''

''کوئی بھی جلد بازی میں فیصلہ نہ کرنا۔مجھے عبدالرحمٰن اور حسینہ سے بات کرنے دو۔''

''جو بھی کرنا ہے کریں۔''

''مجھے ہفتے کا ٹائم دو۔''

بیٹے پر دھونس جمانے کی بجائے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے عثمان سانگھڑ تا کہ کوئی غلط فیصلہ نہ ہو۔

پارک میں بینچ پر بیٹھا انشال گھنٹے سے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔مگر کوئی بھی اُس کے اندر کی آگ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔خود سے سالک بھائی سچ کہتے ہیں آپ کے گھر کی آگ کو کوئی دوسرا نہیں محسوس کر سکتا۔مگر حسینہ کا کیا قصور ہے اُس کا کیا کیا جائے۔مجھ میں سکت نہیں کہ اس کی قربانی دینے کی۔'' بڑی ہمت کر کے اُٹھا اور گھر کو روانہ ہوا۔گھر پہنچا تو نظریں بچا کر سیدھے اپنے کمرے میں چلا گیا۔کیونکہ وہ کسی کا بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔وہ نہ ہی کسی کو بتانا چاہتا تھا حالانکہ یہ بات چھپنے والی نہ تھی۔

اگلے دن دونوں نفیسہ بیگم اور عثمان سانگھڑ حسینہ کے گھر پہنچ گئے۔کمرہ بند کر کے سب بات کرنے لگے تھے۔شامہ اور رادیہ نے دیکھا تو دونوں بھاگی بھاگی حسینہ کے پاس پہنچ گئی۔فٹ سے

رادیہ اس سے پہلے کے شامہ بولتی۔ ”بنو کو پیا گھر لے جانے کی سازش ہو رہی ہے۔“

وہ بات کر رہی تھی کہ شامہ۔ ”وہ بھی کمرے کا دروازہ بند کر کے۔“

بند کمرے کا لفظ حسینہ کے دل میں چبھ گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

”پیا گھر لے جانے کی نہیں کوئی اور ہی سازش ہے۔“

”اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہی بات ہے۔“

”مگر میرا دل ڈر گیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو دروازہ کیوں بند کرتے۔ خوشی کا تو ڈھول بجا کر اعلان کیا جاتا ہے۔“

ہنسی میں بات کو اُڑاتے ہوئے۔ ”فکر نہ کرو۔ ہم ڈھول بجا کر پوری دنیا کو بتا دیں گے۔ حسینہ سالک کے گھر جا رہی ہے۔ اُس کا انتظار ختم ہو گیا ہے۔“

”مجھے کیوں لگ رہا ہے مزید بڑھ رہا ہے۔“

”تم تو پاگل ہو اور کچھ نہیں۔“

بڑی مشکل سے عثمان سا نگھڑ۔ ”ماں جی! بات دراصل...... یہ...... ہے......“

اشارہ کرتے ہوئے نفیسہ بیگم کو ”تم بات کرو۔“

وہ بھی نہ بولی۔ دونوں ایک دوسرے کے منہ دیکھنے لگے تھوڑی دیر بعد پھر عثمان۔ ”بات...... یہ...... ہے......“

”بیٹا! بات کیا ہے۔ جو یہ سے آگے نہیں بڑھ رہی ہے۔“

”وہ...... دراصل......“ پھر جلدی...... وہ حسینہ کو چھوڑنا چاہتا ہے۔“

چھوڑنے کا لفظ سب پر ایسا گرا جیسے برف گرتی ہے خاموشی ہو گئی پھر ہمت جمع کر کے ماں جی۔

”مگر کیوں۔“

”وہ فلسطین جانا چاہتا ہے۔“

اِن الفاظ سے سب کی جان میں جان آئی۔

''ضرور جائے...... چھوڑ نالازم تو نہیں......''

''مگر وہ نہیں مان رہا۔''

''کہیں کوئی اور تو نہیں پسند آ گئی۔'' پاس سے عبدالرحمٰن۔

''نہیں...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔'' نفیسہ بیگم آہستہ سے۔

''تو پھر اس کو سمجھاؤ۔ اچھے مقصد کے لیے جانا چاہتا ہے ہمیں نہیں روکیں گے مگر اس کو رخصت کر کے گھر لے جائے چاہے ساتھ لے جائے یا یہاں پر ہی چھوڑ جائے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حسینہ اس کو چھوڑ نا نہیں چاہتی ورنہ پندرہ سال انتظار نہ کرتی۔ جبکہ تب بھی اُس کے واپس آنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یہ بات حسینہ کو پتہ تھی پھر بھی۔''

''وہ اُس کے علاوہ کسی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' کلثوم بیگم ماں جی کی بات پر مہر لگاتے ہوئے۔

بیٹی کی خوشی کے لیے عبدالرحمٰن۔ ''میں اپنی آدھی جائیداد اگر وہ کہتا ہے تو میں فلسطین کو ڈونیٹ کر دوں گا مگر التجاء ہے وہ میری بیٹی کو مت چھوڑے۔''

اپنے خلوص کا احساس دلاتے ہوئے عثمان سانگھڑ۔ ''وہ مانے تو تم کیا میں آدھی جائیداد فلسطین کو ڈونیٹ کرنے کو تیار ہوں۔ حسینہ مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے۔''

ذرا سخت لہجے میں ماں جی۔ ''پھر جا کر اُس سے بات کرو۔ اگر حسینہ سے اتنا پیار ہے تو۔''

اِس کے ساتھ سب اُٹھ کر باہر کو چل پڑے۔ نفیسہ اور عثمان باہر نکلے تو حسینہ اپنے کمرے سے باہر آ رہی تھی۔ اُس کو دیکھ کر دونوں رُک گئے۔ عثمان نے اُس کے سر پر پیار دیا اور نفیسہ نے گلے لگایا۔

اُن کے جانے کے بعد ماں جی۔ ''بیٹی کے گھر والے ہونا بھی کتنا بے بس کر دیتا ہے۔ بیٹی چاہے عبدالرحمٰن تارڑ کی ہی کیوں نہ ہو۔''

وہ باتیں کر رہے تھے تو حسینہ اندر آ گئی اُس کو دیکھ کر ماں جی نے بات بدل لی۔ ''انشاء اللہ، اللہ سب بہتر کرے گا۔''

''کیا بہتر ہو گا۔''

''ظاہر ہے تم جو جا رہی ہو۔''

''مگر میرا دل کیوں ڈرا رہا ہے۔''

''پچھلے پندرہ سال سے ڈرا نہیں تو اب کیوں ڈر رہا ہے۔''

''یہ تو آپ بتائیں گی۔''

اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ مارتے ہوئے۔ ''بالکل ہی پاگل ہو۔ جاؤ...... جا کر آرام کرو۔''

اُس کے دل کی تسلی تو نہ ہوئی مگر وہ خاموش ہوگئی۔ دونوں میاں بیوی پریشان تھے کس طرح سالک کو روکا جائے۔ اس سلسلے میں عثمان سانگھڑ نے تاجیل سے بات کی کیونکہ اُن کے خیال میں وہ مسئلے کا حل نکال سکتا ہے۔

کمرے میں زرمین اور تاجیل کو آتے دیکھ کر سالک۔ ''اب آپ کو وکیل بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' بیٹھتے ہوئے تاجیل۔ ''ہم بات کرتے ہیں کیونکہ دلیل سے انسان ایک دوسرے کو اصل بات سمجھا سکتا ہے۔''

''دلیل تو منطق کی بات ہے۔ منطق تو عقل کی طرف لے جاتی ہے۔''

''یہ عقل ہی ہے جو ہمیں ہمارا فائدہ اور نقصان بتاتی ہے۔''

آگے سے سالک بھی کوئی عام انسان نہ تھا۔ ''جی بھائی! عقل ہمیں کسی ایسے بندھن میں نہیں بندھنے دیتی جس میں نقصان ہو۔ اور کسی چیز کو بھی داؤ پر نہیں لگانے دیتی جس میں ہمارا کوئی دنیاوی نقصان ہو۔''

''سمجھتے ہو تو پھر ایسا کیوں کر رہے ہو۔ تم یہاں رہ کر ڈونیشن دے کر بھی مدد کر سکتے ہو اور اس میں تمھارا کوئی نقصان بھی نہیں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اِس سے کسی کی قربانی بھی نہیں ہوگی۔''

اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سالک۔ ''یہاں ایک دل بھی ہے۔ جو کوئی دلیل نہیں مانتا۔ دل ہر چیز کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ عقل ہمیشہ محتاط ہو کر چلتی ہے جبکہ دل ڈوب جانے والی کیفیت کا نام ہے۔ یہ تو رات کو بھی دن دکھاتی ہے۔''

’’تو تم کس کی طرف جا رہے ہو۔‘‘

’’جانتا ہوں بھائی! دل کی طرف۔

کیونکہ مجھے عقل کی مان کر رات کو رات نہیں کہنا۔

مجھے تو دل کی مان کر رات کو دن کہنا ہے۔‘‘

چپ بیٹھی زرمین۔ ’’حسینہ کا بھی تو سوچو۔‘‘

’’بھابی! آپ کو پتہ ہے نئی شخصیت کیسے بنتی ہے۔‘‘

’’کیسے؟‘‘

’’نئی شخصیت کو جنم دینے کے لیے تکالیف کا برداشت کرنا ضروری ہے۔

وہ جو آج حسینہ ہے وہ اِن سے گزر کر بنی ہے۔ مزید گزر کر نکھر جائے گی۔

آپ بتائیں......جس سوسائٹی میں آپ رہتی ہیں۔

اُس جیسی کوئی ایک بھی ہے۔‘‘

سر ہلاتے ہوئے زرمین۔ ’’تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔‘‘

’’تو پھر اُس کی فکر چھوڑیں۔‘‘

پاس سے تارجیل۔ ’’کوئی نہیں اس لیے تو فکر ہے ورنہ کسی کو پرواہ بھی نہ ہوتی۔‘‘

’’تو پھر آپ سمجھ جائیں۔ آپ سب بھی بدلنے والے ہیں۔ کیونکہ نیک لوگوں کی صحبت آپ کو سیدھے راستے پر ڈال دیتی ہے۔ مزید یہ کہ نیک لوگ قربانی کے بعد کندن بنتے ہیں۔‘‘

دونوں مایوس ہو کر اُس کے کمرے سے چلے گئے۔ دونوں سیدھے ماں باپ کے پاس پہنچے۔

اُس کو دیکھ کر عثمان سر ہلاتے ہوئے تاجیل۔ ’’سوال ہی نہیں پیدا ہوتا وہ اپنے نقطۂ نظر سے ہٹے۔‘‘

پاس سے زرمین تصدیق کرتے ہوئے۔ ’’اُس کے پاس ایک سو ایک دلائل ہیں۔ مزید یہ کہ اُس کو حسینہ کا احساس ہے۔ مگر وہ قربانی دینا چاہتا ہے۔‘‘

پریشان کن لہجے میں نفیسہ بیگم۔ ’’وہ ہمیشہ سے ہی ایسا ہے۔ ایک مرتبہ فیصلہ کر لیا تو پھر دنیا کی

کوئی طاقت اُس کو ہلا نہیں سکتی۔"

مایوس ہو کر عثمان۔ "پھر تم کل فون پر ہی اُن کو بتا دو۔ مجھ میں تو ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں۔ ہماری دوستی کا درخت یہاں پر ہی مرجھا گیا۔"

☆......☆......☆

وہ فون ملانے گئی تو عثمان سانگھڑ۔ "روکو! مجھے ایک کوشش اور کرنے دو۔"

وہ فریادی بن کر سالک کے پاس آیا تھا۔ مگر سالک نے اُس کی سننے کی بجائے اُس کا ہی منہ کھلنے سے پہلے بند کر دیا۔

"ابو! اگر کسی کے گھر میں آگ دیکھو تو مت سوچو کہ یہ تمھارے گھر تک نہیں پہنچ سکتی۔ فوراً بجھانا شروع کر دو۔ کچھ پتہ نہیں کب آپ کے گھر کو اپنے لپیٹ میں لے لے۔"

اُس کی بات سوچ کر عثمان سوچ میں پڑ گیا۔ تو وہ "حضور حضرت محمد (ﷺ) کا فرمان ہے۔ جس نے ایک انسان کی جان بچائی اُس نے پوری انسانیت بچائی۔ اِس میں کسی مذہب کا کوئی تعلق نہیں انسان صرف انسان ہے۔ چاہے اُس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ میں اپنا فرض پورا کروں گا۔ جو کسی اور کا ہو گا وہ پورا کرے گا۔ سب اپنا اپنا فرض پورا کریں تو دنیا سے دُکھ ختم ہو جائیں۔"

وہ اُس کی باتیں سن کر بغیر کچھ کہے وہاں سے اُٹھ کر نفیسہ بیگم کے پاس آیا اور اُس کو فون کرنے کا کہہ دیا۔

سب کو سب پتہ ہونے کے باوجود حسینہ کو کچھ نہیں بتا رہے تھے۔ فون کی گھنٹی بجی تو کلثوم بیگم نے پہلی پر ہی فون اُٹھا لیا جیسے پہلے سے ہی انتظار میں بیٹھی ہو سچ بھی یہی تھا۔ بے تابی سے کلثوم بیگم۔ "کیا فیصلہ ہوا؟"

"وہی جو اُس نے کیا تھا۔"

"مطلب یہ کہ وہ طلاق دینے پر بضد ہے۔"

"کل پرسوں تک اُس کا وکیل کاغذات تیار کر لے گا۔"

طلاق کا لفظ سننا تھا کہ حسینہ ٹھا کر کے نیچے گر گئی آواز سن کر کلثوم بیگم نے پیچھے دیکھا۔ اُس نے

چیخنا شروع کر دیا۔ ''حسینہ...... حسینہ......''

بھاگ کر کمرے سے سارب، رادیہ، شمامہ اور ماں جی نکلے فون بھی نیچے گر گیا۔ دوسری طرف نفیسہ سب باتیں سن رہی تھی۔

''سارب! اِس کو اُٹھاؤ۔ بیڈ پر لٹاؤ۔''

''مگر امی! اِس کو ہوا کیا ہے؟''

''کیا ہو سکتا ہے اِس نصیبوں جلی کو۔ اِس کے تو نصیب ہی ایسے ہیں۔''

وہ بول رہی تھی اور ماں جی کے آنسو ہی نہیں بند ہو رہے تھے۔

''سارب سوال نہ کرو۔ اِس کو اُٹھا کر لے جاؤ۔'' اماں جی روتے ہوئے ساتھ ساتھ آنسو صاف کر رہی تھیں۔

پاس پڑا فون اُٹھا کر رادیہ نے ہیلو کہا تو ''نفیسہ کیا ہوا؟''

''آنٹی! پتہ نہیں کیا ہوا ہے حسینہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ انشال بھائی تو گھر پر نہیں ہیں، آپ سالک بھائی کو بھیج دیں۔''

''کیوں؟ نہیں بیٹا! بس ابھی آیا۔''

وہ اُس کو اندر لے کر گئے۔ ماں جی اور کلثوم بیگم مسلسل ہو رہی تھیں پانچ منٹ میں سالک اور نفیسہ بیگم پہنچ گئے کیونکہ دو گھر چھوڑ کر تیسرا ان کا تھا۔

نبض کو ہاتھ میں لیے سالک اُس کے دِل کو ڈوبتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ جو اُس کو چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ وہ چاہتی ہے وہ نہ جائے اور نہ ہی تعلق توڑے۔ ورنہ وہ ہمیشہ کے لیے ڈوبنے کو تیار ہے۔ وہ بے ہوش تھی مگر آنسو اُس کی آنکھوں سے دریا کی مانند بہہ رہے تھے۔ وہ بھی سالک سے رُکنے کی فریاد کر رہے تھے۔ وہ اِس فریاد کو سنی اَن سنی کر رہا تھا۔ اِس سے پہلے کہ فریاد زیادہ طاقت پکڑتی اُس نے نبض چھوڑ دی۔

خود سے۔ ''چھوڑ کیوں دی۔ کیا ہار رہے ہو یا ہمت نہیں۔

اِس بے بس اور لاچار لڑکی کی فریاد سنے گی۔"
خود کو جواب دیتے ہوئے۔"ہمت بہت آگے تم دیکھو گے۔"
خود سے۔"اِس کے آگے ٹھہرنا بھی آسان نہیں پہلے ٹریلر پر ہی اِس کی یہ حالت ہے بڑا مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

وہ سوچ ہی رہا تھا تو کلثوم بیگم۔"کیا سوچ رہے ہو کوئی خطرے کی بات ہے۔"
"نہیں......ایسی کوئی بات نہیں۔تھوڑی دیر میں ہوش میں آجائے گی۔آپ اِس کے ہاتھ پاؤں ملیں۔"
وہ وہاں زیادہ دیر ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا اِس لیے وہاں سے نکل گیا لیکن نفیسہ وہاں رہ گئی۔گاڑی میں بیٹھا اور پانچ منٹ کا سفر دو منٹ میں طے کیا۔کمرے میں پہنچ کر سانس لی۔اُس کو حسینہ کے دل کی دھڑکن اور ڈوبتی ہوئی نبض کی آواز یہاں بھی آرہی تھی۔جس کو وہ چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔وہ اُس کو بے چین کر رہی تھی۔اُس نے بے چینی کو ختم کرنے کے لیے ٹہلنا شروع کر دیا تاکہ وہ نہ اُس آواز کو سنے اور نہ ہی کمزور پڑے۔

اُن کو ماں جی نے ساری روداد سُنا دی۔جیسے ہی حسینہ ہوش میں آئی تو اُٹھ کر بھاگنے لگی سر کو ڈھانپے بغیر ننگے پاؤں۔وہ کمرے سے نکل ہی رہی تھی کہ سارب نے اُس کو پکڑ لیا۔اُس کی پاگلوں جیسی حالت دیکھ کر ماں جی اور کلثوم کی بھی حالت غیر ہونے لگی۔نفیسہ بیگم اور شمامہ ماں جی اور کلثوم کو دیکھنے گئیں۔سارب"کہاں جا رہی ہو؟"
آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ ہارے ہوئے لہجے سے۔"اُس کے پاس وہ مجھے طلاق دے کر جا رہا ہے۔میرا تو جینے کا مقصد بھی ساتھ لے جائے گا۔وہ مجھے طلاق دے کر چلا گیا تو میری سانس کی ڈور کہاں چلنے والی ہے۔اُس کو روکنے جا رہی ہوں۔"
دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے فریاد کرتے ہوئے۔"پلیز......پلیز......مجھے جانے دو۔"
"میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔"
"تم دیر کر دو گے۔میں جا رہی ہوں۔"

سارب نے اُس کو زور سے پکڑ لیا مگر وہ خود کو چھڑوا رہی تھی۔ آنسو تو اُس کی آنکھوں سے بارش کی طرح برس رہے تھے اور سارب جیسے انسان کے دل کو بھی ہلا رہے تھے۔ جو بڑا مضبوط بنتا تھا۔

''رادیہ! تم حسینہ کا دوپٹہ لاؤ۔ میں اِس کو گاڑی میں بٹھاتا ہوں۔ جلدی آؤ۔''

وہ بار بار خود کو اُس سے چھڑوا رہی تھی جانا چاہ رہی تھی۔ وہ لے جا رہا تھا تو رادیہ بھاگی بھاگی ڈوپٹہ لانے لگی تھی۔ اِس سارے واقعہ میں کسی کو پتہ ہی نہیں چلا تھا انشال آ گیا تھا۔ کمرے میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس میں باہر آ کر بہن کو دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ خود سے ''کیسے باہر جاؤں۔ اِس بے وقوف کو دیکھنے کی ہمت کہاں سے لاؤ۔ پاگل ہے بالکل ہی۔''

وہ اُس کو گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا تو رادیہ دوپٹہ لے آئی۔ اُس نے اُس کے سر کو اور اُس کو اچھی طرح ڈھانپا۔ ''رادیہ! تم حسینہ کو لے کر پیچھے بیٹھ جاؤ۔''

''نہیں...... میں آگے بیٹھوں گی۔

پیچھے سے اُترنے میں دیر ہو جائے گی۔''

اُس نے اُس سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور اُس کو آگے بٹھا دیا۔ ''چلو! تم جاؤ۔ امی اور اماں کو سنبھالو۔ میں آتا ہوں۔''

دو گھر چھوڑ کر تیسرا گھر تھا۔ مگر حسینہ کو یہ سفر بھی لمبا لگ رہا تھا۔ ''تم جلدی کیوں نہیں چلا رہے ہو۔ وہ چلا جائے گا۔''

وہ چپ رہا کیونکہ وہ سمجھ سکتا تھا۔ سالک کے گھر پہنچ کر سارب نے ہارن دیا تو چوکیدار کو آنے میں دو تین منٹ لگ گئے۔ تو حسینہ۔ ''آج یہ کہاں رہ گیا ہے ورنہ تو ایک سیکنڈ میں پہنچ جاتا ہے۔''

اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سارب۔ ''بس کھول رہا ہے۔''

''یہ دیر کر رہا ہے وہ چلا گیا تو۔''

''سالک بھائی ابھی نہیں گئے۔''

پاگلوں کی طرح حسینہ۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو نا؟''

''جی ہاں۔''

''چلو! پھر کوئی بات نہیں۔''

اِسی دوران چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ سارب نے گاڑی اندر کی تو حسینہ جلدی سے بھاگ کر گاڑی سے اُتر کر اندر گئی۔ وہ اُس کے پیچھے بھاگا وہ سیدھی سالک کے کمرے میں گئی۔ راستے میں تاشہ، عثمان اور زرمین سب کھڑے تھے مگر وہ نہ رکی۔ آگے بڑھ کر زرمین نے اُس کو پکڑنا چاہا مگر وہ نہ ہاتھ آئی۔ اُن سب کی آوازیں اندر سالک نے سن لی تھیں۔ تاشہ میں تو کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی مگر زرمین۔

''پاگل ہو رہی ہے اِس کو سنبھالو۔''

اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے سارب۔ ''کیا کرے پندرہ سال سے اُس کے نکاح میں ہے۔ ظاہر ہے اُس کو اپنا جینا مرنا بنایا تھا اِس نے۔

یہ تو ہونا ہی تھا۔''

آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے تا کہ کسی کو نظر نہ آئی۔ عثمان سا نگھڑ۔

''بالکل ہی جھلی ہے۔''

''اتنے لمبے انتظار کے بعد بڑے بڑے جھلے ہو جاتے ہیں۔ یہ تو پھر عام سی لڑکی ہے۔''

وہ سیدھی جا کر سالک کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ پاگلوں کی طرح ''تم چلے جاؤ۔ مگر میری زندگی مت لے کر جاؤ۔

مجھے طلاق نہیں چاہیے۔''

وہ پتھر کا بت بنا کھڑا رہا۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو حسینہ۔ ''میں تو صرف ریسیپٹر ہوں۔ جو تم دو گے لے لوں گی۔ ڈونر تو تم ہو۔ لیکن صرف خدا کے لیے۔ جس کی خاطر سب کچھ کرنے جا رہے ہو، اتنا ڈونیٹ کرو جتنا میں سہہ سکوں۔ میں جانتی ہو۔ میں کم ظرفی کا مظاہرہ کر رہی ہوں مگر میں ایک عام سی دنیا دار ہوں۔ مجھ سے زیادہ کی اُمید بھی مت رکھنا۔ بس مجھے طلاق مت دو۔ اس دنیا دار پر صرف اتنا احسان کرو۔ رب تیری منزل آسان کرے گا۔''

دل میں سالک۔ ”پتھر کا پہاڑ بنے کھڑے ہو۔

مجھے پتہ ہے تم بھی اندر سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو رہے ہو۔“

خود کو جواب دیتے ہوئے سالک۔ ”تیرا ہاتھ مضبوط ہاتھوں میں ہے اِس لیے سب سہہ رہا ہوں۔ ہمت نہیں ہاروں گا۔“

خود کو سنبھالتے ہوئے سالک۔ ”میں نہیں چاہتا۔ میری وجہ سے تمھاری زندگی خراب ہو۔“

”اِس طرح نہیں ہوگی۔ ورنہ ہو جائے گی۔“

”تم یہاں سے جاؤ۔“

”نہیں جاؤں گی۔“

”تم کو جانا ہوگا۔“

”کہا نا! نہیں جاؤں گی۔“

”پھر میں چلا جاتا ہوں۔“

وہ جانے لگا تو جلدی سے اُس کے آگے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر اُس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

”پلیز...... مجھ پر رحم کرو۔

پلیز...... پلیز...... پلیز...... مجھے دینے دو۔

حسینہ میں جینا چاہتی ہوں۔

ایسا مت کرو۔“

وہ بھی انسان تھا فریاد نے اُس پر اثر کیا۔ ”تم اُٹھو تو بات کرتے ہیں۔“

اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میری ایک شرط ہے۔“

جلدی سے حسینہ۔ ”مجھے منظور ہے۔“

”پہلے سُن تو لو۔“

''بغیر سنے ہی قبول ہے۔''

''تم کو پانچ دن میرے سامنے بیٹھنا ہو گا وہ بھی اکیلی۔''

''یہ تو کچھ بھی نہیں۔

اگر آپ مجھے سولی پر چڑھنے کے لیے بھی کہو گے تو بھی منظور ہے۔''

خود سے سالک۔ ''چلو! تمھارا بھی امتحان ہو جائے گا۔ اگر تم نے اِس کو ہاتھ لگا لیا تو پھر نہیں جاؤ گے۔ تم تو جانتے ہو۔ اِس میں ایسی کشش ہے جو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔''

''کیا سوچ رہے ہیں۔

بتائیں مجھے کہاں بیٹھنا ہے۔

بیڈ پر بیٹھو یا زمین پر۔''

خود سے سالک۔ ''بیڈ پر تو شاید میں خود پر قابو نہ پا سکوں۔ کیونکہ مذہب اور قانون دونوں اجازت دیتے ہیں۔

پھر میں بھی تو انسان ہوں۔''

پاگلوں کی طرح حسینہ۔ ''آپ حکم دیں۔

مجھے کہاں بیٹھنا ہے۔

اِس میں بھی اتنی دیر۔''

''تم صوفے پر بیٹھ جاؤ۔''

اس کے لیے تو جیسے زندگی بچانے کا ایک ذریعہ مل گیا تھا۔ جلدی سے جا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُس نے سالک کے حکم کی ایسے تکمیل کی جیسے ایک سیکنڈ کی دیر بھی اُس کو بدل نہ دے۔ سالک کی یہ شرط ڈوبتے کو تنکے کے سہارے والی تھی یعنی اُمید کی کرن۔

اتنی دیر میں نفیسہ بیگم بھی آ گئی۔ وہ باتیں کر رہے تھے تو عثمان سانگھڑ۔ ''سارب! جا کر دیکھو۔ کیا ہوا ہے؟''

"آپ تاشہ کو بھیجیں۔"

تو ساتھ ہی نفیسہ بیگم۔ "تاشہ! دیکھ کر آؤ۔"

اپنے دل کی کیفیت اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے عثمان سانگھڑ۔ "بیٹا! میں کیا کروں۔ اس کا مقصد اتنا بڑا ہے کہ روکو تو گناہگار ہوتا ہوں۔

بیٹی کو دیکھتا ہوں تو دل پھٹتا ہے۔

میرا تو وہ حال ہے۔ آگے کنواں اور پیچھے کھائی۔"

"سالک بھائی بھی اچھے ہیں۔ اِس لیے تو ان کو کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ورنہ تو میں حسینہ کے ایک آنسو بدلے دس قتل کر سکتا ہوں۔ یہاں میں بھی بے بس ہوں۔ کیونکہ وہ رب ہے اور ہم کو اُس کے ہی پاس جانا ہے۔ پھر تو سالک بھائی بھی نہیں ہیں۔"

اُن کو دیکھ کر تاشہ دروازے سے ہی واپس مڑ گئی۔ جا کر تاشہ۔ "امی! حسینہ صوفے پر بیٹھی ہے اور سالک بیڈ پر چپ چاپ۔ دروازہ کھولا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد حسینہ۔

"دروازہ بند کرنا ہے تو آپ بے شک کر دیں۔

مجھے آپ سے اب ڈر نہیں لگتا۔"

"لیکن مجھے تم سے لگتا ہے۔ اگر میں ہار گیا تو۔"

"میں نہیں چاہتی آپ ہاریں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ اپنے ساتھ میرا تعلق رہنے دیں۔ میں قیامت تک آپ کا انتظار کروں گی وہاں تو آپ مجھے مل جائیں گے نا۔"

"یہ تو پانچ دن بعد پتہ چلے گا۔

میں ہار گیا تو تب بھی تمھارا۔

تم جیت گئی تو تب ہوں ہی تمھارا۔"

آنسو تو جیسے حسینہ کے خشک ہو گئے تھے۔ لیکن درد باقی تھا۔ جو بغیر کہے بھی محسوس کیا جا سکتا تھا۔

مگر چونکہ اِس وقت وہ جوش میں تھا کیونکہ فیصلہ نیا نیا تھا ہر چیز کے سامنے دیوار بنا ہوا تھا۔ کسی نے بھی جا کر دونوں سے نہیں پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور سارب، باہر صوفے پر ہی بیٹھا رہا۔ حالانکہ سب نے اصرار کیا کہ وہ اندر کمرے میں جا کر بیڈ پر سو جائے۔ سب کے جانے کے بعد سارب کو خیال آیا کہ گھر والوں کو بتاؤ۔ وہ پریشان ہیں۔ اُس کے فون کرنے سے پہلے تاشہ فون کر کے صورتحال بتا چکی تھی۔ اِس لیے جب سارب نے فون کیا تو رادیہ نے بتایا۔ ہمیں اطلاعات مل گئی ہیں۔ حسینہ صوفے پر بیٹھی بیٹھی سو گئی اور سالک بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے۔ سارب صوفے پر۔ تھوڑی دیر بعد تاشہ اُس کے لیے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر لائی۔ اور اُس کو دی۔ ''اِس کی ضرورت نہیں تھی۔''

''زندگی میں پہلی مرتبہ بنائی ہے وہ بھی تمھارے لیے پی لو۔''

''شکریہ۔'' کپ لیتے ہوئے سارب۔

اِس رات تاشہ نے سارب کا بہت خیال رکھا۔ سب کے لیے رات مشکل تھی۔ حسینہ کے گھر میں بھی سب اپنے اپنے کمروں میں پریشان حال رات گزار رہے تھے۔ ماں جی اور کلثوم بیگم نے ایک ہی کمرے میں رات گزاری۔ سب سمجھ رہے تھے انشال کو کچھ پتہ نہیں۔ وہ اپنے کمرے میں سب سے زیادہ تڑپ رہا تھا۔ لیکن وقت گزر ہی جاتا ہے چاہے کوئی بھی ہو۔ اِس لیے رات گزر گئی۔

فجر کی اذان ہوئی تو حسینہ اور سالک نے اُٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر دونوں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ صبح کے سات بجے تو سالک۔ ''اب تم جاؤ۔''

''رات کو کتنے بجے آنا ہے۔''

''آٹھ بجے۔''

وہ کمرے سے باہر نکلی تو سارب نے اُس کو دیکھ لیا۔ وہ اٹھ کر بھاگ کر اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ اُس نے حسینہ سے کچھ نہ پوچھا۔ مگر وہ خود ہی۔ ''اُس نے پانچ دن کی شرط رکھی ہے پھر وہ مجھے طلاق نہیں دے گا۔''

فٹ سے سارب۔ ''تم فوراً مان لو۔''

''میں نے تو مان لی ہے ایک دن گزر گیا۔''

''ہم سب تمہارے ساتھ ہیں باقی بھی گزر جائیں گے۔''

وہ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ سالک نے بھی سب کچھ گھر والوں کو بتا دیا۔ وہ بھی پرسکون ہو گئے۔ آخر کار کوئی تو حل نکلا۔ سارب نے بھی سب کچھ گھر والوں کو بتا دیا۔ ماں جی نے حسینہ کا ماتھا چوما اور رادیہ سے۔ ''اِس کو اندر لے جاؤ۔''

وہ اُس کو اندر لے گئی تو ماں جی۔ ''کلثوم! بیٹی اِس کو ناشتہ کرواؤ اور اِس کو سونے دو۔''

''آپ نے ٹھیک کہا۔ ناشتہ بھی چھوڑیں۔ میں سونا چاہتا ہوں۔''

''اگر کر لیتے تو بہتر تھا۔''

''سونا بہتر ہے۔''

اُس کے جاتے ہی ماں جی۔ ''وہ کچھ بھی کرے مگر طلاق نہ دے۔ طلاق حسینہ سہہ نہیں پائے گی۔'' بیٹی کے دکھ سے دو چار باپ عبدالرحمٰن آمین۔

دوسری رات حسینہ اور سارب وقت سے دس منٹ پہلے ہی پہنچ گئے۔ سارب جا کر اُسی صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور حسینہ اندر چلی گئی۔ آج وہ نہیں رو رہی تھی مگر اُس کا دِل رو رہا تھا۔ شاید ایک دن کے بعد اُس کو اور زیادہ اپنا دکھ محسوس ہو رہا تھا۔ دکھی دل کے ساتھ جو خون کے آنسو رو رہا تھا۔ سالک سے۔

''کہاں بیٹھوں۔'' زمین کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے۔

''یہاں زمین پر بیٹھ جاؤ۔

تاکہ آپ کو اپنی بڑائی اور میری بے بسی کا احساس ہو اور آپ کو مجھ پر رحم آ جائے۔''

''تم صوفے پر ہی بیٹھ جاؤ۔''

حسینہ کے الفاظ میں اِس قدر درد تھا کہ سالک کو اپنا بھی دل پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھی ایسی تھی جیسے کوئی ڈرا سہا بچہ ہو اور دبکا ہوا بیٹھا ہو۔ جس کی ایک چھوٹی سی حرکت اُس کی موت کا سامان بن جائے گی۔

اُس کی یہ حالت دیکھ کر سالک کا دِل بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ مگر اُس کی آواز کوئی نہیں سن

رہا تھا۔ وہ تو چپ بیٹھی تھی مگر سالک خود سے۔ ''تم کو بھی درد ہوتا ہے یا پتھر کے ہو۔''

اپنے آپ کو جواب دیتے ہوئے۔ ''میں بھی انسان ہوں۔ میرے سینے میں بھی دل ہے۔ مگر دل سے زیادہ مجھے اُن بے بس لوگوں کا درد دکھائی دیتا ہے جنھوں نے قیامت کے دن مجھ سے سوال کرنا ہے۔ تم لوگ محلوں میں رہتے تھے، اُن سے باہر جھانک کر دوسروں کے زخم دیکھنے کی ہمت کبھی نہ کی۔ مرہم تو دور کی بات کبھی پیار اور ہمدردی کے دو الفاظ بھی نہ کہہ سکے۔ ایک کو زخمی ہو تو سارے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ مگر تم لوگ تو اُس سے بھی کم تر نکلے۔''

خود سے ہی۔ ''یہ تمھارا تو ہی فرض نہیں اور بھی تو مسلمان ہیں۔'' پھر خود کو ہی جواب دیتے۔

''سب یہی سوچ رہے ہیں یہ میرے اکیلے کا فرض نہیں اور بھی ہیں چھوڑو۔ مسلمان ہونے کو بھی چھوڑو۔ انسان ہونے کے ناطے تو ہے میں اپنا فرض پورا کروں تو چراغ کو دیکھ کر چراغ جلتا ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے دیکھ کر کوئی دوسرا بھی ہمت کرے۔ جو یہ سوچ کر چپ ہو۔ میرے ہونے سے کیا ہوگا۔''

خود سے۔ ''تم کیوں روتے ہو۔ وہ تو بے وقوف ہے۔''

خود کو جواب دیتے ہوئے سالک۔ ''اُس کی آنکھوں کی فریاد رونے پر مجبور کرتی ہے ورنہ کون بد بخت روتا ہے۔'' پھر خود سے۔ ''تو نہ دیکھا کرو۔''

پھر خود کو جواب دیتے ہوئے سالک۔ ''میں کب دیکھتا ہوں۔''

ویسے تو سارے سارب کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے مگر تاشہ سب کے جانے کے بعد بھی سارب کا خیال رکھتی۔ اُس کو چائے کا کپ لا کر دیتی۔ تھوڑی دیر بعد اُس کو دیکھتی رہتی حالانکہ وہ صوفے پر سویا ہوتا تھا۔ صبح جب گھر گئے تو سب ناشتہ کر رہے تھے ماں جی حسینہ کو کمرے میں لے گئی۔ اُس کا سر گود میں رکھ کر پوچھنے لگیں۔

''اُس کو فرق پڑا۔''

''وہ بولتا کب ہے؟ جو پتہ چلے۔ اُس کے اندر کیا ہے۔

وہ پتھر کا بت ہے میں اُس سے ٹکریں مار رہی ہوں۔''

پھر سر اوپر کر کے ماں جی کے منہ کی طرف دیکھتے ہوئے۔ ''ہار جاؤں گی یا بت کو ہلا دوں گی۔''

داخل ہوتے ہوئے کلثوم نے الفاظ سن لیے۔ بیٹی کی بے بسی اُس کے دل کو پتھر کی طرح لگی۔

جھٹ سے بولی۔ ''تم ہلا دو گی۔''

''امی! آپ نے ٹھیک کہا۔ کیونکہ میرا رابطہ تو اوپر والے سے ہے۔ اُس سے ہوتا تو میں پکی ہار جاتی۔''

یہ ساری باتیں عبدالرحمٰن نے بھی سن لیں۔ آگے بڑھ کر بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر۔ ''باپ بیٹی کو نصیب نہیں دے سکتا۔ اگر وہ تمھیں طلاق نہ دے تو سمجھ جانا۔ بڑے نصیبوں والی ہوں۔ وہ عام انسان نہیں۔ رب نے تجھے عظیم انسان سے جوڑا ہے۔''

''ابو! اس تعلق کو ہی بچانے کے لیے سب کر رہی ہوں۔ وہ تعلق نہ توڑ۔ میں زندگی بھر کبھی آپ کو شکوہ کرتی نہیں نظر آؤں گی۔ بھلا وہ اِس زندگی میں نہ لوٹے۔''

''مجھے تم سے یہی اُمید ہے۔ جیتی رہو۔''

وضو کر کے شمامہ غسل خانے سے نکلی تو رادیہ۔ ''سورج کہاں سے نکلا ہے۔''

''سورج تو وہاں سے ہی نکلا ہے جہاں سے روز نکلتا ہے۔ مگر وہ ہماری پاگل بہن ہے نا۔ جس کو دیکھ کر دل دہل جاتا ہے۔ اُس کے لیے نوافل پڑھ کے دعا کرنے لگی ہوں۔ اللہ! سالک بھائی کے دل میں رحم ڈالے اور وہ اُس کو طلاق نہ دیں۔''

''صحیح کہتی ہو، اُس کے لیے تو سب دعا گو ہیں۔ شاید کسی کی ہی دعا اُس کو لگ جائے۔''

تیسری رات تھی وہ اور سارب نکلنے لگے تو انشال ہسپتال کے لیے جا رہا تھا۔ حسینہ کو دیکھا تو رک گیا۔ اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے۔ ''خوش رہو'' ساتھ ہی آنسو اُس کی آنکھوں میں جھلک پڑے مگر وہ جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ تاکہ حسینہ کو نظر نہ آئیں۔

وہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اُس نے بھی ایمانداری سے امتحان دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ کوئی تیار ہو کر نہیں آئی تھی۔ بلکہ تین دن سے ایک ہی لباس میں تھی تاکہ اُس کی کوئی چیز اُس کے دِل کو لبھائے نہ۔ وہ بھی ایمانداری سے فیصلہ کرے۔ بیڈ پر ٹیک لگائے سوچتے سوچتے اُس کی نظر حسینہ پر پڑی تو خود سے۔

''سحر کی طرح اپنی طرف کھینچ لیتی ہے خوبصورت بھی تو بلا کی ہے۔ کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ میرا تو پھر اُس کو دیکھنے کا پورا پورا حق ہے۔ چاہے سامنے بٹھا کر دیکھوں یا خود سامنے بیٹھ کر دیکھوں۔''

خود سے۔ ''کیا اُس کے سامنے بیٹھ کر دیکھو گے۔''

''ہرگز نہیں۔'' خود سے۔ ''ڈر گئے خود کو آزماؤ تو سہی۔ آپ اس چیز کو چھوڑ کر جاؤ۔ جو دِل کو چیر دے تو تب ہی قربانی ہوتی ہے۔ ورنہ کوئی قربانی نہیں۔ آپ گزر گئے اور آپ کو پتہ بھی نہیں چلا۔ یہ کیسی قربانی ہے؟''

اِس خیال کے ساتھ سالک نے خود کو آزمانے کا ٹھان لیا تھا۔ وہ اُس کو ایسے ہی دیکھنے لگ گیا جیسے پہلی رات کی دلہن کو دلہا دیکھتا ہے۔ دیکھتے ہوئے چند منٹ ہی گزر رہے تھے کہ اُس کا دل مچل اُٹھا۔ مگر اُس کا بھی خود پر اتنا کنٹرول تھا کہ بیڈ سے نہ اُٹھا۔ خود سے ''ہرگز نہیں۔ ایسی کہیں خوبصورتیاں اِس عظیم مقصد پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ میری حیثیت آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ مگر میں نمک جتنی ہی کوشش ضرور کروں گا۔ ان بے بس اور لاچار لوگوں کے درد کو کم کرنے کے لیے۔ آج جب حسینہ سالک کے گھر سے واپس آئی تو بخار نے اُس کو آلیا۔ اُس کو بخار میں بھنتے ہوئے دیکھ کر کلثوم بیگم نے انشال کو چیک کرنے کے لیے کہا۔ اُس نے چیک کیا۔

''امی پانی کی پٹیاں کریں اور بخار ہلکا ہو تو یہ دوائی دے دیں۔''

اس کے منہ کی طرف دیکھ کر ماں جی۔ ''کیا ہوا ہے اِس کو۔''

''سٹریس میں ہے۔ سولی پر جو لٹکی ہوئی ہے کہ پتہ نہیں فیصلہ کیا ہو گا۔ اِس لیے اور کوئی بات نہیں۔''

ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ اُٹھ بیٹھی۔ ''آٹھ تو نہیں بجے۔''

اُس کی یہ حالت دیکھ کر کلثوم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر ضبط کر کے۔ ''ابھی نہیں۔''

''دیکھو! مجھے اُٹھا دینا ورنہ وہ طلاق دے کر چلا جائے گا۔ آپ کو تو یہ پتہ ہے اُس کو کسی کی پرواہ نہیں۔ پتھر کا بت ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں پتھر کا بنا ہوا ہے۔''

اُس کے اِن الفاظ نے سب کو رلا دیا۔ شامہ تو وہاں سے روتی ہوئی بھاگ گئی۔ جاتے ہوئے

انشال۔ ”امی! کچھ ضرورت ہو تو بلا لینا۔ مجھ سے اِس پاگل کو نہیں دیکھا جاتا۔ سچ مچ پاگل ہوگئی ہے۔ کس نے کہا تھا اِس کا نکاح کرو۔“

وہ نکل ہی رہا تھا تو دوبارہ اٹھ گئی۔ ”انشال! سارب کو بلاؤ۔ مجھے پتہ ہے امی بھول جائیں گی مگر وہ نہیں۔“

”بلاتا ہوں۔“ وہ چلا گیا۔

وہ بار بار سارب کو بلا رہی تھی مگر وہ سویا ہوا تھا۔ سب اُس کو اُٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ آخر کار تنگ آ کر رادیہ اُس کو اُٹھا کر لے آئی۔ اُس کو دیکھ کر۔

”تم مجھے آٹھ بجے اٹھا دینا۔ میرا انتظار مت دیکھنا۔ تم تو سب جانتے ہو۔“

اپنے آنسو ضبط کر کے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر۔ ”تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ میں یہاں ہی بیٹھا ہوں۔ تم کو آٹھ بجے سے پہلے لے جاؤں گا۔ ہم اُس کو تعلق توڑنے نہیں دیں گے۔“

اُس کی تسلی سے وہ سو گئی۔ سارب بیچارے کو یہاں بھی صوفے پر سونا پڑا۔

سب، سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ حسینہ کا کردار سب کو ہلا رہا تھا۔ کوئی بھی اُس کی پہنچ سے دور نہ تھا۔ مگر سالک کو کچھ کہنے کی کسی میں بھی ہمت نہ تھی۔ زرمین تنگ آ کر تا جیل سے۔

”کتنا ظالم ہے سالک۔“

”وہ ظالم نہیں ہے۔ وہ اُس کو ٹھوکروں سے بچانا چاہتا ہے۔“

”یہ کیسی بھلائی ہے کہ انسان کی تذلیل ہی کیے جاؤ۔“

اُس کے پاس اِس کا جواب نہ تھا۔ اُس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ ”مجھے بتائیں۔ وہ طلاق نہیں لینا چاہتی نہ دے۔ اُس کی زندگی، جیسے بھی گزارے۔“

”یہی وہ نہیں چاہتا۔“

”آپ نے حسینہ کی حالت دیکھی ہے قابل رحم ہے۔ مگر نہیں۔ نہ سالک کو نظر آتی ہے اور نہ آپ کو۔“

"اُس کو بھی آتی ہے اور مجھے بھی۔

اگر وہ ایسے چھوڑ گیا اور کل کو تم سب لوگوں نے نظریں پھیر لیں تو۔ جو یقیناً پھیر لیں گے۔

تم سمیت سب لوگ۔ جو آج ہمدرد ہیں۔"

اِس جواب نے زرمین کی بولتی بند کروا دی۔

"اب بول کیوں نہیں رہی ہو۔

تب کون سنگ دِل ہوگا۔ یہ دنیا ہے جو عروج میں آپ کے ساتھ ہے۔

زوال میں کوئی نہیں جانتا آپ کو۔

وہ جو بھی کر کے جائے گا اُس کے مستقبل کو محفوظ کر کے جائے گا۔ کیونکہ وہ دردِ دِل رکھنے والا انسان ہے۔

وہ اُس کو ایسا بنا کر جائے گا کہ سب اُس کے محتاج ہوں گے۔ وہ نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کیا فیصلہ ہوگا۔"

خود سے سالک نے آج فیصلہ کر لیا تھا۔ خود سے "آج جب وہ آئے گی تو میں اُس کو یہاں پر ہی طلاق دے دوں گا۔ تاکہ روز روز کا تماشہ ختم ہو۔"

اُس کی صورت اُس کی آنکھوں کے سامنے آ رہی تھی۔ وہ سارے بند توڑ کر پانی بہہ رہا تھا۔ اِس پانی میں اُس کے دل کا درد اور اُس سے محبت شامل تھی۔ جس کا اظہار نہ اُس نے کبھی کیا تھا اور نہ ہی کبھی کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ تو اِس زنجیر کو بھی توڑنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

وہ عثمان سانگھڑ کے لاؤنج میں داخل ہوئی تو سارب اُس کو پکڑے ہوئے تھا۔ وہ گر رہی تھی۔

اس کو دیکھ کر نفیسہ بیگم اور عثمان کی آنکھیں بہنے سے رک نہ سکیں۔ غصے سے عثمان اُن کے پہنچنے سے پہلے سالک کے پاس پہنچ گیا۔

"دیکھو! سنگِ دل گرتی ہوئی آ رہی ہے۔

تم کو ترس نہیں آتا۔ کیا مانگتی ہے تم سے یہی کہ طلاق نہ دو۔ تین دن سے تیرے در پر فقیروں کی طرح پڑی ہے۔"

ہاتھ جوڑ کر اُس کے آگے۔ ”اِس کے حال پر رحم کرو۔“

وہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اتنی دیر میں سارب بھی وہاں پہنچ گیا حسینہ کو لے کر۔

”انکل! آپ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہوتا۔“

”کیوں نہ بولوں۔ آج تمھاری تذلیل کی حد ہو گئی ہے۔

میرے صبر کی بھی حد ہو گئی ہے۔“

ذرا دھیمے لہجے میں۔ ”یار! اب تو اِس پر رحم کر دے۔“

آج تو حسینہ کی آنکھیں پھر برس رہی تھیں۔ ”تم انکل کی باتوں کا برا مت منانا۔ یہ دراصل مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

میں مر کر بھی تمھاری شرط پوری کروں گی۔

بس مجھے طلاق مت دینا۔ کیونکہ اگر تم نے تعلق توڑ دیا تو میں گناہ کروں گی۔ میں گناہ نہیں کرنا چاہتی۔“

اِس جملے نے سالک کو جھنجھوڑ دیا۔ خود پر قابو پا کر ”سارب! اِس پاگل کو لے جاؤ۔ بے فکر ہو کر جاؤ۔ میں طلاق نہیں دوں گا۔“

نہیں دوں گا کہ الفاظ نے حسینہ میں روح پھونک دی۔ وہ اُس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ اُس کے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ بول رہی تھی۔ ”شکریہ! میری زندگی کی ڈور نہ کاٹنے کے لیے۔“

اُس نے اُس کو پھر بھی نہیں پکڑا اور سارب سے دوبارہ۔ ”لے جاؤ! اِس پاگل کو۔ کہا نا! طلاق نہیں دوں گا۔ اتنا تو اعتبار ہے تم لوگوں کو۔“

وہ جو سارا منظر چپ بہتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا بولا۔ ”آپ کے تو ہر لفظ پر اعتبار ہے۔“

”نیلی پیلی ہو رہی ہے جا کر اِس کو دوائی دو۔ اب کل سے آنے کی ضرورت نہیں۔“

☆......☆......☆

فون کی مسلسل گھنٹی بج رہی تھی۔ پاس بیٹھی شمامہ صرف دیکھ رہی تھی۔ جب کافی دیر تک بھی گھنٹی نے سانس نہ لیا تو اُس نے فون اُٹھا ہی لیا۔ غصے سے افنان۔

''بات کیوں نہیں کر رہی تھی۔ پتہ بھی ہے کب سے فون کر رہا ہوں۔''

''بات ہو یا نہ اِس سے کیا فرق پڑتا ہے تم مردوں کو۔ پتہ نہیں کس موڑ پر کس کے لیے چھوڑ دو۔ ہم بے چاری لڑکیاں روتی رہ جاتی ہیں۔ اِس لیے اب دل نہیں کرتا تم لوگوں پر اعتبار کرنے کو۔ سالک بھائی نے نکاح کو کچھ نہیں سمجھا۔ یہ تو پھر منگنی ہے۔''

اُس کے لہجے میں نرمی آئی۔ آہستہ سے بولا۔ ''ہر کوئی سالک بھائی کی طرح نہیں ہوتا۔ وہ ذرا دنیا سے ہٹ کر سوچتے ہیں۔ ہم دنیا دار ٹھہرے۔ ہم پہلے اپنا سوچیں گے۔''

''تم نے کہا وہ دنیا دار نہیں۔ تم دنیا دار ہو تم کسی اور کے لیے چھوڑ دو گے۔''

اُس کی پریشانی کو سمجھتے ہوئے افنان۔ ''میرا اعتبار کرو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں ہر حال میں۔''

وہ ابھی بحث کر رہے تھے کہ زور سے دروازہ کھلا۔ پھولے ہوئے سانس سے رادیہ۔ ''سالک بھائی نے طلاق نہ دینے کا اعلان کر دیا۔''

فون وہاں پر ہی چھوڑا اور فٹ سے شمامہ۔ ''سچ کہہ رہی ہو۔''

جھوم کر رادیہ۔ ''بالکل! سچ۔''

''تم کو کیسے پتہ چلا۔ حسینہ آ گئی ہے۔''

''نہیں...... تاشہ کا فون آیا ہے۔''

خوشی سے دونوں نیچے کی طرف بھاگیں۔ ماں جی، عبدالرحمٰن اور کلثوم بیگم سب خوش تھے۔ رادیہ کو انشال کا خیال آیا اور وہ فون کر کے اُس کو بتانے لگی۔

اُس کو سالک کے قدموں سے اُٹھانے کے لیے سارب نے دونوں کندھوں سے پکڑا تو وہ تیز بخار کی وجہ سے بے ہوش تھی۔ اُس کو دیکھ کر سالک۔ ''اُس کو یہاں میرے ہی بستر پر لٹا دو۔''

اُس کو اُٹھا کر سارب نے بستر پر لٹایا۔ سالک نے فسٹ ایڈ بکس نکال کر اُس نے منہ میں تھرما

میٹر ڈالا اور بخار چیک کرنے لگا تو ایک سو پانچ تھا۔ جو انتہائی خطرناک تھا۔

''ابو! جلدی سے امی اور تاشہ کو بلائیں۔ وہ اِس کو تازے پانی کی پٹیاں کریں تا کہ بخار ہلکا ہو۔''

اتنی دیر میں وہ ویسے ہی آ گئیں۔ سالک نفیسہ بیگم سے۔''امی اِس کو تازہ پانی کی پٹیاں کریں۔''

اُس نے جلدی سے پروین کو آواز دے کر پانی لانے کے لیے کہا۔ وہ گھر نہ پہنچے تو کلثوم بیگم کا فون آ گیا۔''سارب! امی آپ لوگ آ جائیں زیادہ بخار کی وجہ سے حسینہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔''

اتنی دیر میں پانی آ گیا۔ تاشہ اور نفیسہ بیگم پانی کی پٹیاں کرنے لگ گئیں۔ اِسی دوران سالک دیکھتے ہوئے خود سے۔'' کچھ زیادہ ہی پاگل ہے۔ اللہ نے اچھا فیصلہ کروایا ہے۔ یہ تو پتھر پر لکیر کی طرح عیاں ہو گیا ہے جو ہوتا ہے اچھے کے لیے۔''

جیسے ہی انشال نے فون اٹھایا بغیر سلام دعا کے رادیہ۔''سالک بھائی نے طلاق نہ دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔''

خوشی سے انشال۔''شکر ہے اللہ کا۔ یہ کیسے ہوا؟''

''زیادہ تو مجھے نہیں پتہ لیکن اہم خبر یہ تھی۔ اِس لیے میں نے ضروری سمجھی آپ کو بتانی۔''

''باقی بات گھر آ کر ہو گی۔''

پاس کھڑی مناہل۔''کس بات پر خوش ہو رہے ہو۔''

وہ خوش اتنا تھا کہ بغیر سوچے سمجھے منہ سے نکل گیا۔

''دراصل! سالک بھائی! اب حسینہ کو طلاق نہیں دے رہے۔''

''طلاق،

مطلب۔'' حیرت سے مناہل اُس منہ کو دیکھتی ہوئی۔

''اُن کا پندرہ سال پہلے نکاح ہوا تھا۔ اب وہ کسی وجہ سے پاکستان چھوڑ رہے ہیں تو وہ حسینہ کو طلاق دینا چاہتے تھے لیکن اب انھوں نے ارادہ ترک کر دیا ہے۔''

''تم نے اور سر سالک نے کبھی ذکر نہیں کیا۔''

"کیونکہ کس کو بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ اِس رشتے کو آگے لے کر جائیں گے۔ان پر زور زبردستی نہیں کی جا سکتی تھی۔"

بیماری کے دوران حسینہ سالک کے کمرے میں ٹھہری اور سالک مہمان خانے میں۔ حسینہ کے گھر والے سارا دن تو اس کے ساتھ رہتے تھے۔مگر رات کو گھر چلے جاتے تھے۔سالک فجر کی نماز پڑھ کر آ کر اس کا چیک اپ کرتا۔ وہ اکیلا نہیں آتا تھا ہمیشہ تاشہ کو ساتھ لے کر آتا۔ اِس دوران سالک کو حسینہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔اُس نے اُس کو بڑی صابر اور شاکر پایا۔شدید بخار کے دوران بھی اُس نے ہائے نہیں کہا۔آج اُس نے چیک اپ کے بعد کچھ دوائیاں تبدیل کیں۔

"امی! یہ نئی دوائی ہے ناشتے کے بعد حسینہ کو دے دینا۔"

ابھی وہ بات ہی کر رہے تھے کہ ماں جی، رادیہ اور کلثوم بیگم آ گئیں۔اُس نے ان کو سلام کیا تو ماں جی نے پیار دیا اور رادیہ کے ساتھ کمرے کی طرف چل دیں۔کلثوم بیگم اور نفیسہ بیگم باتیں کرنے لگ گئیں۔

"بھابی! آپ ناشتہ بجھوائیں۔میں اور رادیہ اُس کا منہ ہاتھ دھلوا کر کپڑے تبدیل کرواتی ہیں۔ پھر دوائی بھی دے دیں گی۔"

"بیٹا! یہ دوائی مجھے دو۔"

اُس نے سالک کے ہاتھ سے دوائی لے لی اور اندر چلی گئی۔اُس کے کمرے میں پہنچنے سے پہلے ہی رادیہ حسینہ کو غسل خانے میں لے گئی۔اُس نے اُس کا منہ ہاتھ دھلوایا اور کپڑے تبدیل کروائے۔

اتنی دیر میں نفیسہ بیگم ملازمہ کے ساتھ ناشتہ لے کر وہاں پہنچ گئی۔ساتھ ہی تاشہ بھی آ گئی۔بولی بڑے جوش سے۔"آج تو حسینہ بڑی فریش لگ رہی ہے۔کمال نہیں ہو گیا۔"

وہ باتیں کر رہے تھے کہ سالک اور انشال کمرے میں آ گئے۔اُس کو تو دیکھ کر حسینہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔مسکرا کر۔"ساری رات ڈیوٹی کی تھی تھکے ہوئے تھے۔سو جاتے۔"

اُس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھ کر۔ ''تمھیں دیکھنا چاہتا تھا کہ میری پاگل بہن کیسی ہے۔''

''اب مجھے کچھ نہیں ہونا زندگی جو بچ گئی ہے۔

ورنہ کہاں بچنا تھا۔'' سالک کو دیکھتے ہوئے حسینہ کے لہجے میں اک عجیب سا درد تھا جیسے بہت تھکی ہوئی ہو۔ اب مزید نہیں چلنا چاہتی۔

''اب میں ٹھیک ہوں گھر چلتے ہیں۔''

سب چپ ہو گئے مگر انشال سالک کی طرف دیکھتے ہوئے۔ ''اِن سے پوچھ لیتے ہیں اگر یہ اجازت دیتے ہیں تو۔''

بڑے آرام سے سالک۔ ''جیسے حسینہ کی مرضی۔''

لفظ حسینہ سالک کے منہ سے حسینہ کو بہت اچھا لگا۔ اُس کو لگا ابھی وہ اُس کی ہی ہے۔ خوش ہو کر۔

''جتنا اللہ نے مجھے دیا ہے شکر ہے اُس کا۔ اور کی خواہش نہیں ہے۔''

اُس کو اُس کے گھر والے لے گئے تو سالک اُسی بیڈ پر لیٹا ہوا خود سے۔ ''میں تو سمجھا تھا کھڑے ہونے کی جگہ دوں گا تو لیٹ ہی جائے گی۔ مگر وہ ایسی نہیں جو دو اُس پر قناعت کر لیتی ہے۔ ایمپریسو۔ جو بھی اِس کے نصیب نے اِس کو دیا اُس پر شکوہ نہیں کرے گی۔ اب مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اِس کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ نے سب سے پہلے مجھ سے اِس کے بارے میں پوچھنا ہے۔''

سب لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو حسینہ۔ ''ابو! آپ تاشہ کا رشتہ سارب سے کر دیں وہ سارب سے محبت کرتی ہے۔ ویسے بھی بہت اچھی ہے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں تم سارب سے پوچھ لو۔''

ہنس کر سارب۔ ''تمھیں پسند ہے تو مجھے بھی پسند ہے۔''

''امی! آپ بتائیں۔'' ماں کی طرف دیکھتے ہوئے حسینہ۔

''بیٹا! گھر کی بیٹی ہے ہم سب کو خوشی ہوگی۔''

اُس کا ماتھا چومتے ہوئے ماں جی۔ ''میری بیٹی کی پسند ہم سب کی پسند ہے۔''

خوش ہو کر رادیہ۔ ''ہم کب رشتہ مانگنے جائیں گے۔''

''پہلے مجھے انشال کی کرنی ہے پھر ہم سارب کا رشتہ طے کریں گے۔''

اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کلثوم بیگم۔ ''امی! میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔ آپ لوگ کل ہی رشتہ مانگنے چلے جائیں۔ میرا تو ارادہ ہے آپ اِن دونوں کی بھی رخصتی کر دیں۔''

پھر باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے۔ ''ابو! میں بھی سالک بھائی کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔''

حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے عبدالرحمٰن۔ ''بیٹا! تم بھی۔''

''جی ابو! میں بھی اپنی حیثیت کے مطابق حصہ ڈالنا چاہتا ہوں۔ میں سالک بھائی سے اتفاق کرتا ہوں جو جو کر سکتا ہے وہ تو وہ کرے۔ اگر حسینہ عمر بھر اُن کا انتظار کر سکتی ہے۔ وہ دوسروں کی آگ میں کود سکتے ہیں۔ تو پھر میں کیوں نہ اپنا حصہ ڈالوں۔''

''بیٹا! تمھاری بات میں وزن ہے حسینہ اُس کشتی میں سوار ہوئی ہے جس کا کوئی کنارا نہیں ہے۔ اِس لیے سب کو بہادر بنا دیا ہے بتایا ہے۔

نتائج کی پرواہ کیے بغیر چلو۔

جاؤ بیٹا۔

میں تم کو نہیں روک سکتا۔ تم لوگوں کی بہن نے سب کے لیے دروازے کھول دیئے ہیں۔''

پھر ماں کی طرف دیکھتے ہوئے۔ ''ماں جی آپ کیا کہیں گی۔''

''بیٹا! نیک کام ہے جانے دو۔'' پھر کلثوم بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے۔

''ایک بات کہوں گی۔ انشال کے جانے سے پہلے دونوں بیٹوں کو رخصت کر دو۔''

''امی یہ شادیاں سادہ ہوگی۔ وہی پیسہ آپ بے بس لوگوں کی امداد کے لیے دے دینا۔''

فٹ سے دونوں شمامہ اور رادیہ۔ ''جی امی ابو۔ یہ ہم نے ہی انشال بھائی سے کہا تھا۔''

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے تو پہلے ہی کہا ہے حسینہ نے سب کو بدل دیا ہے سب کی

سوچ کا انداز بدل گیا ہے۔"

بیوی کی طرف دیتے ہوئے عبدالرحمٰن۔"کل جا کر سارب کا رشتہ طے کر دیتے ہیں پھر اِس کا بھی اِن کے ساتھ آگے پیچھے کر دیں گے۔

دیکھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں۔

مگر وہاں پر بھی سالک ہے وہ بھی سادگی کا کہیں گے۔"

"بیٹی! تم شمامہ اور رادیہ کے سسرال والوں کو بدھ کو بلا لو۔ اُن سے کہہ دینا جمعہ کو آ کر چند لوگوں کے ساتھ نکاح کر کے لے جائیں۔ وہ ولیمہ چاہے جتنا مرضی بڑا کریں۔"

"جی ماں جی! کل ہی فون کرتی ہوں۔"

دونوں تاجیل اور اپنے باپ عثمان سانگھڑ کو اکٹھے بیٹھے دیکھ کر سالک۔"ابو! میں نے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

"کہو۔"

"ابو! میں نے اپنے حصے کی جائیداد حسینہ کے نام کرنی ہے۔"

خوش ہو کر عثمان سانگھڑ۔"بہت اچھا اور دانش مندانہ فیصلہ ہے۔"

"ابو! جتنے دن حسینہ ہمارے گھر رہی ہے میں نے دیکھا ہے وہ تو کسی سے کچھ کہنے والی نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے سب اُس کو رکھ کر بھول جائیں گے۔ صاحب مال ہو گی تو سب اُس کی عزت کریں گے۔ ورنہ تو وہ کچل دی جائے گی۔ اُس نے تو اپنا درد کسی کو بتانا بھی نہیں۔ اُس وقت کسی کو نظر آنا بھی نہیں۔"

"درست بیٹا! میں کل ہی وکیل کو بلا کر کاغذی کارروائی کروا دیتا ہوں۔"

پھر بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے سالک۔"بھائی! آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں۔"

"بالکل بھی نہیں۔ تمھاری چیز ہے جس کو مرضی دو۔ میرا تو خیال ہے صحیح حقدار کو دے رہے ہو۔"

اُس کے کندھے کو تھپتھپا کر تاجیل۔"گڈ صحیح لائن پر ہو۔"

خوشی خوشی تاجیل اپنے کمرے میں گیا تو اُس کو دیکھ کر زرمین۔ ”اتنے خوش خزانہ مل گیا ہے۔“

”سالک نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ اِس لیے خوش ہوں۔“

”حسینہ کو طلاق نہ دے کر۔“

”نہیں...... حسینہ کو محفوظ ہاتھوں میں دے کر۔“

”مطلب۔“

”مطلب یہ کہ اُس نے اپنے حصے کی جائیداد حسینہ کے نام کر دی ہے۔“

اُس کو ناگوار گزرا۔ ”اتنا بھی اچھا فیصلہ نہیں۔ جس پر آپ چھلانگیں لگا رہے ہیں۔“

”میں نے کہا تھا نا۔ جو تم آج اُس کے لیے ہمدردی دکھا رہی ہو۔ کل کو تم کو ہی وہ بوجھ لگنی ہے۔ اِس کو ابھی وقت بھی نہیں گزارہ اور تمھارا رویہ بدل گیا۔“

خود کو قابو کرتے ہوئے۔ ”نہیں...... نہیں...... میرا مطلب ہے اچھا فیصلہ ہے۔ اُس کو یہی کرنا چاہیے تھا۔ مگر کچھ آپ کا بھی خیال رکھنا چاہیے تھا۔“

ہنس کر تاجیل۔ ”میرا کیا خیال کرے۔ میں خود صاحب حیثیت ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“

”وہ بھی کوئی فقیر نہیں ہے۔“

کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے۔ ”بجا فرمایا۔ آپ کی عقل کو سلام۔“

اچانک عبدالرحمٰن فیملی کو دیکھ کر عثمان سانگھڑ اور نفیسہ بیگم بہت خوش ہوئے۔ نفیسہ بیگم نے ملازمہ کو چائے کے لیے اشارہ کیا تو کلثوم بیگم۔ ”ہم تو مٹھائی کی اُمید لگا کر آئے ہیں۔“

”کیوں نہیں بھابی مٹھائی بھی حاضر ہے۔“

”امی! آپ لوگ بات کریں۔ میں سالک بھائی سے مل کر آتا ہوں۔“

”جاؤ...... جاؤ...... جاؤ......“

بڑے پیار سے ماں جی۔ ”عثمان بیٹا! آج ہم سوالی بن کر آئے ہیں۔ اگر تم نے مراد پوری کر دی تو ہمارا رشتہ اور مضبوط ہو جائے گا۔“

''ماں جی آپ سوال نہیں حکم کریں۔''

''ہم تاشہ کو سارب کے لیے مانگنے آئے ہیں۔''

خوش ہو کر عثمان سانگھڑ۔ ''یہ ہماری خوش قسمتی ہو گی کہ ہمارا جو دوستی کا درخت ہل رہا ہے۔ وہ ایک مرتبہ پھر مضبوط ہو جائے گا۔''

مزید اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نفیسہ بیگم۔ ''اِس سے زیادہ اور ہمیں کیا چاہیے۔''

جیسے ہی سالک نے انشال کو دیکھا انشال بڑے تپاک سے۔ ''السلام وعلیکم''۔

گرم جوشی سے سالک۔ ''وعلیکم السلام! آؤ......آؤ......کافی دن سے تمھارا انتظار کر رہا تھا دل تمھیں یاد کر رہا تھا۔''

''آپ کے دل نے یاد کیا اور میں حاضر۔

پھر کب جا رہے ہیں۔''

''دو ہفتوں تک۔ کچھ ادھورے کام ہیں جیسے ہی وہ پورے ہوتے ہیں۔ صرف ان کا انتظار ہے۔''

''مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔

اکیلے بور ہو جائیں گے۔''

''یہ سچ ہے کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ لیکن میں تم کو مجبور نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی یہ کام دل سے کرنے والا ہے۔''

''تو پھر دل کہہ رہا ہے۔ انسانیت کی اِس خدمت میں مجھے بھی حصے دار بنائیں۔''

اُس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے سالک۔ ''تم بھی اُس سے متاثر ہو گئے ہونا۔

وہ ہے ہی ایسی۔ سب کو بدل دے گی۔

ویسے وہ اب کیسی ہے؟''

''پہلے سے بھی زیادہ پروقار۔''

''گڈ۔ اس کو بتانا مت کہ میں نے اُس کے بارے میں پوچھا ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''تا کہ وہ کوئی اُمید نہ لگائے۔ میرا ایک کام کرو گے۔''

''ضرور......ضرور......بس حکم کریں۔''

اُس کے کان میں سالک نے کچھ کہا۔ ساتھ ہی تاکید کی۔ ''کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہیے۔''

''بے فکر ہو جائیں۔ سمجھ لیں ہو گیا۔''

''تم اکیلے ہی آئے ہو۔''

''او۔ نو۔ میں تو بھول ہی گیا۔ ہم کس مقصد کے لیے آئے ہیں۔ آپ لاؤنج میں تشریف لائیں۔ سب آئے ہیں۔''

دونوں لاؤنج میں آنے لگے۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ سالک اور انشال بھی پہنچ گئے تھے۔ ماں جی۔ ''ہم شادی جلدی اور سادگی سے کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہماری سات نسلوں میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ مگر اب سب بدل گیا ہے۔ فیصلہ بھی بدلے ہوئے وقت کے مطابق کیا گیا ہے۔''

بڑے ادب سے عثمان۔ ''ماں جی اعتراض کی تو گنجائش ہی نہیں۔''

پاس سے سالک۔ ''صرف آپ کی اور ہماری فیملی ہوگی نکاح اور ساتھ ہی رخصتی۔''

''یہ تو سب طے ہو گیا ہے۔ نفیسہ بیٹی! اب تاشہ کو تو بلاؤ۔''

پاس بیٹھی زرمین سے کلثوم اور نفیسہ۔ ''جاؤ اُس کو لے کر آؤ۔ اور مٹھائی تو بھابی آپ نے گاڑی سے نکلوائی تھی۔''

''جی بھابی۔'' نفیسہ بیگم خوش ہوتے ہوئے۔

اتنی دیر میں زرمین تاشہ کو لے آئی۔ ماں جی نے اُس کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنے کنگن اُتار کر تاشہ کو پہنائے۔ کلثوم بیگم نے مٹھائی کھلائی اور عبدالرحمٰن نے پیسے اُس کے ہاتھ پر رکھے ساتھ مٹھائی کھلائی۔ سالک کو الگ لے جا کر تاجیل سالک سے۔ ''تم صرف اُس کو رخصت کر کے گھر لے آؤ۔''

''اگر گھر لے آیا تو وہ صرف میری بن کر رہ جائے گی۔

میں نہیں چاہتا وہ میرے لیے اپنی زندگی روک دے۔

میری خواہش ہے وہ اپنی زندگی کو آگے لے کر جائے۔

میں اُمید کرتا ہوں یہ بات یہاں پر ہی ختم ہو جائے گی۔''

وہ واپس آئے تو ماں جی۔ ''تاجیل بیٹا! آگے جمعہ کو شادی کیسی ہے۔''

''بہت مناسب ماں جی۔''

وہ لوگ گھر پہنچے تو سب بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ماں جی نے بتایا جمعہ کا دن مقرر ہوا ہے۔ پاس بیٹھی حسینہ جاننا چاہتی تھی اُس کا بھی پوچھا گیا یا نہیں۔ مگر اُس میں ہمت نہ تھی۔ اُس کے دل کی بات رادیہ نے پوچھ لی۔ کیونکہ وہ اُس کے دل کی ہر بات جانتی تھی۔ اُس کے بن کہہ سمجھ جاتی تھی۔

''امی! سالک بھائی نے حسینہ کا پوچھا۔''

وہ جانتی تھی بیٹی کا دِل ٹوٹ جائے گا مگر پھر بھی دل پر پتھر رکھ کر کلثوم بیگم۔ ''وہ بھلا کیوں پوچھے گا۔ وہ تو جا رہا ہے۔

اُس نے تو اپنی طرف سے رشتہ توڑ دیا ہے۔

یہ رشتے کی ڈور تو صرف اِس کی طرف سے ہے۔''

دل میں حسینہ۔ ''رادیہ تُو نہ ہی پوچھتی تو

کم از کم اُمید رہ جاتی۔ اُس کا دل مجھے یاد کرتا، نہیں تو کوئی بات نہیں میرا تو کرتا ہے۔ وہ جیتا رہے یہ ہی کافی ہے۔''

اُس کو سوچتے دیکھ کر ماں جی۔ ''کیا ہوا میری شہزادی۔'' اُس کا ماتھا چوما اور گلے لگایا۔

اگلے دن شمامہ اور رادیہ کے سسرال والے آئے، تاریخ مقرر ہوئی۔ گھر میں شادیوں کی تیاری ہونے لگی۔ زیورات بنوائے گئے۔ جوڑے بنوائے گئے۔ شادیاں سادی تھیں مگر پُر وقار تھیں۔ نکاح کر کے عبدالرحمٰن نے بیٹیوں کو رخصت کر دیا۔ اُن کو رخصت کرتے وقت ماں جی، عبدالرحمٰن اور کلثوم بیگم کا دل حسینہ کو دیکھ کر پھٹ رہا تھا۔ حسینہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر۔ ''اللہ بیٹیاں دے تو اُن کے

نصیب بھی اچھے دے۔" ماں جی تو حسینہ کو گلے لگائے پیار کیے جا رہی تھیں۔ کلثوم بیگم دبی آواز میں رو رہی تھیں۔ سارب اور انشال کا بھی دکھ ہر ایک کو دکھائی دے رہا تھا۔ مگر کسی کے بھی پاس حل نہ تھا۔ سب مجبور تھے۔ انشال تو اندر چلا گیا۔ زور زور سے روتے ہوئے۔ "اچھوں کے ساتھ ہی ایسا کیوں؟" آنسو صاف کرتے ہوئے۔ "اے رب! اور اس کے نصیبوں میں کتنا صبر ہے۔ اِس کو کچھ ملے گا بھی یا نہیں۔ پاگل ایسے راستے پر چل پڑی ہے۔ جس کی کوئی منزل بھی نہیں۔ چلو! کوئی بات نہیں، سب اِس کے ساتھ ہیں۔"

سب عثمان سانگھڑ کے گھر آگئے تھے کیونکہ اُس نے بہت اصرار کیا تھا۔ بیوٹیشن تاشہ کو تیار کر رہی تھی تو زرمین حسینہ سے۔ "تم بھی زندگی میں پہلی مرتبہ تیار ہو جاؤ۔ تا کہ وہ بھی دیکھتا رہ جائے۔ اُس کے ذہن پر ایسا نقشہ بنا دو۔ جسے وہ چاہ کر بھی بھلا نہ سکے۔ اتنا تو اُس کے لیے کر دو۔"

"دیکھنا تو دور کی بات اُس نے تو نظر بھی نہیں ڈالنی۔"

سب تاشہ، شامہ اور رادیہ اصرار کرنے لگیں تو وہ بھاگ کر ماں جی کے پاس آگئی اور دبک کر اُن کے ساتھ بیٹھ گئی۔ لیکن زرمین بھی پیچھے ہی آگئی۔ "ماں جی اِس کو کہیں کے تیار ہو جائے۔"

"ہو جاؤ نا! ایک مرتبہ اُس کو بھی تو پتہ چلے کہ تم حور سے کم نہیں ہو۔"

"اُس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے میری مزید تذلیل پسند نہیں۔"

"اچھا! چلو میری خاطر ہو جاؤ۔ لے جاؤ زرمین اِس کو۔" اُس کا ہاتھ زرمین کے ہاتھ میں دیتے ہوئے۔ اور وہ اُسے لے گئی۔

بیوٹیشن سے۔ "اِس کو ایسا تیار کرو کہ کبھی کسی کو نہ کیا ہو۔"

وہ اُس کو تیار کرنے لگ گئی۔ تیار کرتے ہوئے۔ "یہ تو بہت خوبصورت ہیں، نقوش تو بہت اچھے ہیں۔ آپ دیکھیے گا، سب دیکھتے رہ جائیں گے۔"

وہ تیار کر کے چلی گئی تو زرمین۔ "اب میں اُس کو بھیجتی ہوں۔ تم لوگ اِس کو مت جانے دینا۔ اُس کے آتے ہی تاشہ تم بھی چلی جانا۔ اِس کو تھوڑی دیر باتوں میں لگا کر رکھنا۔ تا کہ وہ نظر بھر کر دیکھ بھی

لے۔سب تیار ہو۔میں جا رہی ہوں۔مشن پر۔"

وہ جانے لگی تو تاشہ نے اُس کو پکڑ لیا۔زرمین سیدھی جا کر سالک کو لے آئی حالانکہ وہ تاجیل سے باتیں کر رہا تھا۔آنا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔اُس کو دیکھ کر حسینہ نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف منہ کر لیا۔تو شیشے میں وہ صاف دکھائی دینے لگی۔تاشہ سامنے بیٹھی تھی اُس کا منہ دروازے کی طرف تھا۔سالک کا منہ شیشے کی طرف۔تاشہ پیار سے سالک سے۔"آ کر محبت سے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا بھی نہیں دی۔میں نے سوچا، میں ہی زبردستی بلا کر پیار لے لوں۔" حسینہ کی دلفریب خوبصورتی اُس کی آنکھوں میں اُتر رہی تھی۔اُس کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھا اور تاشہ کے سر پر پیار دیتے ہوئے۔"صدا خوش رہو۔زندگی کی ہر خوشی دیکھو" منہ اُس کا شیشے کی طرف تھا۔مگر اُس نے مڑ کر نہ دیکھا۔نہ دیکھنا بھی اچھا تھا کیونکہ اس طرح شیشہ اُس کو دکھا رہا تھا۔اُس کو بھی لگ رہا تھا کسی کو محسوس نہیں ہو رہا وہ بھی آنکھوں کے راستے دل میں اُتار رہا تھا۔وہ جانے لگا تو تاشہ۔

"حسینہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔ہم باہر جا رہی ہیں۔آپ بات کر لیں۔"

اُس کی طرف منہ کر کے حسینہ۔"مجھے کچھ نہیں کہنا۔"

اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے، وہ نروس ہونے کی وجہ سے ہاتھ مل رہی تھی۔اُس کی یہ حالت کسی کے بھی دل کو ہلا سکتی تھی۔

"پھر تاشہ نے کیوں کہا۔" ساتھ ہی کھسیانی سی ہنسی چہرے پر۔

"پتہ نہیں۔"

"لیکن مجھے تو کہنا ہے۔" سنجیدگی سے سالک۔

"کیا۔"

"زندگی جیو۔میرا انتظار مت کرنا۔

ہو سکتا ہے میں وہاں شادی کر لوں۔

تم بھی کر لینا۔جب چاہو کوٹ سے طلاق لے لینا۔"

لفظ طلاق نے دوبارہ اُس کے سوکھے دریا کو بہادیا۔ پانی نے اُس کا کاجل بہا کر اُس کی گالوں کو بتادیا پھر سیلاب آگیا ہے۔ مگر اُس کے بہتے ہوئے کاجل کی پرواہ کیے بغیر وہ وہاں سے چلا گیا۔

اُس کے جاتے ہی وہ بھاگ کر اندر آئیں تو اُس کے بہتے ہوئے کاجل کو دیکھ کر شامہ۔ ''کہا تھا نا! ایسا نہ کرو۔

کیوں اُس کے زخموں کو کریدتی ہو۔

وہ پتھر کا بت ہے جس پر کوئی دستک کا اثر نہیں۔''

انھوں نے اُس کو گلے لگالیا۔ جب دریا تھما تو رادیہ۔ ''کوئی بات نہیں انھوں نے تعریف نہیں کی تو، تم خود کو دیکھو! حور لگ رہی ہو۔ خود کو خود دیکھ کر خوش ہو جاؤ۔''

''کیا فائدہ ہوا اِس حسن کا جو پیا نہ بھایا۔''

اتنے میں باقی سب خواتین بھی آگئیں تو ماں جی دیکھ کر۔ ''آج تم کو نظر نہ لگ جائے۔''

''مجھ جیسی کو کہاں نظر لگتی ہے۔

کبھی محبت کی آنکھ کے علاوہ دیکھیں تو پتہ چلے۔

کتنی عام سی لڑکی ہوں۔''

نکاح ہوا پھر سارب اور تاشہ کو اکٹھے بٹھایا گیا۔ وہاں سب اکٹھے تھے سالک چوری چوری اُس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھ کر آنکھ کے پانی کو نہ روک سکی۔ صاف کرنے لگی تو نظر اُس پر پڑی، اُس نے نظریں دوسری طرف کرلیں۔ وہ آنسو چھپانے کی کوشش میں تھی۔ اور وہ اُس کو دیکھنے میں۔ سب اپنے آپ میں مصروف تھے۔ سارے جوڑے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور خوش بھی تھے۔ اُس کے آنسو دیکھ کر خود سے۔ ''یار! چپ ہی رہنا'' پھر خود کو جواب دیتے ہوئے۔ ''سچ میں۔ تم بڑے سنگ دل ہو۔ وہ روتی تم کو اب اچھی لگ رہی ہے۔ آنسو چھپا رہی ہے مگر ناکام۔ میرے تک تو درد کے ساتھ پہنچ رہے ہیں۔'' جا کر اُس کے پاس کھڑا ہوا تو وہ وہاں سے چلی گئی۔ کیونکہ اُس کو لگا اب پھر کوئی ایسی بات کرے گا جو اَب وہ سہہ نہیں سکتی۔ بہتر ہے وہ سنے ہی نہ۔

سب باتیں کر رہے تھے تو تاجیل سالک سے۔"وہ اتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔ پھر بھی تمھارے دل کو کچھ نہیں ہوا۔"

"کیوں میں انسان نہیں ہوں۔"

"پتھر کے بت ہو۔"

"تو پھر سمجھ جائیں وہ بت شکن ہے۔"

"اگر اُس نے دراڑ ڈال دی ہے تو ہاتھ پکڑ کر ایک مرتبہ اُس کو اپنے اور اُس کے ایک ہونے کا احساس دلاتے جاؤ۔ بتاؤ کہ تم اور وہ ایک ہو۔"

"میرا ضمیر مجھے اجازت نہیں دیتا۔"

وہ جانے لگا تو سالک۔"اگر میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا تو سمجھو! پا لیا۔ پھر کسک کیسی۔ اِس کسک کی تو قربانی دینی ہے۔ آدھی ادھوری چیزیں تو کسک ہیں۔"

"بہت برا اُس کے ساتھ کر رہے ہو۔ تم کو بھی پتہ ہے وہ انتظار کرے گی زندگی آگے نہیں بڑھائے گی۔ پھر بھی ایک لمحے کی بھی خوشی نہیں دے رہے۔"

جاتے جاتے تاجیل۔"اُس پر ترس نہیں آتا۔ سنگ دل۔"

وہ خاموش رہا۔ اُس کو کھڑا چھوڑ کر مایوس ہو کر تاجیل چلا گیا۔

☆......☆......☆

پھولوں کی سیج ہر لڑکی کا خواب ہوتی ہے۔ اگر یہ سیج من پسند ہو تو اُس سے زیادہ خوش قسمت کون ہو گی۔ اُس کو تو دنیا میں ہی جنت مل جاتی ہے۔ تاشہ کو بھی آج سارب کا کمرہ جنت کا گمان دے رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھی جیسے ہی سارب نے دروازہ کھولا اُس نے جھٹ سے سر نیچے جھکا لیا۔ سارب اُس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ اُس کو غور سے دیکھنے لگا۔ اُس کو وہ آج نئی نئی لگ رہی تھی، اُس کی جھکی ہوئی نظریں اُس کو اپنے حکمران ہونے کا احساس دلا رہی تھیں۔ اُس نے اُس کا ہاتھ پکڑا تو شرم سے وہ سمٹ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سارب۔"بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔"

پھر مسکرا کر۔ ''میں تو گمان بھی نہیں کر سکتا تھا تم بھی شرماؤ گی۔ تمھاری جھکی جھکی نظریں میری حکمرانی کا پتہ بتاتی ہیں۔''

''آخر کو میں بھی ایک لڑکی ہوں۔ آپ تو ہمیشہ سے میرے پر حکمرانی کر رہے تھے، پتہ آپ کو آج لگا ہے۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنا فرمانبردار پائیں گے۔''

''تم چاہے میری ایک نہ ماننا۔ صرف ایک درخواست ہے حسینہ کی بہن بن کر رہنا۔ میں تمھارا ہی بن کر رہوں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

''آپ بھی بے فکر ہو جائیں۔ میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔''

اُس کو اپنی اہمیت جتانی نہیں آتی تھی ہمیشہ پیچھے پیچھے رہتی تھی۔ اِس لیے آج بھی وہ سب سے پیچھے کھڑی تھی۔ سالک اور انشال سب سے باری باری مل رہے تھے۔ مقصد نیک تھا مگر پھر بھی سب کے چہروں پر اُداسی تھی۔ سب کو اندیشہ تھا، پتہ نہیں اِن کے ساتھ کیا ہوگا؟ پتہ نہیں دوبارہ مل بھی پائیں گے یا نہیں؟ وہ کھڑی دیکھ رہی تھی کہ سالک اُس کی طرف دیکھے، مگر اُس نے بھی نہ دیکھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ انشال اُس کے قریب آیا تو اُس کے سر پر محبت اور شفقت کا ہاتھ پھیرا، گلے لگایا پھر سارب کو بازو سے پکڑ کر اُس کے قریب لا کر۔ ''یہ تمھاری ذمہ داری ہے لاک اپ میں رکھ کر بھول مت جانا۔ کوشش کرنا یہ زندہ میں سے ہو۔ اگر لوٹ آیا تو تم سے لوں گا ورنہ قیامت والے دن پوچھوں گا۔'' اُس کے لہجے میں حسینہ کے لیے درد تھا۔

''بھائی! میں خود کو تو بھول جاؤں مگر اِس کو نہیں بھولوں گا۔''

پھر وہ ماں سے ملا۔ جو اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور تھی اور اُس کی آنکھوں میں پانی تھا۔ یہ پانی بتا رہا تھا وہ اُس کے لیے فکر مند ہے۔ ماں جی نے اُس کا اور سالک کا ماتھا چوما اور دُعا دی۔ ''خدا تم لوگوں کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔'' پھر دونوں کو نصیحت کرتے ہوئے۔ ''خدمت میں اپنے اور غیر میں فرق مت کرنا۔ اللہ کو یہ پسند نہیں۔ تم لوگوں نے یہ دیکھا ہوگا، چاہے کوئی مانے یا نہ مانے وہ سب کو نوازتا اور بے شمار نوازتا ہے۔

اور بیٹا! جان رکھو انسان نہ شکرا ہے۔ کوئی بھی مشکل آئے، چاہے جتنی بھی بڑی ہو صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا۔ تم اللہ کرو ہمیشہ ساتھ پاؤ گے۔"

اُن میں خلوص تھا۔ اِس لیے دونوں پر اُن کی باتوں نے اثر کیا۔ وہ دور کھڑی سالک کی ایک نظر کی منتظر تھی۔ مگر وہ بھی نہ ڈالنے پر بضد تھا۔ التجا بھری نظروں سے دل میں۔

"یار جانی جاتے جاتے ایک نظر مجھے بھی دیکھ لو۔"

مگر وہ کہاں دیکھنے والا تھا، اُس پر اُس کے زبان کے الفاظ اثر نہیں کرتے تھے۔ وہ اُس کے دل کی آواز پر کہاں جواب دینے والا تھا۔ مگر ایک اوپر بھی ہے جس سے جب صدقے دل سے درخواست کی جائے تو فوراً جواب دیتا ہے۔ جیسے ہی حسینہ کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور رب کے حضور پہنچے تو اُس نے نظر اُٹھا کر حسینہ کو دیکھا، آنسو موتی بن کر اُس کی گال پر تھے۔ گلے تو وہ باپ کے لگا ہوا تھا۔ مگر آنکھیں اُس کی حسینہ کے چہرے پر تھیں۔ اِن موتیوں نے سالک کے دل کو بھی گرمایا۔ اُس میں تڑپ پیدا ہوئی اور سالک کی آنکھیں بھی جھلک پڑیں۔ مگر اِس سے پہلے حسینہ دیکھتی اُس نے نظریں نیچے کر کے آنسو روک لیے اور ہاتھ سے جو تھوڑا پانی باہر آیا تھا صاف کر لیا۔

خود سے۔ "کتنی پاگل ہے اِس کو کون سمجھائے۔" اُس کے آنسو کی آج طاقت تھی کہ سالک کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد دوبارہ دیکھنا پڑ رہا تھا۔ اُس کا ہاتھ پکڑ کر تا جیل اُس کو حسینہ کے پاس لے گیا۔ "یہ بھی تمھاری کچھ لگتی ہے۔" خود اُن سے دو جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ بولنے لگا تو حسینہ ہاتھ جوڑ کر بہتی آنکھوں سے۔ "پلیز ایسا کچھ مت کہنا جو میرے دل کو چیر دے۔ اب مجھ میں اور ہمت نہیں۔ میں ہار گئی اور تم جیت گئے ہو۔"

اُس کی کانپتی آواز اور لرزتے ہاتھ سالک سے۔ "مان لو کہ تم بھی سنگ دل ہو۔"

وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہ گیا اور کچھ بول نہ پایا۔ خود سے۔ "اچھا ہوا اِس نے روک لیا ورنہ میں نے پھر کوئی جھگ مارنی تھی۔ جس نے اِس کے دل کے چھید پھر سے کھول دینے تھے۔ مجھے چپ ہی رہنا چاہیے یہی بہت ہے۔"

اُس کو روتا چھوڑ کر سالک جا کر ماں کے گلے لگا۔ پھر ڈرائیور کے ساتھ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو گئے۔

اُن کے جانے کے بعد سارب نے حسینہ کو پکڑا اور ماں جی کے پاس لے آیا۔ ماں جی نے اُس کو پیار کیا۔ ''کیوں روتی ہو اُس کو دعا دو۔ نیک کام کے لیے گیا ہے۔''

''مجھے اُس کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔ مگر جب بولتا ہے تو اُس کے الفاظ میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ اُن سے جو درد اُٹھتا ہے وہ میری آنکھوں کو بہا دیتا ہے۔''

☆......☆......☆

کاغذات جیسے ہی تاجیل نے امر کی طرف بڑھائے تو اُس نے اُس کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا پھر۔ ''یہ کیا ہے؟''

''اِس گھر اور گاڑی کے کاغذات۔''

لاپرواہی سے لیتے ہوئے امر۔ ''اب کیا کرنا ہوگا۔'' اُن کا ہاتھ سے وزن کرتے ہوئے۔

''کام کافی بڑا معلوم ہوتا ہے۔''

''بیوی بن کر گھر میں رہنا ہے۔''

اُس نے دو مرتبہ آنکھیں بند کی پھر کھولیں۔ ''تمھاری نبض تو چل رہی ہے۔ یا پھر میں خواب دیکھ رہی ہوں۔''

''نہ تو خواب ہے یہ اور نہ ہی میری نبض میں مسئلہ ہے۔''

''پھر یہ کیوں۔''

''اک سنگ دل عورت کا مقام بتا گیا ہے۔''

''اتنا بڑا کام کرنے والا اور سنگ دل۔ یہ نہیں ہو سکتا۔''

''بس ہے نا۔''

پھر بے یقینی کا شکار ہوتے ہوئے امر۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا۔ یقیناً کوئی نہ کوئی کام ضرور ہوگا۔ اور

اِس مرتبہ بڑا ہوگا۔"

"کہا نا! بیوی بن کر گھر کی چار دیواری میں رہنا ہے تم کو۔ ہر ماہ گھر کا خرچ تم کو مل جائے گا۔"

اُس کی آنکھیں بہنے لگیں۔ "مجھے اِس رونے کی سمجھ نہیں آ رہی۔"

"کیونکہ تم عورت نہیں ہو۔"

"تم عورتوں کو بات بات پر رونا اِس لیے آتا ہے کیونکہ تم لوگ عورت ہو۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"یہ آنسو بے بسی کی علامت ہیں۔"

"مطلب! تم عورتیں بے بس ہوتی ہو۔"

"جی ہاں۔ ہم اُس گھوڑے کی مانند ہیں جس کی لگام جس کے ہاتھ میں ہے، اُس کی مرضی پر چلتا ہے۔ تم مرد اپنی مرضی سے راستے پر چلتے ہو اور ہم اپنے مالک کی مرضی سے۔ دل نہ بھی چاہے کبھی رو کر اور کبھی ہنس کر۔"

"پہلی مرتبہ تم مجھے بے بس لگی ہو۔ ورنہ تو اتنے رعب اور وثوق سے بات کرتی ہو کہ لگتا ہے دوسرے ناچتے ہیں تمھارے اشاروں پر۔"

"یہ بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ اپنی بے بسی کو چھپانے کا۔ تا کہ ہم بھی چار دن سانس لے سکیں۔ ورنہ تم مرد ہمیں جینے دو۔ سوچ کر بتاؤ؟"

اُس کی تصدیق کرتے ہوئے تاجیل نے سرنفی میں ہلایا۔

"اُس سنگ دل کا اللہ بھلا کرے۔ جو مجھے باعزت زندگی دے گیا۔ میرا تو پور پور اُس کو دعا دے گا۔ اُس کے حصے کے کانٹے میری زندگی میں آ جائیں اور پھول اُس کو مل جائیں۔"

"اک انجان کے لیے اتنی دعا۔"

"تم کیا جانو؟

عورت کے لیے عزت کیا ہے۔"

''پتہ چل گیا ہے۔ تمھارے رویئے سے۔''

''بس تم کو اپنے خاندان میں نہیں لے جا سکتا۔ باقی سب میرے دوست احباب یہاں تک کے گھر والوں کو بھی پتہ ہوگا۔ تم میری بیوی ہو۔ میں تم کو اور زرمین کو برابر عزت دوں گا۔''

خوش ہو کر امر۔ ''رب کرے اس سنگ دل کو وہ بھی مل جائے۔ جس کی اس نے خواہش بھی نہ کی ہو۔''

ٹیبل پر حسینہ کے سامنے عثمان سانگھڑ نے کاغذات رکھ دیئے۔ وہ اُن کو اور کاغذات کو دیکھنے لگی۔

''لو بیٹا! یہ تمھاری چیز ہے۔ میں تو صرف قاصد ہوں۔''

اندر سے ڈرتے ڈرتے اُس نے لفافے کو ہاتھ لگایا اور پھر ڈر کر پیچھے کر لیا۔ ''مجھے طلاق نہیں چاہیے۔''

''یہ طلاق نہیں جائیداد کے کاغذات ہیں۔ وہ تمھارے نام کر گیا تھا۔ اُس نے کہا تھا اُس کے جانے کے بعد دیئے جائیں تا کہ تم انکار نہ کر سکو۔''

''انکل! میں اِن کا کیا کروں گی۔ میرے پاس سب کچھ ہے۔''

''بے شک سب کچھ ہے۔

یہ بات اُس کو بھی پتہ تھی، مگر وہ چاہتا تھا تم باوقار زندگی جیو۔ کسی کی محتاج نہ ہو۔''

پاس بیٹھی ماں جی۔ ''تم اِن کو لوگوں کی بھلائی کے کاموں پر استعمال کر سکتی ہو۔ وہ لوگوں کا علاج کرنے گیا ہے۔

تم لوگوں کی ضروریات پوری کرو۔

اِس طرح دونوں کا حصہ ڈل جائے گا۔''

کاغذات پکڑتے ہوئے حسینہ۔ ''یہ اچھا ہے۔ اِس بہانے مجھے بھی زندگی گزارنے کا مقصد مل جائے گا۔ مصروف بھی ہو جاؤں گی۔''

''خیر مصروف تو تم پہلے بھی بہت ہو۔ ہر وقت تم ہوتی ہو اور کیمیکل۔''

''ماں جی! ڈبل کام کروں گی تو سوچنے کا موقع کہاں ملے گا۔''

''جو مرضی کرو بیٹی۔ ہم سب تمھارے ساتھ ہیں۔ تم ہماری بہو نہیں بیٹی ہو۔''

''انکل! مجھے پتہ ہے آپ تو میری خاطر اُس کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔''

''یار تم نے میری بیٹی کو سب کچھ دے دیا ہے۔ تم سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔'' اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے عبدالرحمٰن۔

مزید اظہار تشکر کا اظہار کرتے ہوئے کلثوم بیگم۔ ''شکریہ بھائی۔ اتنی عزت دینے کا۔ زمیندار اپنی جائیداد تو بیٹیوں کو مشکل سے دیتے ہیں اور آپ نے بہو کو دے دی ہے۔''

''میں نے نہیں۔ اُس نے اپنا حصہ دیا ہے۔''

''آپ روک بھی سکتے تھے لیکن یہ آپ کا ظرف ہے۔''

''آپ کا اظہار تشکر مجھے منکسر کر رہا ہے۔''

''بیٹی! برا مت ماننا، ایک اور بات جو اُس نے کی تھی وہ یہ کہ اگر تم زندگی شروع کرنا چاہو تو میں تمھارا ساتھ دوں۔ اِس لیے میں تیار ہوں۔ اگر ایسا موقع آئے تو تم مت ہچکچاہٹ محسوس کرنا۔ زندگی شروع کر لینا۔''

''انکل! یہ بات میں نہیں کرنا چاہتی۔''

''کوئی بات نہیں۔ پھر بھی تمھارے پاس پورا پورا حق ہے۔''

اُس کو غور سے دیکھتے ہوئے سارب۔ ''تاشہ! یہ سالک بھائی کیا ہیں۔ ساری دنیا ہی حسینہ کو دے گئے ہیں۔ اپنے پاس کچھ نہیں رکھا۔ اگر لوٹے تو خالی ہاتھ ہوں گے۔''

''ان کو اِس کی پرواہ نہیں۔''

''ایک اور بات۔''

اُس کو دیکھتے ہوئے تاشہ۔ ''وہ کیا۔''

''حسینہ کو زندگی آگے بڑھانے کا بھی حق دے گئے ہیں۔ عظیم انسان ہیں۔ صحیح اللہ نے جوڑی بنائی ہے۔ ایک ہیرا تو دوسرا موتی۔''



چونکہ نفیسہ بیگم کا خاندان سمجھتا تھا کہ انھوں نے حسینہ کو اُس کا کوئی حق نہیں دیا اِس لیے اِن کا اُس پر کوئی حق بھی نہیں۔ بڑی ہچکچاہٹ سے نفیسہ بیگم۔ ''بھابی! ہم حسینہ کو کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر لے جائیں۔'' روکتے ہوئے۔ ''صرف چند دنوں کے لیے۔''

''آپ کی امانت ہے جب چاہو لے جاؤ۔''

پاس بیٹھا تاجیل بڑے ادب سے۔ ''آنٹی! میں حسینہ کو محرک کے طور پر لینا چاہتا ہوں۔ یہ ہمارے ساتھ رہے گی تو میرے دل میں وہ محرک پیدا ہوگا جس کی بنیاد چبھن سے بنی ہوگی۔ پھر میرے پاس پیش کرنے کے لیے کرب سے جنم لینے والے الفاظ ہوں گے۔ پھر آپ جانتی ہیں۔ اِن الفاظ کا دلوں پر کیسے اثر ہوتا ہے؟''

''بیٹا! ہم نے تو کوئی سوال ہی نہیں کیا؟''

آنسو جو نفیسہ بیگم کی آنکھوں سے بہنے والا تھا اُس کو صاف کرتے ہوئے۔ ''لے تو ہم تب ہی جائیں گے جب سالک آئے گا۔ ورنہ ہم اِس کو کسی بھی قسم کا پابند نہیں بنانا چاہتے۔''

اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی کے لیے۔ ''بھابی! بھروسہ کریں اللہ پر سب اچھا ہوگا۔''

''آنٹی! اگر سالک آتا ہے تو پھر حسینہ پر ہم اپنا حق ضرور جتائیں گے ورنہ ہمارا کوئی حق نہیں۔''

''جیسے بیٹا تم لوگوں کی مرضی۔''

ماں کے کہنے پر حسینہ نے اپنے کپڑے بیگ میں رکھے اور نوکر اُٹھا کر گاڑی میں رکھنے لے گیا۔ ماں جی سے گلے ملی تو ماں جی کے بھی آنسو نکل آئے۔ ''وہ دن بھی آئے سالک تم کو لے جائیں اور ہم خوشی خوشی رخصت کریں۔''

اُن کے چہرے کو دیکھ کر۔ ''سہیلی! تم جیسے بہادر لوگ بھی روتے ہیں۔ تمھارا بے جا صبر روتا ہے۔ جب سے ہوش سنبھالی ہے صبر ہی کیے جا رہی ہو۔ میری ماں کی طرح۔ مجھے پتہ ہوتا تمھارے نصیب بھی میری ماں کی طرح ہوں گے تو کبھی بھی اُن کے نام پر تمھارا نام نہ رکھتی۔''

ماں جی کے آنسو صاف کرتے ہوئے حسینہ۔ ''میرے اپنے نصیب اُن کے اپنے تھے۔ آپ کا

کوئی قصور نہیں۔"

وہ اُن کے ساتھ آ گئی۔ حسینہ کی اُجڑی ہوئی زندگی۔ آگ لگانے کے لیے صرف چنگاری تھی۔ اُس کو دیکھ کر تاجیل سمیت سب گھر والوں کے دل میں درد کی لہر دوڑتی تھی۔ اُس کر و دیکھ کر سمجھ آتا تھا جیتے جی مرنا کیا ہوتا ہے۔ خوشی اُس سے کوسوں دور تھی۔ ہنسنا تو دور کی بات وہ تو مسکرانا بھی بھولی ہوئی تھی۔ ہر آہٹ پر چونک جاتی تھی۔ جیسے کچھ برا ہو جائے گا۔ اچھا تو سوچنا وہ بھول گئی تھی۔ مگر پھر بھی اُس میں اُمید کی ایک کرن باقی تھی۔ جس کو وہ وقتاً فوقتاً پانی دیتی رہتی تھی تا کہ یہ کرن بجھنے نہ پائے۔ کیونکہ یہ کرن اُس کے جینے کے لیے لازم تھی۔ اُس پر تاجیل کی نظر پڑی تو اُس کے سر پر پیار دے کر آگے بڑھا۔ مگر ساتھ ہی اُس کے کرب نے اُس کو بتایا اُس کے لیے ہر خوشی پھیکی ہے۔ خود سے تاجیل۔

"لڑکی نہیں صبر کا پہاڑ ہے، کسی سے کوئی شکوہ نہیں۔ بس خود میں ہی رہتی ہے۔"

سب ناشتہ کر رہے تھے تو چوکیدار جو نیا آیا تھا بولا۔ "کوئی سالک نامی شخص آیا ہے، کہہ رہا ہے تاجیل صاحب سے ملنا ہے۔"

لفظ سالک سننا تھا تو حسینہ نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، دوڑی اُس کا پاؤں صوفے سے لگا ٹھوکر کھائی اور گر پڑی۔ سر سیدھا میز پر لگا وہ شیشے کی تھی۔ ماتھے سے خون بہنے لگا۔ مگر پھر بھی خود کی پرواہ کیے بغیر۔

"مجھے چھوڑیئے۔ وہ اتنی مشکل سے آیا ہے اور یہ پاگل اُس کو باہر روکے ہوئے ہے۔"

"بیٹی! تاجیل دیکھتا ہے۔"

"بھائی تو آہستہ جا رہے ہیں۔ وہ تھکا ہوگا۔"

"امی! آپ بس دو منٹ اِس کو پکڑ کر رکھیں میں ابھی آیا۔"

وہ جلدی سے گیا اور پھر دو منٹ میں ہی واپس آ گیا۔ خون بہہ رہا تھا۔ زرمین اور نفیسہ بیگم کاٹن سے صاف کر رہی تھیں۔

"وہ سالک ہی تھا نا۔" تاجیل کے بولنے سے پہلے۔

"وہ فیکٹری مینیجر تھا کام کے لیے آیا تھا۔"

''بیٹا! اِس کا خون نہیں رُک رہا ہسپتال لے جاؤ جلدی سے۔'' اتنی دیر میں خون سے اُس کا منہ بھر گیا تھا۔ وہ اُس کو پٹی کے لیے لے گئے۔

اُس کی اِس حالت نے تاجیل کو ساری رات بے چین رکھا۔ اِس سے اُس کو فلسطین کے لوگوں کی بھی حالت کا اندازہ ہوگیا جو روز روز اپنے پیاروں کو کھوتے ہیں۔ سارے اپنے بچوں کو تڑپتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اُس کو اندازہ ہوا اپنوں کا درد کیا ہوتا ہے؟ کیسے دل کو چیرتا ہے؟

دو دن میں سلامتی کونسل کا اجلاس تھا۔ وہ بھی پاکستان کی طرف سے فارن منسٹر کے طور پر نمائندگی کے لیے پہنچ گیا۔ درد تو اُس میں بھرا ہوا تھا پھر اُس نے وہ الفاظ بولے جو گگی والا ہی بول سکتا تھا اور سب کے لیے لمحہ فکریہ تھا۔

To day, my worth pursuing and pains taking goal is without discriminaton of colour, creet and religion, only humanity. When we talk about humanity than we must mention great humantarian Hazrat Muhammade. What a beutiful pratical example Muhammad gave to treat humanity on the occasion of conquest of Makkah, peace for all those who closed others' homes door and not confronted. Abyssinian King Najashi refused to return Muslim due to humanity.

Thought-provoking point is that tretment with children and women in Gaza is that humanity. Don't think that fire is burning other's home if this fire catches your home and incinerates them so that's why we have to think now.

My vision is to persuade and struggle to create the optimal condition for palestinian survival, security and prosperty if we have to

become well versed in the life, we have to follow the esteemed prophete war rules.

* No killing of children and women.

* No killing of elderly and sick person.

* Exercising patience even during war.

* leaving the monks and those in places of worship alone.

* No destrucion of property, cultivated lands and crops.

* No uprooting or burning of green and fruit-bearing trees.

* No theft or robberry in the guise of war.

* Avoiding destruction to an inhabited places.

(آج میرا قابل قدر اور درد لینے والا مقصد رنگ ونسل اور مذہب کی تفریق کے بغیر صرف انسانیت ہے۔ جب ہم انسانیت کی بات کرتے ہیں تو ہمیں عظیم انسان دوست حضرت محمدe کا ذکر ضرور کرنا چاہیے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت محمدe نے انسانیت کے ساتھ سلوک کرنے کی کیا خوبصورت عملی مثال دی، ان تمام لوگوں کے لیے امن ہے جنھوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کیے۔ اور سامنا نہیں کیا۔ حبشی بادشاہ نجاشی نے انسانیت کی وجہ سے مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کردیا۔

فکر انگیز نکتہ یہ ہے کہ غزہ میں بچوں اور عورتوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے وہ انسانیت ہے۔ یہ مت سوچیں کہ آگ دوسروں کے گھر کو جلا رہی ہے۔ اگر یہ آگ آپ کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے کر انھیں جلا دے تو ہمیں اب سوچنا ہوگا۔

میرا وژن فلسطینیوں کی بقاء، سلامتی اور خوشحالی کے لیے بہترین حالات پیدا کرنے کے لیے قابل بنا کر کرنا جدوجہد کرنا ہے۔

اگر ہمیں زندگی میں باشعور بننا ہے تو ہمیں نبی کریم e کے جنگی اصولوں پر عمل کرنا ہوگا۔

☆ بچوں اور عورتوں کا قتل نہیں۔

☆ بوڑھے اور بیمار افراد کا قتل نہیں۔

☆ جنگ کے دوران بھی صبر سے کام لینا۔

☆ راہبوں اور عبادت گاہوں میں رہنے والوں کو چھوڑنا۔

☆ جائیداد، کاشت شدہ زمینوں اور فصلوں وغیرہ کی کوئی تباہی نہیں۔

☆ ہرے اور پھل والے درختوں کو اکھاڑنا یا جلانا نہیں۔

☆ کسی آباد جگہ کو تباہی سے بچانا۔

Pitiful condition of women and children. A ray of hope in the childrens eyes is forcing them to look to us, now our duty not to let this ray of hope sink.

I appeal to all powerful countreis and islamic countries to help them before their hope is last.

(عورتوں اور بچوں کی قابل رحم حالت بچوں کی نظروں میں اُمید کی کرن انھیں ہماری طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اِس اُمید کی کرن کو بجھنے نہ دیں۔

میں طاقتور ملکوں اور اسلامی ملکوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان کی مدد کی جائے اُن کی اُمید ختم ہونے سے پہلے۔

☆......☆......☆

اپنی اُمید کے جلتے بجھتے دیئے کو روشن رکھنے کے لیے حسینہ دوسروں سے اِس میں تیل ڈلوانے کے لیے ماں جی سے۔

”سہیلی! میرا سالک آئے گا تو میں دلہن بن کر چلی جاؤں گی۔ تُو تو اکیلی رہ جائے گی۔“

مگر ماں جی اُس کے دیئے کو تیل دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ اُس کی ہر اُمید کو ختم کرنا چاہتی تھیں۔

''مجھے نہیں لگتا وہ آئے گا۔ تیرا انتظار صرف انتظار رہ جائے گا۔ بہتر نہیں تم اپنی زندگی آگے بڑھاؤ۔''

''سہیلی! چاہے تو میری اُمید کی آخری کرن کو بھی دبا دے۔ پھر بھی میں قیامت تک انتظار کروں گی۔''

تین سال بعد۔

بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے دوسروں کی زندگی میں کھلبلی مچانے کی۔ اُن کو دوسروں کی سیدھی سیدھی زندگی اچھی نہیں لگتی۔ حالانکہ وہ خود کو بڑے عقل مند سمجھتے ہیں شمامہ بھی یہی کچھ کر رہی تھی۔

''ماں جی! میرے گھر میں پارٹی ہے آپ سب تو آئیں گے ساتھ میں حسینہ کو بھی ضرور لے کر آنا۔''

پاس سے کلثوم بیگم۔ ''وہ نہیں آنے والی، اُس کا لیب میں کام ختم ہو تو کہیں آئے جائے۔''

اُس کے پیار میں رادیہ۔ ''وہ خود کو مصروف رکھتی ہے تو آپ سب کو کیا مسئلہ ہے۔''

اپنی سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شمامہ۔ ''ہم اُس کو اِس طرح جیتے نہیں دیکھ سکتے۔ اگر سالک بھائی نے آنا ہوتا تو اب تک آ چکا ہوتا۔ نہیں آیا تو مطلب وہ نہیں آئے گا۔''

اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے رادیہ۔ ''انشال بھائی نہیں آئے تو وہ بھی نہیں آئیں گے۔''

جلدی سے کلثوم بیگم۔ ''منہ اچھا نہ ہو تو بات تو اچھی کر لیا کرو۔''

''پھر مان لو اُس کا بھی سالک آئے گا۔

مت اُس کے دل کو ٹھیس پہنچایا کرو۔''

وہ بولتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں، حسینہ جو لیب میں کام کر رہی تھی اُس کے گلے لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس کا ماتھا چومتے ہوئے حسینہ۔ ''کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو؟''

''بس ویسے ہی دل بھر آیا تھا۔''

دونوں ہاتھوں سے اُس کے چہرے کو پکڑتے ہوئے۔''تم اب کیوں نہیں روتی؟ کیوں پتھر کی ہوگئی ہو؟

روکر رب کو بتاؤ کہ میں اُس کے انتظار میں ہوں اور تھک گئی ہوں۔ ہمت بھی نہیں رہی۔

اب اگر حساب کرو تو تقریباً بیس سال ہوگئے ہیں۔

مطلب بیس صدیاں ہوگئی ہیں۔''

''تم مت رو۔ دیکھو؟

مجھے بھی رونا نہیں آتا۔

سب کو سب کہنے دو۔

میں بھی تو سن رہی ہوں تم بھی سنو۔

وہ ضرور آئے گا اُس کو آنا ہوگا۔''

سب ضد کر کے حسینہ کو پارٹی میں لے گئے۔ وہ چلی گئی ہمیشہ کی طرح سادی ہی۔ اِس پارٹی میں رادیہ اور وہ ساتھ ساتھ رہیں۔ کیونکہ رادیہ اب بھی اُس سے بہت پیار کرتی تھی۔ اُس کو ہر جگہ ہاتھ کا چھلا بنا کر رکھتی تھی۔ پارٹی میں ایک لڑکا مسلسل حسینہ پر ہی نظریں جمائے ہوئے تھا وہ لوگ جہاں جہاں جاتیں وہ ان کے ساتھ ساتھ جاتا۔ مگر دور سے دیکھتا تھا۔ جب اُس کی بس ہوگئی تو ویٹر کے ساتھ رادیہ اور حسینہ کے پاس پہنچ گیا۔ کولڈ ڈرنک اُٹھا کر۔'' آپ کے لیے۔''

''نو تھینکس! اِس کی ضرورت نہیں۔''

اِس دوران شامہ اور افنان بھی آ گئے۔ بڑے تپاک سے شامہ۔''یہ دونوں میری بہنیں ہیں۔ یہ حسینہ اور یہ رادیہ۔''

''نام کی طرح حسین ہیں۔''

پھر رادیہ اور حسینہ سے۔''یہ افنان کے دوست ابسان ہیں۔''

پہلے جواب نہ ملنے کے باوجود ابسان۔ ''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''

مگر پھر بھی حسینہ خاموش رہی۔ وہ باتیں کرتے رہے مگر حسینہ نے ان میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ کیونکہ اُس کے لیے کوئی انسان کوئی معانی نہ رکھتا تھا سوائے سالک کے۔

اگلے دن ہی شامہ پہنچ گئی۔ سب بیٹھے ہوئے تھے تو۔ ''ابو! افنان کا دوست ہے وہ حسینہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''تم نے اُس کو بتایا کہ وہ شادی شدہ ہے۔''

''جی ابو! میں نے اُس کو ساری کہانی بتادی ہے۔ بس آپ ہاں کریں تو وہ لوگ کل ہی آنے کو تیار ہیں۔''

رشتے کا سن کر کلثوم بیگم اور ماں جی خوش تو ہوئیں مگر ساتھ ہی چپ ہوگئیں۔ پاس بیٹھا سارب۔ ''اس سے بھی پوچھ لو۔ وہ قبول کرتی ہے کہ نہیں۔''

خاموش بیٹھی تاشہ سب سن رہی تھی مگر اندر سے دل اُس کا بھی ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اُس کے بھائی کی نشانی ہے، حسینہ کو دیکھ کر اُس کو یہ احساس رہتا تھا وہ آئے گا مگر وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ اُس کی زندگی میں بھی بہار آئے۔ اِسی دوران رادیہ بھی آگئی۔

بڑے جوش سے شامہ۔ ''بڑے اچھے موقع پر آئی ہو۔ حسینہ کے لیے رشتہ آیا ہے۔ وہی کل والا افنان کا دوست۔ تم تو اُس سے ملی بھی ہو۔''

''اِس سے کیا فرق پڑتا ہے میں اُس سے ملی ہوں یا نہیں۔ تم سب کو پتہ ہے وہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔ پھر کیوں اُس کے زخموں کو کرید کرید کر اُن پر نمک چھڑکتے ہو۔''

غصے سے شامہ۔ ''دنیا میں تم ہی اُس کی واحد ہمدرد نہیں، ہم سب بھی اُس کے دشمن نہیں۔ ہم صرف اور صرف اُس کی اچھی زندگی چاہتے ہیں۔''

''تو مت چاہو۔ اُس کو صرف جینے دو۔''

دونوں بہنوں کی لڑائی کو ختم کرتے ہوئے سارب۔ ''اُس کو بلاؤ۔ وہ خود فیصلہ کرلیتی ہے۔''

اُٹھ کر رادیہ گئی اور حسینہ کو لے کر آئی تو شامہ۔ ''وہ افنان کا دوست ہے جو کل تم سے ملا تھا۔ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''مجھے نہیں کرنی۔ مزید یہ کہ میں اِس ٹوپک پر بات نہیں کرنا چاہتی۔ پچھلے تین سالوں سے میں انکار کر کے تھک گئی ہوں، مگر آپ لوگ نہیں تھکتے۔ اب مزید نہیں۔''

بس اتنا کہہ کر وہ چلی گئی۔ سب چپ ہو گئے۔ عبدالرحمٰن ''بیٹا! اُس کو مزید تنگ نہ کرو۔ وہ تھک چکی ہے۔''

''ٹھیک ہے ابو۔ اگر وہ ملنا چاہے اور خود حسینہ کو منا لے اِس پر تو آپ سب کو کوئی اعتراض نہیں۔''

''بیٹا! کسی کو کیا اعتراض ہو گا۔'' بڑے پیار سے کلثوم بیگم۔

''ابو! وہ آ کر ایک مرتبہ حسینہ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''بیٹا! جب مرضی آئے۔''

چند دن گزرے تھے کہ ابسان خود آ گیا۔ وہ لیب میں کام کر رہی تھی وہاں اُس کے پاس چلا گیا۔

''میں یہاں سے گزر رہا تھا سوچا آپ سے مل لیتے ہیں۔ ویسے آپ کی لیب بہت اچھی ہے۔''

سخت لہجے میں حسینہ۔ ''آپ جہاں سے بھی گزرتے ہیں وہاں کے سب لوگوں سے ملنے چلے جاتے ہیں۔''

کرارے جواب کے باوجود ڈھٹائی سے ابسان۔ ''خاص لوگوں سے ملا جاتا ہے۔''

''لیکن میں کسی اور کی ہوں۔''

''اگر وہ ہوتے تو میں کیسے آتا۔''

''آپ کی نظر کا دھوکا ہے، ورنہ وہ یہاں پر ہی ہیں۔''

''لگتا ہے آپ مصروف ہیں۔ میں پھر آؤں گا۔''

''مجھے لگتا ہے اِس کے بعد آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ شکل سے تو سمجھدار لگتے ہیں۔''

''مجھے اِس معاملے میں سمجھداری نہیں چاہیے۔''

''کہانا! اب آپ کو ضرورت نہیں۔''

''یہ تو وقت بتائے گا۔''

وہ دو دِن بعد پھر آ گیا۔ وہ اُس کو دیکھ کر۔ کیمیکل ملنے لگی اور اُس کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ اب وہ وقتاً فوقتاً آنے لگا تھا۔ حسینہ تو اُس کو منہ نہ لگاتی تھی۔ مگر اُس نے سب کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ ماں جی سے تو اُس کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ دونوں گھنٹوں گھنٹوں باتیں کرتے رہتے تھے۔ ماں جی نے اُس کو سالک اور حسینہ کی ساری کہانی تفصیل سے سنا دی تھی۔ اُس کے دل میں حسینہ کے لیے اور زیادہ محبت اور عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔

پھر ایک دن سورج چڑھا تو تاجیل انشال اور ایک لڑکی سائرہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔ انشال کو تو دیکھ کر کلثوم بیگم سکتے میں آ گئی۔ وہ اُس کو دیکھتی جا رہی تھی۔ انشال نے آگے بڑھ کر ماں کو گلے لگایا۔ کلثوم بیگم کے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ بیٹے کو چومتی جا رہی تھی پھر بولی۔ ''تاشہ، سارب سب آؤ دیکھو تو کون آیا ہے۔''

سب بھاگے بھاگے آئے۔ جیسے ہی انشال نے عبدالرحمٰن کو دیکھا بھاگ کر باپ کے گلے لگ گیا۔ اتنی دیر میں سارب اور تاشہ بھی آ گئے۔ انشال سارب سے بھی ملا اور تاشہ کے سر پر پیار دیا۔

''امی! حسینہ کہاں ہے؟''

''لیب میں وہاں اُس کو کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔''

''سارب! اُس کو لے کر آؤ۔''

سب بیٹھنے لگ گئے اور سارب حسینہ کو لے آیا۔ حسینہ اُس کو دیکھ کر بھاگی۔ اُس کے گلے لگی پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ آہستہ سے اُس کے قریب ہو کر۔ ''وہ کہاں ہے۔''

اُس کو ٹالتے ہوئے ''اِس سے ملو یہ تمھاری بھابی ہے سائرہ۔''

اُس کا دل گھبرانے لگا۔ التجائیہ لہجے میں حسینہ آنسوؤں کے ساتھ۔ ''پلیز......مت امتحان لو۔

بس یہ بتا دو، وہ کہاں ہے؟''

''تم بیٹھو۔ میں سب بتاتا ہوں۔

بتانے ہی تو آیا ہوں۔ کہانی لمبی ہے حوصلے سے سننی ہوگی۔''

اُس نے حسینہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر بٹھایا۔ اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ سارب کو پانی کا اشارہ کیا۔ وہ بھاگا اور پانی لے آیا۔ اُس نے اُس کو پانی پلایا۔ ابھی وہ حسینہ کو ہی دیکھ رہا تھا کہ یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ تاشہ فیملی رادیہ اور شامہ بھی آ گئیں۔ حسینہ بے ہوش ہوگئی۔ اُس نے اُس کو دوائی دی پھر جب وہ پوری طرح ہوش میں آئی تو پھر بھی وہ سالک کے بارے میں ہی جاننا چاہتی تھی۔ تاشہ، نفیسہ بیگم کا بھی برا حال تھا۔ سارب۔ ''بتائیں نہ کیا ہوا؟''

''بتانے کو بہت کچھ ہے مگر سمجھ نہیں آ رہا کہاں سے شروع کروں۔ گھر سے نکلنے سے شروع کرتا ہوں۔ اِس سفر کے لیے تکلیف یا کوئی اور لفظ استعمال کروں۔ سب مجھے چھوٹے لگ رہے ہیں۔ مگر اِس سفر میں ہم تاجیل بھائی کی کمک کی وجہ سے منزل تک پہنچ پائے۔ ہمارے اور اِن کے ساتھ رابطے کا ذریعہ صرف قاصد تھا۔ جو بہت ایماندار اور بہادر انسان تھا۔ مجھے تو اب سمجھ آئی ہے کہ سیدھے کام بھی کبھی کتنے مشکل ہو جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

گاڑی ڈرائیور کی بجائے تاجیل نے چلائی اور دونوں کو لاہور ایئر پورٹ لے کر گیا۔ چونکہ وہ ایک سیاسی اور بااثر شخص تھا۔ اِس لیے اُس کی پہنچ دور تک تھی ویسے بھی وہ نیک مقصد کے لیے کام کر رہا تھا۔ اِس لیے تاجیل میں جوش بھی زیادہ تھا وہ اُن دونوں کے لیے سیڑھی بنا تھا تاکہ اُس کا بھی حصہ اِس کارِ خیر میں ہو جائے۔ وہاں پر اُن کا منتظر پہلے سے ایک آدمی تھا حالانکہ وہ باقاعدہ تنظیم کے ذریعے جا رہے تھے۔ جس کا مقصد فلسطینیوں کی مدد کرنا تھا۔ یہ مصر، ترکی کے ساتھ تعاون سے کام کر رہی تھی۔ تاجیل دونوں کے ساتھ گلے ملا۔ اُس کو سالک کی نظروں میں ایک ذمہ داری اُس کے حوالے کرنے کے حوالے سے سوال تھے جو وہ بولنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر تاجیل کو سمجھ آ رہی تھی۔ اُس کے کندھے پر ہاتھ

رکھ کر۔ ''تم بے فکر رہو۔''

دونوں کو آدمی اندر لے گیا۔ جہاز میں بیٹھے تو انشال۔ ''بھائی! آپ نے یہ سب کیسے کیا۔''

''یہ کچھ مشکل نہیں، نیٹ پر بہت سی تنظیمیں ہیں جو فلسطین کے لوگوں کے لیے کام کر رہی ہیں۔ کچھ بین الاقوامی ہیں اور کچھ دوسری جیسے اے پی ایف پی (امریکن فیڈریشن آف رحم اللہ فلسطین، سیو دا چلڈرن، پاکستان اسلام میڈیکل ایسوسی ایشن، پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن، الخدمت فاؤنڈیشن اور بہت سی ہیں۔ صرف ہم نے اپلائی کرنا ہوتا ہے باقی وہ سب خود کر دیتے ہیں۔ میں نے تاجیل بھائی سے ذکر کیا تو پھر انھوں نے اِن کے ممبر سے مل کر سارے انتظامات کر دیئے۔''

''تاجیل بھائی تو بڑے کام کے ہیں۔''

''وہ تو ہیں۔ لیکن تم مجھے بتاؤ میرے کام کا کیا ہوا؟''

اُس نے تصویر نکال کر سالک کے ہاتھ پر رکھ دی۔ جو پاسپورٹ سائز کی تھی۔ تصویر میں حسینہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اُس نے تصویر کو بٹوے میں لگا لیا۔

''آپ کہیں تو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ سالک بھائی۔''

''کسی کو پتہ تو نہیں چلا۔''

''کیسے پتہ چلتا۔''

''اُس کو تو نہیں بتایا۔''

''بالکل بھی نہیں۔'' سالک کے منہ کی طرف دیکھ کر انشال۔

''مگر کیوں۔''

''تاکہ اُس کی زندگی میری وجہ سے مت خراب ہو۔''

''وہ تو ہونی ہے آپ سو جتن بھی کر لیں۔ وہ کسی اور کی ہونے والی نہیں۔ جتنے رشتے اُس کے لیے آئے ہیں شاید ہی کسی لڑکی کے لیے آئے ہوں گے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اب کیسے ہو گی۔''

''پھر بھی میں نے اپنا فرض پورا کیا۔''

سفر یوں باتوں میں گزر گیا سفر آرام دہ تھا۔ اس سے تو لگ رہا تھا فلسطین جانا خالہ جی کے گھر جانے کے مترادف ہے۔ بہر حال مصر پہنچ کر اُن کو تھوڑی دیر ہوٹل میں قیام کرنا پڑا تا کہ آگے کے لیے تیار ہوں۔ پھر رفع بارڈر پر لے جایا گیا۔ کیونکہ یہ غزہ تک جانے کا آسان راستہ تھا۔ رفع بارڈر سے غزہ صرف بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ دونوں طرف سخت پہرہ تھا کوئی چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ ہر طرح کی امداد بند تھی۔ کنٹینرز کھڑے تھے جن پر کھانے پینے کا سامان اور دوائیاں تھیں۔ مگر کسی کو بھی اجازت نہ تھی کہ وہ پار جاسکیں۔ سب جنگی قیدیوں کی طرح کھڑے تھے۔ سالک خود سے ’’لگ رہا ہے ہم جنگی قیدی ہیں پتہ نہیں کس کے ساتھ کس وقت کیا ہو جائے۔ یہ تو وہی حال ہے آگے کنواں پیچھے کھائی۔‘‘ کھڑے کھڑے دوپہر سے شام ہوگئی تھی ابرار نے بہت کوشش کی کہ ہم کو جانے دیا جائے۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جو سینہ چیرتے ہوئے آر پار ہو رہی تھی۔ کچھ لوگ تو گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے مگر سالک اِس ٹھنڈ میں کھڑا دوسروں کی تکلیف کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انشال اُس کے ساتھ تھا۔ وہ سالک کو اپنا سب کچھ مان چکا تھا۔ جب تھک گئے اور کچھ نہ ہوا تو مجبوراً اُن کو واپس گاڑی میں جا کر بیٹھنا پڑا جس کا درجہ حرارت قدرے بہتر تھا۔ خود سے سالک ’’اپنے ساتھ انشال کو بھی مشکل میں ڈالا ہے اب یہاں پتہ نہیں کیا ہوتا ہے۔‘‘

اُس کو کھوئے دیکھ کر انشال۔ ’’بھائی کیا سوچ رہے ہیں۔‘‘

’’یہی کہ خود بھی ڈوبا ہوں اور تم کو بھی ساتھ لے کر۔‘‘

’’آپ کے ساتھ میں خوشی سے ڈوبنا پسند کروں گا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آپ کا راستہ دوسروں کی بھلائی کا ہی ہوگا۔‘‘

اِس دوران سالک اور انشال کو اُن لوگوں کی بے بسی اور بے چارگی کا تجربہ ہو رہا تھا۔ یہ بھی کہ قید میں زندگی کیسی ہوتی ہے۔ سونے کا لقمہ بھی زہر لگتا ہے آزاد فضاء میں مٹی کا لقمہ بھی سونا لگتا ہے۔ فوجیوں کا پہرہ موت کے گھنے سائے کی مانند تھا۔ بہر حال دو دن بعد ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے دوسری طرف جانے کی اجازت مل گئی۔ اب بارڈر پار کرنے کے لیے چیک پوسٹ پر پہنچے تو اُن کی چھان بین

شروع ہوگئی۔ اُن کی اچھی طرح تلاشی لی گئی۔ انھوں نے جیسے ہی سالک کا پاسپورٹ دیکھا امریکہ کا نام ہی پڑھ کر اُس کو آگے جانے کا اشارہ کر دیا۔ ایسے جیسے وزیر اعظم کا فون آگیا ہو۔ پھر انشال کی اچھی طرح تلاشی لی۔ پاکستانی لفظ جیسے اچھوت ہو اس کو روک لیا۔ ایک نے اُس کو کپڑے اُتارنے کے لیے کہا تو سالک کے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ملا کی دوڑ مسجد تک اِسی طرح فوراً سالک نے اللہ سے رابطہ کیا۔ ''اے رحیم و کریم رب رحم فرما۔ یہ میری تقلید کرتا آیا ہے'' کہتے ہیں نا سچے دل سے نکلی دعا عرش پر جاتی ہے۔ دوسرا فوراً اس سے۔ ''یہ لوگ ڈاکٹرز کا گروپ ہیں بات پھیل جائے گی۔ ایسا مت کرو۔ پہلے ہی دنیا نے بہت شور مچا رکھا ہے۔'' اُس نے انشال کو آگے جانے کا اشارہ کیا۔ یوں اِس پل صراس سے تو گزر گئے۔

دکھ بھرے لہجے میں انشال۔ ''بھائی امریکہ ہر جگہ چلتا اُس کا تو نام ہی کافی ہے۔

ہمارے ملک کی تو کوئی عزت نہیں۔

ہمارا نام کب ہوگا۔''

''جب ہم اپنی قوم کے لیے جینا سیکھ گئے۔ ورنہ یوں ہی تذلیل ہوتی رہے گی۔ جیسے آج ہم سب مسلمانوں کی ہو رہی ہے۔ کیونکہ ہم نے دوسرے کے لیے جینا چھوڑ دیا ہے۔''

آگے بھی ابرار نے گاڑی کا انتظام کر رکھا ہے۔ گاڑی میں بیٹھ کر وہ غزہ کی طرف چل پڑے۔

مکینوں کے دکھ یا درد کو جاننے کے لیے گھروں کے اندر نہیں جھانکنا پڑا۔ باہر سے ہی دیواریں سب بتا دیتی ہیں۔ تباہ کن علاقے میں پہنچنے سے پہلے ہی سب حال فضا سنا رہی تھی۔ فضا میں بھی سوز تھا۔ جو نہ بھی محسوس کرو پھر بھی زبردستی دل میں اُتر رہا تھا۔ دل میں چنگاری کی آگ لگا رہا تھا۔

اندھیرے میں سالک اور انشال کو ارد گرد کا زیادہ پتہ نہ چلا مگر علاقے کا حال سنانے کے لیے ہوا ہی کافی تھی جو ہر آنے والے کے کان بھر رہی تھی۔ ظلم کی داستان سنا رہی تھی۔ ہوا نے سالک کے کان بھی بھر دیئے۔ وہ آواز دل تک بھی پہنچ گئی۔ سونے کی بجائے سالک بے چین ہو گیا کبھی ایک طرف کروٹ لیتا تو کبھی دوسری طرف۔ اُس کو دیکھ کر انشال۔

''تھکن نے آپ کو کچھ نہیں کہا جو آنکھیں بند نہیں ہو رہی ہیں۔''

''تھکن کے پیغام سے بھی بڑا پیغام ہوا سنا گئی ہے۔

کیا تم تک نہیں پہنچی؟''

''ہوا تو وہاں بھی پہنچ جاتی ہے جہاں کوئی نہیں جا سکتا۔

پھر کیسے ممکن ہے میرے تک نہ آئی ہو۔''

''تو پھر کیا ہوا ہے دل میں۔''

''دل کہتا ہے محلوں سے باہر دیکھا۔

زندگی کس حال میں ہے؟''

''کس حال میں لگی ہے؟''

''جی چاہتا ہے آج ہی قیامت آجائے۔ کیونکہ انسان نے انسان پر ظلم کرنا نہیں چھوڑنا۔''

حیرت سے سالک انشال کو دیکھتے ہوئے۔''میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم چیزوں کو اتنی باریک بینی سے دیکھ رہے ہو۔ اتنی گہری سوچ۔''

''آنکھیں بند بھی کرو تو یہ سب نظر آتا ہے۔ اگر ہم جیسے لوگ محل سے صرف ایک کھڑکی ہی کھول دیں، جو ممکن نہیں۔ وہ تو آپ ہیں جنھوں نے زبردستی اپنے اور ہمارے محل کی کھڑکی کھلوا دی۔ اور ہم نے باہر جھانکا ورنہ یہ سب ہماری ڈکشنری میں نہ ممکن تھا۔ سچ جو بات ہے مجھے تو آج تک یہ بھی پتہ نہیں تھا ٹھنڈی ہوا کیسے جسم کو چیر کر گزرتی ہے۔ حسینہ خوش قسمت ہے کہ اُس کو آپ ملے۔ آپ انسان ہیں۔''

''میرے حساب سے میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے وہ ملی۔ اب چلو دونوں سونے کی کوشش کرتے ہیں پتہ نہیں صبح کیا کیا دیکھنا ہے اور کہاں کہاں سے گزرنا ہے۔''

''آپ کہہ رہے ہیں تو کوشش کرتے ہیں۔''

دونوں سونے لگے۔ سالک نے بٹوا نکالا اک نظر حسینہ کی تصویر دیکھی۔

☆......☆......☆

دل کی بے چینی وہ سب دیکھنا چاہتی تھی جس کی خبر رات میں ہوا نے دی تھی۔ خبر چونکہ سچی تھی لہٰذا راستے خود بخود بنتے گئے۔ ہسپتال چونکہ زیادہ تر تباہ تھے اس لیے کیمپ لگا کر ڈاکٹرز جو دنیا کے کونے کونے سے آئے تھے لوگوں کو بچانے کی اپنی کوشش کر رہے تھے۔ اگر کچھ مارنے پر بضد تھے تو کچھ بچانے پر بھی بضد تھے۔ سالک اور انشال بھی ہسپتال کی بجائے میڈیکل کیمپ میں جا رہے تھے۔ راستے میں ملبے کے ڈھیر تھے۔ یہ ملبہ کہانی سنانے لگا دیکھو مجھے۔ مجھے اینٹوں بجری اور سیمنٹ کا ڈھیر مت سمجھو۔ یہ اینٹیں میرے مکینوں کی ہڈیاں ہیں بجری اُن کے چھوٹے چھوٹے اعضاء سیمنٹ اور ریت ان کے جذبات اور احساسات ہیں جو ریت کی شکل میں بہہ گئے ہیں۔ خون زمین پی گئی کیونکہ اُس کو دکھانے کے لیے کچھ نہیں بچا۔ جس طرح یہ ملبہ دوبارہ کھڑا نہیں ہو سکتا اِسی طرح اِن کے نیچے آیا ہوا خون دوبارہ انسان کی رگوں میں نہیں چل سکتا۔ وہ لوگ دوبارہ نہیں آسکتے۔ صرف مجھے سامنے آنے والے ڈھیر کو مت دیکھو۔ ذرا نظر اُٹھا کر دور تک دیکھو۔ سالک اور انشال نے نظر اُٹھائی تو ڈھیر ہی ڈھیر تھے۔

درد بھرے لہجے میں انشال۔ ”اِس ملبے کو اُٹھانے میں کئی سال لگ جائیں گے۔ گھروں کو بنانے میں بھی لوگوں نے کئی سال لگائے ہوں گے۔ پھر گرانے والوں نے کیوں نہیں سوچا۔“

”کیونکہ اُن کو محنت نہیں کرنی پڑی۔ صرف ڈرون سے ایک بٹن دبایا ہے۔“

”بٹن دبانا کتنا آسان ہو گیا ہے کہ انسان کو دوسرے کی محنت کا اندازہ ہی نہیں رہتا۔ وہ دوسروں کے گھروں کو ملبہ بنا دیتا ہے صرف اپنے فائدے کے لیے۔ اللہ کرے سب بٹن ٹوٹ جائیں اور تلواریں آجائیں۔ کم از کم گھر تو ملبے کے ڈھیر نہیں بنیں گے۔ بچے اور عورتیں اندر محفوظ بیٹھے رہیں گے۔“

”سچ کہتے ہو انشال پہلے جنگ مردوں کی مردوں سے ہوتی تھی مگر اب طاقت ور مردوں سے لڑنے کی بجائے عورتوں اور بچوں سے لڑتا ہے۔ وہ چاہتا ہے گھر کا چراغ ہی گل کر دو تا کہ آگے میرے سامنے آنے والا اِس نسل سے تو نہ ہو۔ وہ مقابلے پر نہیں لڑنا چاہتا وہ خالی میدان چاہتا ہے۔“

”کیا یہ جائز ہے؟“

”جائز اور ناجائز کی بات نہ کرو۔ اِن میں اب لوگ کہاں پڑتے ہیں۔ اِس کا فرق پتہ ہوتا تو تم

کو یہ ملبے کے ڈھیر نظر نہ آتے۔"

"یہ ڈھیر کیا بتاتے ہیں سالک بھائی۔"

"یہ بتا رہے ہیں اِس آباد شہر کو ایک سنسان کھنڈر بنا دیا گیا ہے۔ جس میں بسنے والے سارے والدین اپنے بچوں کے لیے بڑے بڑے خواب بُنے ہوئے تھے۔ بہت سوں کے تو خواب قبروں میں اُتر گئے ہیں۔ جو ایک آدھا بچا ہے وہ خواب پورے کرنے کے لیے خود تو قابل کہاں ہوگا اگلی نسل پر ڈال دے گا۔ جب باغ اُجڑ گئے ہیں تو کچھ کھلے پھول اور کچھ جو کھلنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، سب مرجھا جاتے ہیں۔"

پھر انشال کی طرف دیکھ کر سالک۔ "دعا کرو کچھ پھول بچ جائیں تا کہ پھر سے باغ آباد ہو۔ دشمن کی سب کوششوں کے باوجود۔"

"آمین......ایسا ہی ہوگا۔"

راستے کی دل سوز داستانیں سنتے سنتے کیمپ تک پہنچے۔ وہاں تو کہانی سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ جس کو دیکھو وہی داستان تھا۔ ایک کی سنو تو دوسرے کی بھول جائے۔ کیسے نہ بھولے ایک میں درد ہے تو دوسری میں اُس سے بھی زیادہ۔ اُس درد کو ہم کم کرنا تو ناممکن تھا مگر اُس پر مرہم رکھنے کی فی الحال کوشش کی جا رہی تھی تا کہ وہ انسان مرہم کو محسوس کرے اور اُس کی توجہ ہٹ جائے۔ ایک لڑکی کی حالت بہت خراب تھی، وہ چیخ رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ بہہ کر سوجھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے زخموں سے اٹھنے والے درد کی وجہ سے نہیں چیخ رہی تھیں وہ اپنے پیاروں کی جان جانے کی وجہ سے چیخ رہی تھیں۔ "ان کو روکو وہ سب اندر ہیں۔ خدا کے لیے کوئی تو اِن کو روکے۔ وہ سب اندر ہی مر جائیں گے۔" درد بھری آواز سی پھر ذرا دھیمی لہجے میں۔ "کوئی اِن کو کیوں نہیں روکتا۔ سب بے بس کیوں ہیں...... وہ مر جائیں گے...... میں کہاں جاؤں گی...... اے اللہ...... سب کیوں بے بس ہیں۔ کوئی روکنے والا کیوں نہیں ہے۔" آنسو اُس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

دوسری طرف نظر اُٹھا کر انھوں نے دیکھا نئی داستان تھی۔ کچھ لوگ درد سے کراہ رہے تھے۔

مائیں بچوں کے لیے، بیویاں شوہروں کے لیے رو رہی تھیں۔ بتایا گیا یہ وہ لوگ ہیں جو ابھی حالیہ ڈرون حملہ جو اسرائیل نے کیا ہے اُس کی گواہی دینے کے لیے بچ گئے ہیں۔ اُن کے ظلم کی کہانی سنانے کے لیے۔ اُس لڑکی کی آواز پھر بھی اُن کو آ رہی تھی۔ سالک نے دوسرے ڈاکٹر سے اُس کو کوئی ٹیکہ لگانے کے لیے کہا تو اُس نے جواب دیا ایک نہیں دو دیئے ہیں مگر اثر کچھ نہیں۔

''سالک بھائی! دل کا درد اتنا بڑا ہے کہ جسم پر اور دماغ پر کسی دواء کا اثر کیسے ہو سکتا ہے۔''

یہ سچ ہے دل دماغ کو ہرا دیتا ہے۔ حالانکہ دماغ ہمیں دلائل دے دے کر چپ کرواتا ہے فائدے بھی بڑے بتاتا ہے بات نہ ماننے کے نقصان بھی بڑے۔ سب دلائل کے باوجود دل کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔''

سارا دن سب کا مریضوں کو دیکھنے اور اُن کے درد میں کمی کرنے میں لگ گیا۔ اِس کوشش میں کسی کو کچھ کھانا پینا یاد نہ تھا۔ پھر دوسرے آگے جو تازہ دم ہو کر آئے تھے انشال اور سالک کو کمرے جانا تھا۔ ابھی ابھی کرتے کرتے اُن کو کافی رات ہو گئی۔ جاتے جاتے وہ اُن خیموں کے پاس سے گزرے جو لوگوں کے رہنے کے لیے تھے۔ اِن میں بے بس اور مجبور فلسطینی مقیم تھے۔ یہ پلاسٹک کے تھے ٹھنڈ بغیر روک ٹوک کے آسانی سے اندر آ جا رہی تھی۔ جیسے اسرائیلی فوج آسانی سے فلسطینیوں کی ہستی بستی زندگیوں کو اُجاڑنے آ گئے تھے۔ اُن کا بغور معائنہ کرنے کے بعد انشال۔

''بھائی! یہ خیمے تو مذاق ہیں۔ یہ تو کسی کو بھی نہیں روک سکتے۔ یہ تو اِن لوگوں کو اندر بیٹھے اتنا بھی احساس نہیں دے سکتے کہ ہم تو لوگوں کو گرمائش ہی دے دیں۔''

''یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہیں۔ یہ اِن لوگوں کو احساس دلا رہے ہیں کہ تم لوگ کھلے آسمان کے نیچے نہیں ہو۔ حالانکہ کھلے آسمان تلے ہی ہیں۔''

''یہ ٹھنڈی ہوائیں جو جسم کے آر پار ہو رہی ہیں اِن کو یہ خیمے روکیں گے نہیں۔''

''کہیں سے ایک قطرہ گرے گا تو وہاں سے روکنے کی کوشش کریں گے اتنی دیر میں دوسری جگہ سے گرے گا پہلا سراغ بند ہو جائے گا۔ اِسی جدوجہد میں بارش کا بھی دورانیہ ختم ہو جائے گا۔ چونکہ کہ وہ

حرکت میں رہیں گے جسم کے الیکٹرون حرکت میں ہو گئے جسم گرم رہنے لگا۔ بارش اور اُس کے ساتھ آنے والی ٹھنڈ بھی برداشت ہو جائے گی۔ پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ ہے زندگی کی بقاء۔ جس کے سہارے انسان نے صدیوں کا سفر کیا ہے۔ ورنہ اب تک ختم ہو چکا ہوتا۔''

وہ جا رہے تھے کہ ایک خیمے کے ایک طرف کا پلاسٹک اُڑا تو اندر کا مکین بھاگا اور اُس نے اُس کو پکڑا۔ اُس کے ساتھ ایک رسی بندھی اور دوسرے حصے کے ساتھ باندھ دیا۔ وہ سارا خاندان ایک چارپائی جتنی جگہ پر ایک دوسرے کے ساتھ دبک کر بیٹھے بیٹھے آدھے ایک دوسرے پر لیٹے سو رہے تھے۔ سالک انشال سے۔

''دیکھو! یہ ایک دوسرے کو گرم کر کے زندگی کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ زندگی کو چلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اِن کے گھر چھن جانے کے باوجود۔''

انسان کی اِس کوشش نے انشال کو بقاء کی تھری درست لگی۔ آگے گئے۔ تو ماں بچے کو سردی سے بچانے کے لیے گود میں لیے گرم کر رہی تھی۔ کیونکہ بچہ چھوٹا تھا۔ وہ ماں کی آغوش میں محفوظ تھا۔ اس کو پتہ بھی نہیں چل رہا تھا باہر موسم کیسا ہے۔ سردی انسانوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے۔ اُس کو دیکھ کر انشال۔

''ایک دوسری مثال زندگی کو بچانے کی۔ یہ عورت اِس پھول کے گرد باڑ لگائے ہوئے ہے۔ یہ باڑ اِرد گرد کی آزمائشوں کے آگے ڈھال بن پائے گی۔''

''یہ جو کوشش ہے یہ ہی تو مرکزی نقطہ ہے آگے سے آگے جانے کا۔ اِن لوگوں کے جذبے اِن کو ختم نہیں ہونے دیں گے۔''

خیموں میں مقیم لوگوں کو اور اُن کی کوششیں دیکھتے دیکھتے وہ لوگ چلتے گئے۔ یہ لوگ اُن کے لیے بھی تحریک کا کام کر رہے تھے۔ سارا دن کیمپ میں جو لوگوں کی داستانیں دیکھی تھیں اُس سے جو درد پیدا ہوا تھا اُس پر خیموں کی کہانیوں نے مرہم رکھ دیا۔ یہ خیمے تو صرف نام کے ہی تھے، پلاسٹک لٹکے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے کمرے تک پہنچ گئے۔ لیٹے تو نیند کہاں آنے والی تھی۔ ساری فلم آنکھوں کے سامنے تھی۔ حالانکہ زندگی کی اُمید بھی دیکھی تھی۔ مگر اُمید جن حالات سے نکل رہی تھی وہ دل و دماغ دونوں پر

چھائے ہوئے تھے۔ اِن حالات میں دل چاہ رہا تھا کہ جادو کی چھڑی ہو اور سب کو گھر دیئے جائیں۔ گھر کی اہمیت کا اندازہ اب ہوا تھا۔ لیٹے لیٹے اُٹھ کر انشال۔

"بھائی! گھر انسان کو کتنی آفات سے بچاتا ہے۔ سردی، گرمی، ٹھنڈی اور گرم ہواؤں سے بڑھ کر بارش سے جو سب کچھ اپنے قطروں کے ساتھ بہا لے جاتی ہے۔ انسان چین کی نیند سوتا ہے۔ گھر میں بیٹھ کر بارش رحمت اور لطف اندوز ہونے والی چیز لگتی ہے۔ بے گھر ہونے سے زحمت اور تکلیف دیتی ہے۔ حالانکہ ہے ایک ہی چیز۔ مگر جگہ بدلنے سے اِس کا اثر بدل جاتا ہے۔ کبھی اِس کے آنے پر خوش اور کبھی اُداس۔"

"ایسا ہی ہے۔ گھر کیا ہے کوئی اِن سے پوچھے۔"

دونوں لیٹ گئے انشال اپنے گھر کو یاد کرنے لگا۔ سالک نے حسینہ کی تصویر نکالی تو وہ یادوں میں کھو گیا۔

اچانک حسینہ کو دیکھ کر سالک رُک گیا۔ اُس کو سر سے پاؤں تک دیکھا، پھر میٹھی سی مسکراہٹ چہرے پر لائی اور بولا۔ "تم کو گھر آنے کا خیال کیسے آیا۔ آجاؤ نا! اپنے گھر۔"

شرما کر۔ "کیسے آؤں۔ آپ کے بغیر۔"

اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سالک۔ "اب تمھارے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ سوچ رہا ہوں تمھیں لے آؤں پھر سامنے بٹھا کر دیکھتا رہوں۔ پتہ نہیں سامنے بٹھا کر بھی دل بھرے گا یا نہیں۔ کیا ہو تم...... ایک بار دیکھتا ہوں تو پھر دیکھنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، دل ہے کہ بھرتا ہی نہیں۔"

شرما کر حسینہ نے نظریں نیچے کر لیں تو سالک۔ "تم کچھ کیوں نہیں بولتی۔ تمھارا دل کچھ نہیں کہتا۔ دل چاہ رہا ہے ابھی ہاتھ پکڑ کر لے جاؤں۔"

وہ گھبرا کر تھوڑا پیچھے ہو گئی اور کانپنے لگی۔ "یہ کیا ڈرتی کیوں ہو۔ کھا تو نہیں جاؤں گا۔ کیا بنے گا تمھارا؟"

ہنس کر سالک آگے گیا تو پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ وہاں پر ہی کھڑی تھی۔ شرارت سے۔ "چلی جاؤ ورنہ پکڑ لوں گا، تم کو تو پتہ ہے میں ڈرتا ورتا نہیں ہوں۔"

وہ ایسے بھاگی جیسے وہ سچ میں اُس کو کھا جائے گا۔

☆......☆......☆

رات کو حسینہ کی حسین یادوں کے سہارے سالک نے اپنے آپ کو پرسکون کیا اور یادوں کے ذریعے پیغام دیا کہ وہ اُس کو یہاں بھی نہیں بھولی۔ وہ انشال کو باتوں کے ذریعے پرسکون کرنے کی کوشش کرتا۔ کیمپ گئے تو اُن کو دیر البلح جانے کے لیے کہا گیا۔ وہاں گئے تو پتہ چلا خوراک مہیا نہ ہونے کی وجہ سے اب لوگ مرنے لگے ہیں۔ بچے مختلف بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہسپتال میں قحط کی آوازیں آرہی تھیں۔ زیادہ تر معدے کی درد اور ڈائریا کے ساتھ آرہے تھے۔ اِس وجہ سے صبح سے دس بچے مر چکے تھے یہ تو صرف ہسپتال میں تھا۔ باہر کا تو کسی کو اندازہ ہی نہ تھا۔ لوگوں کی حالت قابلِ ترس تھی۔ مائیں بچوں کے لیے رو رہی تھیں۔ محمد علی کی ماں کو اُس کی موت کی خبر سنائی تو وہ چیخنے لگی۔ پھر جو اِس قحط کی وجہ تھے اُن تک تو اُس کی آواز بھی نہ گئی تھی۔ سارا دن ایسے کئی کیس تھے واپسی پر انشال سالک سے۔

"اب دنیا کو کچھ نظر نہیں آرہا۔ یہ لوگ بھوک سے مر رہے ہیں، چیخ رہے ہیں۔ آواز کیوں نہیں دنیا تک جا رہی۔"

"بے بس لوگوں کی آواز کو پہنچنے میں دیر لگتی ہے۔"

"کب آواز سن کر دنیا آئے گی جب یہ ختم ہوں گے۔"

لوگوں کے خیموں کے پاس سے گزرتے ہوئے انھوں نے سنا۔ ماں بچوں کو دلاسہ دے رہی تھی کہ کھانا آرہا ہے۔ حالانکہ کھانا کہیں سے بھی آنے کی اُمید نہ تھی۔ وہ عربی میں کہہ رہی تھی مگر اُس کی آواز نے سب اِن کو بتا دیا۔ دونوں کے دل اِس بنیادی ضرورت لوگوں کی پوری نہ ہونے پر خون کے آنسو رو رہے تھے۔ اُن کو سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کیا جائے۔ دونوں کمرے میں تھے۔ کھانا اُن کو دیا گیا۔ کھانا دیکھتے ہی اُن کو کھانے کے لیے بلکتے بچے نظر آنے لگے۔ اُن کے رونے کی آوازیں کانوں میں آنے لگی تھیں۔ سالک نے اپنا کھانا سمیٹا اور باہر کو چل پڑا۔ انشال نے اُس کو دیکھا تو اُٹھا کر اپنا کھانا بھی اُس کو دے دیا۔ پھر دونوں آہستہ سے نکل گئے اور جا کر کھانا اُس ماں کو دے دیا۔ کھانے کو لے کر

ماں کی تو جو خوشی تھی بچوں کی اُس سے بھی زیادہ تھی۔ دونوں اِن دل سوز مناظر کو دیکھتے اور خون پی کر سونے کی کوشش کرتے تھے۔ بھوک بڑھتی جا رہی تھی۔ امداد کو چیک پوسٹ پر روک رکھا تھا لوکل مارکیٹ میں کھانے کی چیزیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ سالک اور انشال کو جو پیسے ابرار کے ذریعے تاجیل بھیج رہا تھا۔ وہ وہ کچھ نہ کچھ خرید کر قریب جو اُن کے بچے تھے اُن کو دے دیتے تھے۔ اگر کوئی اکا دُکا کھانے کا ٹرک آتا تو کھانا لینے والوں کی لمبی لائن ہوتی۔ بڑے خود بھوکے رہ کر بچوں کو کھلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہاں پر ایک کک تھا جو اپنی جمع پونجی کو اِس مقصد کے لیے لگا رہا تھا۔ وہ مارکیٹ سے کھانے کا سامان خریدتا، کچھ لوگوں کو جو صرف کھانا بنانے میں اُس کی مدد کرنے کے بدلے صرف کھانا لیں گے۔ ساتھ ملاتا تھا کھانا بنا کر بچوں اور عورتوں کو دیتا تھا کھانا لینے والوں کی قطار صبح سے پہلے ہی لگ جاتی تھی۔ کھانا ختم ہو جاتا تھا مگر لوگ لینے والے نہ ہوتے تھے۔ اُس کی یہ کاوش آٹے میں نمک برابر تھی۔ مگر وہ کر رہا تھا۔ بھوک سے ہلاکتیں بڑھ رہی تھیں۔ اِس آفت کے ساتھ اور کئی آفات تھیں۔

اسرائیلی فوجی جاتے جاتے لوگوں کو اپنی بندوق کا نشانہ بنا لیتے تھے۔ کچھ لوگ جا رہے تھے کہ فوجیوں نے اُن کو پاس بلایا۔ اُن میں سے دو کو گولی ماردی۔ جرم اُن کا اتنا تھا کہ وہ فلسطینی ہیں۔ یہ تو عام ہوتا جا رہا تھا۔ سالک اور انشال جا رہے تھے کہ دو عورتیں اور چار جوان لڑکے جا رہے تھے کہ انھوں نے عورتوں کو تو جانے دیا مگر چاروں مردوں کو گولی سے اُڑا دیا۔ یہ سب دیکھ کر انشال حیرت سے۔

”یہ کوئی اِن سے لڑ رہے تھے یا انھوں نے اِن پر کوئی گولی چلائی تھی۔ پھر یہ سب کیوں۔“

”اِن کے اندر خوف پیدا کرنے کے لیے تاکہ کوئی اِن کے سامنے بولنے کے قابل نہ رہے۔“

”ایک طرف بھوک سے مار رہے ہیں اور دوسری طرف گولی سے۔“

”تاکہ فلسطینیوں کی نسل ہی ختم ہو جائے۔ اسرائیلی اِس سرزمین کے مالک بن جائیں۔“

”ظلم کر کے کوئی مالک بن جاتا ہے۔“

”لوگوں کا یہی فلسفہ ہے باقی رب نے کرنا ہے۔“

”اگر انسان ایسا سمجھتا ہے تو یہ اُس کی بھول ہے۔“

وہ دونوں عورتیں ان پر گر پڑیں اور رونے دھونے لگیں۔ مگر اُن پر اُن کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سالک اور انشال نے آگے بڑھ کر اُن کو دیکھا مگر اب سانس ختم ہو چکی تھی۔

کمرے میں بیٹھے انشال سالک سے۔ ''ہسپتال جاؤ یا کیمپ جاؤ اموات ہی اموات۔ بازاروں میں نکلو تو وہ بھی کوئی خیر کی خبر نہیں دیتے۔ وہاں موت کے سائے منڈلاتے ہیں۔ اچھا بھلا چلتا پھرتا انسان چند منٹ میں موت کی نیند سو جاتا ہے۔ وہ صرف اور صرف اسرائیلی فوجیوں کی ایک گولی کی بدولت۔

بھائی! مجھے تو لگتا ہے وہ موت کی ہولی کھیلنے کی غرض سے بازاروں میں آتے ہیں۔''

''صحیح کہتے ہو وہ تو دوسروں کی زندگیوں کے ساتھ ایسے کھیل رہے ہیں جیسے بچے یگم کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ مجھے تو ان کے سینے میں دل نہیں لگتا۔ قصوروار کو ماریں تو وہ تو بے قصور لوگوں کو بھی گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے ہیں۔''

''یہ لوگ سستے جو ہیں۔ اِن کا مالک جو کوئی نہیں۔''

''اِن کا صبر ضرور رنگ لائے گا۔''

''مگر کب۔''

''اِس کا جواب تو میرے پاس بھی نہیں۔

روز ہسپتال میں کتنے لوگوں کے لواحقین کو سوری کہنا پڑتا ہے اور آتے جاتے گولی سے مرنے والوں کو تسلی۔

یہ کب ختم ہوگا۔

اِس کا جواب لینے کے لیے میں بھی تم سب کے ساتھ کھڑا ہوں۔ منتظر ہوں کہ دنیا کی آواز اُٹھے اور اِن کو رُکنا پڑے۔ اِن کی طرح بے بس ہوگئی۔

کھانے کے لیے قطار میں کھڑے لوگوں کو دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے وہ دن آئے کھانا اِن کے دروازے پر پڑا ہو۔

یہ میری بھی تم سب کی طرح فریاد ہی ہے بس۔''

سوچتے ہوئے انشال۔ ''وہ پرسوں والی عورت یاد ہے۔ کیسے اُس کے دو پھولوں کو یہ لوگ سڑک پر کان پکڑوا کر کھڑا کیے ہوئے تھے پھر چھوٹے کو لے جانے کے لیے کہا۔ مگر اُس نے کتنی فریاد کی بڑے کے لیے یہ نہ مانے اُس کے سامنے بڑے کو گولی ماردی۔ اُس کی حالت اللہ معاف کریں کس قدر بری ہوئی تھی۔''

وہ سوچنے لگی۔ وہ چیخ رہی تھی رو رہی تھی چھوٹے کو سینے کے ساتھ لگائے کھڑی تھی۔ اُس کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ چھوٹا بچہ دبکا ہوا تھا خوف سے اُس کے دانت بج رہے تھے۔ اور آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

ایک فوجی دوسرے سے۔ ''میں نے کہا تھا نہ مارو۔ عورت کی حالت دیکھو۔''

دوسرا۔ ''اپنے ہی دشمن سے ہمدردی۔ مگر کیوں۔''

''اِس لیے یہ بے قصور تھا۔''

وہ اس کو وہاں سے لے گیا تاکہ بات نہ پھیلے۔ ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے سالک۔ ''اُس کو پھول کو اُس نے بیس سال پانی دے کر پروان چڑھایا تھا۔ اُن ظالموں نے اُس کو گل کر دیا۔ کیسا لگتا ہے جب پھول پکنے کے قریب ہو۔ یا پھول کھلنے کے اور اُس کو توڑ دیا جائے۔''

''دل چاہتا ہے توڑنے والے کے ہاتھ توڑ دیئے جائیں۔''

''مگر وہ بے بس ماں تھی اُس کے پھول کو گل کرنے والوں کے پاس پاور تھی اور وہ بے بس مزید براں اُس کے دوسرے پھول کو بھی خطرہ تھا۔ ورنہ وہ اِن ہاتھوں کو توڑ ہی دیتی۔''

اِس پھول کی کہانی سے انشال کو اپنی بہن یاد آگئی۔ بڑے جوش سے انشال۔ ''حسینہ کو پھول بہت پسند ہیں۔ میں اُس کو عید پر یا اُس کی سالگرہ پر پھول ہی دیتا تھا۔''

ہنس کر سالک۔ ''اِس کا مجھے بھی پتہ ہے۔ کیونکہ میری اور اُس کی پہلی ملاقات میں بھی اُس کے ہاتھ میں پھول تھے۔ اگر وہ لیب میں نہیں ہوتی تھی تو پھولوں میں۔ چلو! سو جاؤ۔ باقی صبح دیکھیں گے۔''

وہ لیٹا تو سالک نے حسینہ کی یادوں میں کھونا شروع کر دیا۔ اُس کو پھول چنتے دیکھ کر سالک اُس کے پاس چلا گیا۔ ''میں تو تم کو لیب میں نہ پا کر سمجھا کہیں گئی ہوگی۔ مگر آپ تو پھولوں میں پائی جارہی ہیں۔''

''مجھے پھول پسند ہیں۔ میرا بس چلے تو پوری دنیا میں پھول ہی پھول لگا دو۔ تا کہ ساری دنیا اِن کی طرح مہکنے لگے۔ اِن کی وجہ سے روح بھی جی اُٹھتی ہے۔''

''اگر میں پھول دوں تو۔''

''لے لوں گی۔ پھر کتاب میں رکھ دوں گی۔''

''رکھنے کی بجائے بالوں میں لگا لینا۔

تا کہ اِس کی خوشبو تم کو بتائے کہ شوہر کی طرف سے آیا ہے۔ سوتے ہوئے بھی تم کو میرے ساتھ ہونے کا احساس دلاتا رہے۔ جیسے تم ہر وقت میرے ساتھ ہوتی ہو۔''

وہ جانے لگی تو آگے ہاتھ کر کے ''مت جاؤ۔ مت جاؤ......'' کی آواز انشال تک پہنچ گئی۔

اس کو بلا کر ''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں پھولوں کے ساتھ کوئی یاد آ گیا۔ اِن اذیت ناک حالات میں بھی وہ مجھے سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ میں تو اُس کی یادوں میں جا کر خود کو اِن ٹراماز سے نکالتا ہوں۔ تم کیا کرتے ہو؟''

''میں بھی ماں اور اُس کو یاد کر کے۔ بھائی! ایک بات تو بتائیں؟ آپ کو اُس سے محبت تھی۔''

''تھی نہیں ہے محبت۔''

''اس کے سامنے اظہار کیوں نہیں۔''

''تا کہ وہ آزادی سے جیے۔ یہ محبت اُس کے پاؤں کی زنجیر نہ بنے۔''

''لیکن کیوں۔''

''محبت کی زنجیر کی تو تم روز کہانیاں دیکھتے ہو تو ایک مرتا ہے تو دوسرے جیتے جی مر جاتے ہیں۔ وہ لڑکی یاد ہے جس کی فیملی ختم ہو گئی تھی۔ اُس نے سروائیو کیا؟''

''نہیں...... چار دن میں ختم ہو گی۔''

''کیا اُس کو زندگی پیاری نہیں تھی۔''

''بہت پیاری تھی۔''

''کیونکہ وہ اپنوں کی محبت کی زنجیر کو توڑ نہیں سکی۔ وہ میرا ابرار و یہ اور سخت الفاظ یاد کر کے شاید بھول جائے۔''

''وہ میری بہن ہے میں جانتا ہوں۔ آپ کی ہزار کوششوں کے باوجود بھی آپ محبت کی زنجیر کو توڑنا تو دور کی بات ہلا بھی نہیں سکے۔''

''تم کو لگتا ہے وہ انتظار میں ہو گی۔''

''جی ہاں۔ میں آپ کو دیکھتا ہوں، آپ اُس کی تصویر کو دیکھے بغیر سوتے نہیں۔ یعنی نیند آپ کے پاس نہیں آتی۔ پھر وہ کیسے بھولے گی۔ محبت کی زنجیر کو توڑنے کے لیے بے وفا ہونا ضروری ہے۔ جو آپ نہیں کر پائیں گے۔ جو آپ چاہتے ہیں وہ بھی نہیں کر پائے گی۔''

''دل کی بتاؤں تو دل چاہتا ہے وہ صرف میری رہے۔''

''تو وہ آپ کی ہی ہے۔''

☆......☆......☆

اچانک آسمان پر کالی رات چھائی۔ دھواں ہی دھواں ہر طرف تھا۔ دھویں نے آسمان کی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دھویں نے ہر ایک کا رابطہ منقطع کر دیا۔ اُن کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ ساتھ ہی فون آ گیا ساتھ والے علاقے پر اسرائیلی ڈرون حملہ ہوا ہے۔ ساری عمارتیں زمین بوس ہو گئی ہیں۔ تمام ریسکیو ٹیمیں جائے حادثے کی طرف بلائی جا رہی ہیں۔ اُس کے پریشان چہرے کے تاثرات دیکھ کر انشال۔

''بھائی! کیا کہہ رہے تھے۔''

''بتا رہے تھے آسمان پر رات کا پردہ اسرائیلی ڈرون کا نتیجہ ہے۔ اس پردے کی قیمت ہنستے بستے لوگوں کے گھر اور زندگیاں ہیں۔ گھروں کو زمین بوس کر کے اور روحوں کو جسموں سے نکال کر بنایا گیا ہے۔''

''بھائی! قیمت کچھ زیادہ نہیں۔''

''کون دیکھتا ہے زیادہ ہے یا کم۔''

''بھائی! ماں جی کہتی ہیں کہ پرانے زمانے میں اگر کوئی ناحق قتل ہوتا تھا تو آسمان سرخ ہوجاتا تھا۔ پتہ چل جاتا تھا کہ کہیں قتل ہوا ہے۔ وہ بھی بے گناہ انسان کا۔ اب تو بہت سے بے گناہ انسانوں کا قتل ہورہا ہے۔ پھر آسمان سرخ کیوں نہیں ہوتا۔ سمجھ نہیں آتا۔''

''کیونکہ آسمان بے قصور انسانوں کے قتل ہوتے دیکھ دیکھ کر پتھر کا ہوگیا ہے۔ پہلے وہ سرخ ہو کر روتا تھا۔ اب وہ رونا بھول گیا ہے۔ بے گناہ لوگوں کا خون پڑ پڑ کر اُس کے دل کے سارے کنکشن بند ہوگئے ہیں۔ دل ہو تو سرخ ہو۔''

''آسمان پتھر کا ہوگیا ہے۔ مگر یہ انسان پتھر کے کیوں نہیں ہوتے۔ تاکہ ہل ہی نہ سکیں اور نہ ایک دوسرے کا ناحق خون بہائیں۔''

''اللہ کا فرمان ہے اگر میں قرآن پہاڑوں پر اُتارتا تو وہ ڈر اور خوف سے ریزہ ریزہ ہوجاتے۔

مگر آپ نے دیکھا ہم انسانوں پر کیا اثر ہوا ہے؟

ڈر تو دور کی بات ہم پر جُوں بھی نہیں رینگی۔

ہم آگے کیا بھیج رہے ہیں۔ ایک دوسرے پر ظلم،

ایک دوسرے کا ناحق قتل کرنا۔

یہ کیا ہے؟''

''یہ اِس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ ہم پر کوئی اثر نہیں۔''

''ہم سوچیں ہم چار دن کی زندگی کے لیے سامان اکٹھا کر رہے ہیں۔ وہ زندگی جس نے ہمیشہ رہنا ہے اُس کو بھول گئے ہیں۔

یہ لوگ بے گناہوں کو مار رہے ہیں۔ کس لیے؟

صرف یہ سوچ کر کہ یہ ٹکڑا حاصل کر کے ہم مالک ہوجائیں گے۔

کیا یہ ہزار سال جئیں گے۔ پھر بھی تو مرنا ہے۔''

جائے حادثہ پہنچے تو ہر طرف دھواں کے بادل ہی بادل تھے۔ انسان کے لیے دوسرے انسان کو دیکھنا مشکل تھا۔ ہر طرف چیخ و پکار تھی۔ اِس کو اپ دکھی دلوں کی فریاد کہیے تو زیادہ بہتر ہے۔ عورتیں بچے فریاد کر رہے تھے۔ جو دل سوز تھی۔ ٹوٹی عمارتوں کے نیچے لوگ دبے ''بچاؤ بچاؤ......'' کی صدا لگا رہے تھے۔ اِس اُمید پر کہ کوئی اُن کی زندگی بچالے۔ یعنی زندگی کی بھیک تھی۔ مسلسل ایک آواز جو زندگی کے لیے پکار رہی تھی۔ وہ سالک کو قریبی عمارت کچھ زمین بوس اور کچھ بچے ہوئے حصے سے آ رہی تھی۔ آواز بتا رہی تھی فریادی کہہ رہا ہے۔ اگر کمک وقت پر پہنچ گئی تو کچھ لوگ بچ سکتے ہیں۔ کیونکہ موت دھیرے دھیرے اُن کی طرف آ رہی ہے اور اُن سے کہہ رہی ہے ''جو کچھ کر سکتے ہو کر لو۔'' ورنہ گلہ نہ کرنا۔

آواز کا تعاقب کرتے ہوئے سالک کچھ لوگوں کے ساتھ بھاگا۔ آواز کی جگہ پر پہنچے تو ایک گرتی ہوئی دیوار جو ٹیڑھی ہوئی ہوئی تھی اُس کی اوڑھ میں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ وہ جو ذرا سا سہارا دی دیوار گرنے کی سازش کر رہی تھی۔ اُس کے نیچے عورت اپنے خاندان کی زندگی کے لیے بھیک مانگ رہی تھی۔ اُن کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے اِن کو بچایا جائے۔ اگر اُن کے اوپر سے دیوار کو ہٹاتے ہیں تو سارا ملبہ دیوار سے پہلے ان پر ہوگا۔ سالک نے اُن کو مشورہ دیا اگر ہم یہاں سے زمین کھودتے ہیں تو یہ لوگ بچ جائیں گے۔ زمین کھودنے کے لیے اُن کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہاں سے ہی انھوں نے سیمنٹ اور بجری کے لوک دار ٹکڑے پکڑے اور کھودنے لگے۔ اگر وہ تھکتے تو عورت کی چیخ و پکار اور رونا دھونا پھر سے اُن کی ہمت بندھا دیتا۔ کھودتے کھودتے وہ ایک سراخ بنانے کے قابل ہو گئے اور ان کو اُس ٹیڑھے سراخ سے انھوں نے باہر نکالا۔ یہ بے ہتھیار خالی ہاتھ لوگوں کی کوشش کا ثمر تھا۔ اِس کی اُن کو خوشی ہی الگ تھے۔ جس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اُس عورت کے چہرے پر قلعہ فتح کرنے سے بھی زیادہ خوشی تھی۔

''بھائی! اس کا مطلب انسان سب کچھ کر سکتا ہے صرف جذبہ ہو۔''

اُس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے سالک۔ ''جذبہ ہی تھا کہ فرہاد نے نہر کھودی تھی یہ تو پھر چھوٹا سا گاڑھا تھا۔''

''بھائی! ہمارے جذبے نے کام کیا اور یہ بچ گئے۔ حالانکہ اِن کا بچنا معجزے سے کم نہیں۔

بہر حال بچ گئے۔

اب آگے دیکھو! کیسے سروائیو کرتے ہیں۔''

''جس نے زندگی دی ہے وہی آگے بھی کارساز ہے۔

کیونکہ آگے آزمائشوں کی لمبی قطار ہے۔''

ایک کہانی ختم ہو رہی تھی تو دوسری شروع ہو رہی تھی۔ کہانیاں ہی کہانیاں تھیں۔ سب لوگوں کو زندہ نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر زندہ کم اور مردہ زیادہ نکل رہے تھے۔ شام تک لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ ایک ہی گاڑھے میں دفن کر دی گئیں۔ زخمیوں کو ہسپتال اور میڈیکل کیمپ میں لے جایا گیا۔ شام ہو گئی تھی۔ کچھ دھویں کے بادل تھے اور کچھ رات تھی جو ریسکیو کے کام میں آڑے آ رہے تھے۔ کوئی بھی کام کو روکنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ خدشہ تھا صبح تک جو زندہ بھی ہوں گے وہ بھی نہیں بچ سکیں گے۔ بہر حال چار و ناچار کام روکنا پڑا۔ صبح کا انتظار مشکل تھا مگر کرنا ہی تھا۔ صبح جب جائے حادثہ پہنچے تو آسمان تو کالا ہی تھا اِس کی سیاہی کسی کو بھی گزرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ مگر سورج نے بھی ٹھان رکھا تھا کہ اپنی کرنوں کو اِن گھنے بادلوں سے گزار کر لوگوں کو روشنی کا پیغام دینا ہے۔ تا کہ لوگ اِن حالات میں بھی اُمید کی نوعید سنتے رہیں۔ اُن کے اندر مایوسی کے بادل جمع نہ ہوں۔ ہر کوئی اپنا کام کر رہا تھا۔ اِس روشنی میں رات کو نہ نظر آنے والی بدصورتیاں بھی زیادہ واضح ہو گئی تھیں۔ رات گزرنے کے باوجود زمین سے سرخ رنگ ختم نہیں ہوا تھا۔ سالک زمین کو سرخ دیکھ کر اور گرد کے کالے رنگ کو دیکھ کر سوچنے لگا کالے اور سرخ کا تو کنٹراس نہیں۔ پھر ایسا کیوں ہے؟''

پھر ذرا غور کیا تو رنگ وہی تھے جن کو ہم ملا کر کنٹراس بناتے ہیں۔ سرخ زمین پر سفید کپڑوں میں لپٹی لاشیں تھیں۔ سالک خود سے۔ ''ویسے تو یہ دونوں رنگ ملتے ہیں تو آنکھوں کو اچھے لگتے ہیں۔ مگر آج یہ اتنے بدصورت کیوں لگ رہے ہیں۔''

پھر خود کو جواب دیتے ہوئے سالک۔ ''کیونکہ اِن میں لوگوں کی خوشیاں تباہ کن حالات میں دفن ہیں۔ جن کا درد بچی ہوئی زندگیوں کو عمر بھر رہنا ہے۔ بہتے ہوئے خون کی طرح ہر خوشی اور غمی میں

ساتھ ساتھ رہنا ہے۔ کبھی ختم نہیں ہونا تب تک زندگی اُن کی بھی ختم نہیں ہوئی۔ ایسے درد کا کوئی علاج نہیں اور نہ کوئی مرہم ہے۔'' پھر خود سے۔ ''تم مرہم رکھ سکتے ہو۔'' خود ہی کو جواب دیتے ہوئے۔

''میری اتنی اوقات کہاں؟''

اُس کو سوچتے دیکھ کر انشال۔ ''کیا سوچ رہے ہیں۔''

''یہ کہ یہ روشنی کچھ کر پائے گی یا ناکام ہو جائے گی۔''

''ناکام تو کوئی بھی نہیں ہوتا جو کوشش کر رہے ہیں۔

ہاں! البتہ یہ خلاء پُر نہیں کر پائے گی۔

مگر زندگی کو آگے بڑھانے کے لیے یہ ضروری ہے۔''

''یعنی اِدھر ہم کام کر رہے ہیں تو دوسری طرف قدرت۔''

پھر سالک انشال سے۔ ''دیکھو! زمین سرخ ہے اور اس کے اوپر سفید کپڑے میں لپٹی لاشیں ہیں جو سفید کفن میں لپیٹ کر رکھی گئی ہیں۔ جن کے اوپر رونے والے بھی شاید ختم ہو گئے ہیں۔ یا پھر کہیں اِن کو ڈھونڈ رہے ہیں۔'' ابھی وہ بات کر رہے تھے کہ ایک آدمی جو پاگلوں کی طرح ہر لاش کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ چہرہ دیکھتا جب دیکھنے لگتا تو اُس کے چہرے پر دُکھ کے تاثرات چھا جاتے۔ مگر جب اُس کے پیار کا چہرہ نہ ہوتا تو اُمید کی کرن جھلکنے لگتی تھی۔ اِس طرح اُس نے تقریباً تمام لاشیں دیکھ لی تھیں۔ جب اس کے پیارے اِن میں نہ ملے تو اُمید کی کرن لے کر چلا گیا۔

اِردگرد سورج کی کرنوں کو دیکھ کر سالک۔ ''یوں یہ کام کریں گی۔ یہ کام انسان نہیں کر سکتا تھا۔ یہ قدرت کرے گی۔ سورج صدیوں سے کامیابی کی نوعید سنا تا رہا ہے اور سنا تا رہے گا۔ لاکھوں مظالم کے باوجود زندگی چلتی رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مظالم کے مقابلے کے لیے بھی بہت سامان تیار کر رکھا ہے۔ قیامت تک یہ سلسلہ یوں ہی رہے گا۔

''جلتی بجھتی بتی کی طرح۔''

''بالکل تم ٹھیک سمجھتے ہو انشال۔ کبھی ظلم ختم ہوتا دکھائی دے گا اور کبھی بھڑکتا ہوا۔ اللہ! ہمیں اِس

کو ختم کرنے والوں میں رکھے۔"

بڑے جوش سے انشال۔"آمین۔"

دو دن وہاں کام کرنے کی وجہ سے انشال اور سالک کو لگنے لگا تھا۔ اُن کو کوئی مدد کے لیے بلا رہا ہے۔ دراصل اِن دو دنوں میں وہ ایک کو دیکھتے تھے تو اِسی دوران دوسرے کی آواز آنے لگتی تھی۔ وہاں پر امدادی کام ختم ہو گیا تھا۔ پھر بھی چین سے سو نہیں پا رہے تھے۔

بار بار سالک کروٹ لے رہا تھا تو انشال۔"کیوں اِس قدر بے چین ہیں۔"

"پتہ نہیں کیوں وہ کھنڈر مجھے بلاتے ہیں۔ لگتا ہے وہاں کوئی ہے جس کو میری ضرورت ہے۔ دل بے چین ہے کہہ رہا ہے ابھی چلتے ہیں۔"

"مگر اب تو رات ہے۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

آنسو سالک کی آنکھوں میں تھے۔ بغیر روک ٹوک باہر آرہے تھے۔

"شاید! میرا اگلٹ ہے۔

جو مجھے لگتا ہے وہاں کوئی حسینہ ہے۔ جو مدد مانگ رہی ہے۔

یار! اس کو بچانا ہے۔"

"آپ کا وہم ہی ہے اور کچھ نہیں۔"

"نہیں......صرف وہم نہیں

حسینہ کی طرح بے بس اور لاچار کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔

میں نے حسینہ نام ہی بے بسی کا رکھ دیا ہے۔

لوگ تو خوبصورتی کا لیتے ہیں۔"

"آپ کو اُس کا دُکھ محسوس ہوتا ہے۔"

"یار! ایسا ویسا۔

دکھ ہی تو اس کا ہے۔

جو ہر اُس عورت میں محسوس ہوتا ہے جو اپنے پیاروں کو کھوتی ہے پھر اُس کے لیے تڑپتی ہے۔ وہ تو صرف آنسو بہاتی تھی۔

مگر شکر ہے یہ ساتھ بولتی بھی ہیں۔

کاش! وہ بھی بول کر مجھے کچھ برا بھلا کہتی تو میں اِس قدر بے چین نہ ہوتا۔

اُسے بھولنا بھی چاہو تو ہر تڑپتی ہوئی عورت کا دکھ پھر اُس کی یاد دلا دیتا ہے۔

کیسا یونیورسل درد ہے اُس کا۔''

اِس دوران آنسو بھی سالک کا ساتھ دے رہے تھے سالک کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انشال۔

''آپ فکر نہ کریں۔ ہم صبح ہی جائیں گے۔

ویسے ایسا کچھ نہیں۔ صرف آپ کی تسلی کے لیے۔''

خود سے انشال۔''سالک بھائی کو تو تسلی دے دی ہے مگر دونوں میں جہاں بھی کھودا کوئی نہ کوئی ضرور نکلا ہے۔ اب یقین ہو گیا ہے کہ وہاں اور بھی لوگ ہیں۔ جو پکار رہے ہیں۔''

رات بھر سالک بے چین تو رہا مگر انشال بھی نہ سو سکا۔ رات بھی لمبی ہو گئی تھی۔ صبح ہوتے ہی سالک انشال اور ایک آدمی بیلچے کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر سمجھ نہیں آ رہا تھا کہاں کھودیں۔ ہر طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ تینوں نے مل کر فیصلہ کیا جہاں آدھی عمارت زمین بوس اور کچھ حصہ سالمت ہو گا وہاں سے کھودیں گے۔ کیونکہ وہاں وہاں زندگی کی اُمید ہے۔ ایک جگہ کھودا تو کچھ نہ تھا پھر دوسری جگہ اِسی طرح تیسری اور چوتھی جگہ کرتے کرتے سورج ڈھلنے لگا۔ مایوس ہو کر واپسی کا راستہ پکڑنے لگے تھے ہی تو سالک۔

''بس میرے کہنے پر یہاں سے کھودو۔ دل نہیں مان رہا واپس جانے کو۔ کوئی نہ کوئی ضرور ہے جس کی ہم اُمید ہیں۔''

چار و ناچار دونوں سالک کے کہنے پر کھودنا شروع ہو گئے۔ اِس بار زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ ابھی تھوڑا سا کھودا تھا تو راستہ بن گیا۔ اندر گئے تو ایک لڑکی جس کے ماتھے پر سے خون بہہ کر جما ہوا تھا

شاید کوئی سیمنٹ اور بجری کا ٹکڑا لگا تھا۔ بازوؤں پر بھی چوٹیں تھیں بے ہوش پڑی تھی۔ اُس کے اوپر ڈریسنگ ٹیبل چھاؤں کر کے کھڑا تھا ورنہ چھت نے اُس کو پیس دینا تھا۔ اُس نے اِس دنیا سے اُس دنیا کا سفر کر لینا تھا۔ انھوں نے جلدی سے اُس کو نکالا۔ جیسے ہی وہ باہر آئی پوری چھت گر گئی۔ سالک انشال سے۔ ''جس کو اللہ بچائے اُس کو کون مار سکتا ہے۔''

''یہاں سے تو اللہ ظاہر ہوتا ہے۔''

تینوں اُس کو ہسپتال کی بجائے کمرے میں لے گئے۔ اُس کو گرم بستر میں لٹایا پھر سالک۔ ''ہم نے اِس کو ہر صورت بچانا ہے۔ تم دونوں اِس کو اِس کے گھر والوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔ اچانک اِس کے لیے صدمہ برداشت کرنا مشکل ہے۔ ہم پہلے اِس کی محبت کی زنجیر کا ایک ایک کنڈا نکالیں گے۔ پھر اِس سے پوچھیں گے محبت کی زنجیر کس کس سے جوڑی ہے۔ وہ اِس لیے بھی کہ ایک دم سیڑھیاں چڑھی تو منہ کے بل گر جائے گی۔ ایک ایک سٹیپ چڑھی تو منزل تک پہنچ جائے گی۔''

دونوں سالک کی اِس بات سے متفق ہو گئے۔ انشال کو تو اندھا اعتبار تھا، دوسرا آدمی بھی ان کے اتنا عرصہ ساتھ رہنے کی وجہ سے اور اُن کا لوگوں کے ساتھ سلوک دیکھ کر متاثر تھا۔ وہ جانتا تھا یہ لوگوں کی بھلائی چاہتے ہیں۔ جب کوئی دروازے پر دستک دیتا ہے نہ دن دیکھتے ہیں اور نہ رات مدد کے لیے تیار۔

لڑکی کو کمرے میں سلا دیا اور خود دونوں اُس آدمی کے ساتھ اُس کے کمرے میں سو گئے۔ صبح جب کمرے میں آ کر انھوں نے دیکھا تو لڑکی تھوڑی ہوش میں تھی۔ کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ اِن دونوں کو تو عربی آتی نہیں تھی۔ اس لیے انھوں نے آدمی سے اس سے بات کرنے کو کہا۔ اُس نے آدمی کو بتایا کہ وہ پڑھی لکھی ہے۔ انگریزی بول سکتی ہے۔ پھر سالک اور انشال اُس سے انگریزی میں بات کرنے لگے اُس نے پہلے سوال ہی یہ پوچھا۔ ''میرے امی اور بہن کہاں ہیں؟ میں کہاں ہوں؟''

اس سے پہلے کہ انشال کچھ بولتا سالک۔ ''ہمیں دراصل تم دو دن بعد ملی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ کہیں تم کو تلاش کرتی ہوئی چلی گئی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ہم مل کر اُن کو ڈھونڈ لیں گے۔ تمھارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام سائرہ ہے۔آپ لوگ کون ہیں؟''

''میں سالک اور یہ انشال ہے۔ہم پاکستانی ڈاکٹرز ہیں یہاں لوگوں کی خدمت کے لیے آئے ہیں۔یہ یہاں کا ہی ہے۔ہماری مدد کرتا ہے۔''

''آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔اب مجھ جانا چاہیے۔''

''کہاں جائیں گی؟

آپ کا کوئی رشتے دار ہے تو ہم آپ کو وہاں چھوڑ دیتے ہیں۔اِس طرح آپ کہاں در بدر ہوں گی۔''

''میری صرف ماں اور بہن ہے اور کوئی نہیں۔وہ بھی پتہ نہیں کہاں ہیں۔باپ پہلے ہی مر گیا تھا۔''

''اگر آپ ہم پر بھروسہ کریں تو یہاں رہ سکتی ہیں۔

ہم کوشش کریں گے جہاں تک ہو سکے آپ کی مدد کریں۔''

کچھ اِس آدمی نے اُس کو بتایا تھا کہ کیسے انھوں نے اس کی جان بچائی۔کچھ ایک رات جو اِس نے اِدھر گزاری تھی اُس نے بھی اُس کو اِن پر اعتماد دلایا تھا۔اِس لیے سائرہ اِن کے پاس رُکنے کو تیار ہوگئی۔وہ اُن کے کمرے میں رہتی تھی۔وہ آدمی کے ساتھ اُس کے کمرے میں۔وہ اُن کے لیے ناشتہ لایا تو سالک اُس سے۔

''آپ نے سائرہ کو ناشتہ دیا۔''

''بس آپ کے بعد دینے لگا ہوں۔''

''دیکھو!ہمیں ناشتہ یا کھانا دینے سے پہلے اُن کو دیا کرو۔اگر ہمارے لیے نہ بھی بچے کوئی بات نہیں لیکن اُن کے لیے ضرور ہونا چاہیے۔''

''آپ سر!فکر نہ کریں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔اللہ آپ لوگوں کو خوش رکھے!آپ لوگ عظیم ہیں۔''

ناشتے کے بعد وہ ہسپتال چلے گئے۔سائرہ سارا دن کمرے میں لیٹی رہی۔اُس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔حالت اُس کی پہلے سے بہتر تھی۔اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ گھر والوں کو کیسے

ڈھونڈے واپس رات کو وہ لیٹ آئے تو آدمی نے اُن کو بتایا کہ اُس نے اُن کے بارے میں دو تین مرتبہ پوچھا تھا۔ رات بہت ہوگئی تھی۔ اِس لیے وہ سو گئے۔ اگلے دن ناشتے کے بعد انشال اور سالک اُس کے کمرے میں گئے۔ انھوں نے دروازے پر دستک دی۔

خود کو ٹھیک کرتے ہوئے سائرہ آجائیں۔

وہ دونوں اندر آگئے۔ سائرہ نے اُن کو بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ بیٹھ گئے۔ بڑے ادب سے سالک۔ ''اب آپ کیسا محسوس کررہی ہیں''

''جسمانی طور پر تو ٹھیک ہوں مگر روحانی طور پر بے چین ہوں۔ دل چاہ رہا ہے جلدی سے امی اور فاطمہ کو ڈھونڈ کر اُن سے ملوں۔''

''اگر آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ ہسپتال جایا کریں۔ اِس طرح آپ اُن کو بھی ڈھونڈ لیں گے۔ دوسروں کو تکلیف سے نکال کر آپ کو دلی سکون بھی ملے گا۔''

''آپ کا مشورہ بہت کارآمد ہے۔''

''تو آپ کل سے جوائن کرلیں۔''

''کل کیوں؟ آج نہیں کرسکتی۔''

''آپ کی مرضی۔

اگر آپ کو اچھا لگے تو آج سے ہی۔

ہم جارہے ہیں۔''

''بس دس منٹ دے دیں۔ میں آتی ہوں۔''

ماحول کو خوشگوار کرنے کے لیے جمود کو توڑتے ہوئے انشال۔ ''آپ دس کیا، بیس منٹ لیں۔

ہم باہر آپ انتظار کررہے ہیں۔''

ناچاہتے ہوئے بھی سائرہ اور سالک کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ مگر وہ کھل کر نہیں ہنسے۔ صرف ہونٹ دبا کر مسکرادیئے۔

وہ اُن کے ساتھ کام کرنے لگی تھی۔ اُس کو لوگوں کی خدمت کر کے مزہ بھی آرہا تھا۔ سالک اور انشال کو بھی اُس کو کام کرتے دیکھ کر خوشی ہوتی تھی۔ اُس کو خود بھی اچھا لگتا تھا۔ ہر روز نئے ولولے سے ہسپتال جاتی تھی۔ شاید اُس کے اپنے پیاروں کا کوئی سراغ مل جائے۔ صبح تو بڑے جوش کے ساتھ جاتی مگر شام کو مایوس ہو کر واپس لوٹ آتی۔ ان تینوں کی آپس میں اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ آتے جاتے باتیں کرتے لوگوں کے بارے میں۔ ایک دوسرے کے دُکھ دور کرنے کی کوشش کرتے۔ مریضوں کا کام سائرہ بڑے دل سے کرتی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر عورت کو بخار تھا۔ سائرہ صبح سے اُس کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ کبھی اُس کو پٹیاں کرتی کبھی کچھ کھلاتی پلاتی، کبھی روٹی دیتی۔ وہ اُس کا بخار چیک کر رہا تھا تو سائرہ۔ ''اب کتنا کم ہوا'' انشال اُس کی طرف تھرما میٹر بڑھاتے ہوئے دیکھ لو۔'' اُس نے دیکھا تو اب نارمل تھا۔

''اِس کے لیے اتنی پریشان؟''

''امی لگ رہی ہیں۔ جب دوسروں میں اپنوں کا عکس دکھائی دے تو ان کو انسان دور جانے سے روکنے کے لیے سو جتن کرتا ہے۔ میں اِن کو نہیں امی کو بچا رہی ہوں۔''

اُس کے لہجے میں کرب تھا۔ انشال کو سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کہے۔ بڑی مشکل سے۔ ''آپ کے درد کا مرہم نہیں۔ ورنہ سب سے پہلے لگا دیتا۔'' یہ الفاظ اُس کو ساتھ ہونے کا احساس دلا گئے۔ اُس نے انشال کو دیکھا اور اُس نے سائرہ کو آگے چلا گیا۔ وہ دوبارہ اُس کو دیکھنے لگ گئی۔ ساتھ بستر والی اُس کو یوں خدمت کرتے صبح سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اُس سے باتیں کرنے لگ گئی۔ باتوں باتوں میں اُس نے اُس کو ایک کیمپ کے بارے میں بتایا۔ اُس میں اُمید کی لہر پیدا ہوئی۔ رات کو تینوں گھر جانے لگے تو اُس کے چہرے پر آئی رونق کو دیکھ کر سالک۔

''آج خوش لگ رہی ہیں۔ لگتا ہے کوئی خوش خبری ہے۔''

''ایک جگہ کا پتہ چلا ہے جہاں سے ہوسکتا ہے میرا خاندان مل جائے''

''یہ تو واقعی ہی خوشی کی خبر ہے۔ پھر کب جانے کا ارادہ ہے؟''

اُس کے بولنے سے پہلے انشال۔ ''کل سورج کی روشنی جیسے ہی نکلتی ہے ہم نکل جائیں گے۔ آس ملی ہے تو کوشش ہم کریں گے۔''

''میں نے بھی کل کا سوچا تھا۔'' سائرہ آہستہ سے۔

''تم آہستہ نہیں زور دے کر کہو۔ ہم تمھارے ساتھ ہر جگہ جانے کو تیار ہیں جہاں سے تم کو خوشی ملے۔'' سالک نے بھی ساتھ ہونے کا احساس دلایا۔ گھر پہنچے تو آدمی نے اُن کو کھانا دیا۔ وہ کھانا کھانے لگے تو سالک نے اُس سے ذکر کیا اور اُس کو بتایا۔ چونکہ وہ ان سب سے عمر میں بھی بڑا تھا اور اِن علاقوں سے بھی واقف تھا۔ اِس لیے سالک نے اُس کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ تو وہ راضی ہو گیا۔ اُس کو بھی سائرہ سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ بھی چاہتا تھا اِس کو گھر مل جائے۔

جن کو لگی ہوتی ہے اُن کو نیند نہیں آتی۔ باقی سب چین کی بانسری بجا کر سو جاتے ہیں۔ سو ہمدردی کے باوجود اِس لیے وہ سب سو گئے اور سائرہ بے چین طرح طرح کے خواب بن رہی تھی۔ وہ اُن کو دیکھ کر کیا کرے گی؟ کیا کہے گی۔ ماں اور بہن کیسی ہوں گی۔ جب سوچ اُن کے نہ ملنے تک پہنچتی تو گھبرا جاتی۔ اِن سوچوں میں رات گزر گئی۔ اُن کے اُٹھنے سے پہلے تیار تھی۔

تینوں وہ اور آدمی اُن کے ساتھ روانہ ہوئے۔ پہلے تو جوش تھا، گھنٹہ بھر سائرہ چلتی رہی کیونکہ کوئی سواری نہ تھی۔ پھر تھک کر بیٹھ گئی۔ وہ تینوں مرد بھی بیٹھ گئے۔ جو پانی وہ ساتھ لائے تھے سالک نے وہ اُس کو پینے کو دیا۔ خود پینے کی بجائے باقی رکھ لیا۔ انشال نے بھی نہیں مانگا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد دوبارہ سفر شروع ہوا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک کیمپ میں پہنچے تو اُس نے وہاں کا ایک ایک خیمہ دیکھا۔ لیکن کوئی ہوتا تو ملتا۔ مایوس ہو کر آگے چلے۔ پھر کچھ کیمپ نما خیمے نظر آئے۔ بھاگتی ہوئی سائرہ ان کی طرف گئی۔ ایک ایک خیمہ ٹٹولا مگر بے سود۔ چلتے چلتے وہ تھک جاتی تو وہ پانی کی بوتل نکال کر اُس کو پانی دے دیتے۔ وہ تازہ دم ہوتی تو آگے کا سفر جاری و ساری ہوتا۔ کچھ انھوں نے کھانے کو جو لیا تھا وہ بھی اُس کو ہی دے دیا۔ سائرہ نے اُن کو کھانے کو کہا مگر دونوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا بھوک نہیں۔ دوسرا آدمی اپنا پانی اور کھانا کھا گیا۔ ایک تو وہ کمزور اور بوڑھا تھا زیادہ مشقت نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرا انشال اور سالک

نے اُس کو قربانی دینے بھی نہیں دی۔ سارا دن خاک چھان کر وہ واپس لوٹے تو سائرہ کی اُمید کا سورج غروب تھا۔ مگر آدمی سالک اور انشال کے کردار سے متاثر تھا۔

سب نے ایک دوسرے سے کچھ نہ کہا اور سو گئے۔ صبح آدمی نے اُن کو ناشتہ دیا تو سالک نے سائرہ کا پوچھا تو آدمی۔ ''اُس نے ناشتے سے انکار کر دیا ہے۔ انھوں نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔ اُس کے کمرے کی طرف چل دیئے دروازے پر دستک دی...... سائرہ نے آنسو صاف کیے اور اندر آنے کے لیے کہا۔

وہ آدمی سب کا ناشتہ سائرہ کے کمرے میں لے آیا۔ ''آج سے ہم فیملی ہیں ناشتہ اور کھانا اکٹھے کھائیں گے۔''

اُس نے ناشتہ لگایا تو سائرہ کچھ کہے بغیر ہی کھانے لگی کیونکہ اُن کا آنا ہی اُس کو بتا رہا تھا وہ اُس کے ساتھ ہیں۔ اگر اُس نے نہیں کہا تو وہ اصرار کریں گے جو سائرہ کو اچھا نہیں لگتا تھا کہ کوئی اُس کی منت کرے۔ ناشتہ کرتے کرتے آدمی۔ ''یہ لوگ بہت اچھے ہیں سائے کی طرح بیٹی تمھارا ساتھ دے رہے ہیں۔''

''بابا! مجھے پتہ ہے اور احساس بھی ہے۔ میں بھی اِن کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی مگر مجبور ہوں۔'' اُس کے اظہار تشکر سے منکسر ہوتے ہوئے سالک۔ ''یہ ہمارا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو ہم آپ سے آپ کے خاندان کے بارے میں جان سکتے ہیں۔''

پاس سے انشال۔ ''اگر آپ ریلیکس ہو کر بتانا چاہیں۔''

''ضرور...... کیوں نہیں۔ اپنی کہانی اپنے محسن کو نہیں بتاؤ گی تو کس کو۔''

جنگ سے پہلے پورا غزہ پر سکون اور خوشحال تھا۔ لوگ چاہے امیر تھے یا متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنی اپنی زندگی میں خوش تھے۔ بچوں میں مصروف تھے اور اُن کے مستقبل کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اُن کی تکمیل کے لیے منصوبے بھی بنا رہے تھے۔ اِس کے لیے جدوجہد بھی تھی۔ جس سے بچے لاعلم تھے وہ تو صرف زندگی کو پھولوں کی سیج سمجھ کر بیٹھے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ محنت تو وہ بھی کر رہے تھے۔ کیونکہ خوابوں کی تکمیل کے لیے مشترکہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِرد گرد ہر طرف لوگ

خوش تھے ہمسایوں کے گھر سے بھی قہقہوں کی آوازیں آتی تھیں۔ جو پہلے شور لگتا تھا مگر اب دِل اُس کے لیے ترستا ہے۔ دیوار کے ساتھ دیوار ہو تو ایک دوسرے کی سب باتیں سنائی دیتی ہیں۔ چاہے آپ چاہو یا نہ۔

گھر میں داخل ہوتے ہی حسین۔ ''لیہ...... لیہ کہاں ہو۔''

کچن سے باہر آتے ہوئے لیہ۔ ''کھانا بنا رہی ہوں۔ خیریت تو ہے۔''

''یہ لو پیسے سنبھال کر رکھنا۔ فاطمہ کی پڑھائی کے لیے ہیں۔ سائرہ کا تو آخری سمسٹر ہے۔ پھر اس کے لیے لڑکا دیکھ کر شادی کر دیں گے۔ پڑھا میں نے دیا ہے اب اپنے آپ کے قابل ہوگئی ہے۔''

''کتنا پیار ہے آپ کو اِن سے۔ ہر وقت اِن کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ یہ ہی میری کل کائنات ہیں۔''

وہ باتیں کر رہے تھے کہ فاطمہ اور سائرہ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے وہاں پہنچ گئیں۔

سائرہ شکایت کرتی ہوئی۔ ''ابو یہ میری کتاب نہیں دے رہی۔ چھین کر بھاگ آئی ہے۔''

''ماں کے پیچھے چھپتے ہوئے فاطمہ۔ ''ابو! کب سے منت کر رہی تھی میرے ساتھ کھیلو مگر مانی ہی نہیں۔ اِس کو تو بس پڑھنا ہی آتا ہے۔ یا پھر چیزوں کو سجانا۔ کھیلتی تو ہے ہی نہیں۔''

''نہیں کھیلتی تو مت کھیلے تم اکیلی کھیلو۔''

''ابو اکیلے مزہ نہیں آتا۔ روز بہانہ کرتی ہے کل کھیلوں گی پھر نہیں کھیلتی۔ آج نہ اِس کے پاس کتاب ہوگی اور نہ ہی پڑھے گی۔ پھر اُس کو کھیلنا پڑے گا۔ بس آپ درمیان میں مت آئیں۔''

بیٹی کی طرف داری کرتے ہوئے لیہ۔ ''تو سائرہ تم ہی اِس کے ساتھ کھیلو۔''

''امی! آپ بھی بس اِسی کا ساتھ دیتی ہیں۔''

اشارے سے فاطمہ نے باپ سے کہا تو حسین بھی طرف داری کرنے لگا۔ ''جاؤ...... جا کر کھیلو فاطمہ سے۔''

غصے سے سائرہ۔ ''ابو! آپ بھی۔''

دونوں جا کر چھپن چھپائی کھیلنے لگیں۔ تھوڑی دیر میں کھانا بن گیا تو لیہ نے کھانا لگایا۔ سب مل کر کھانا کھانے لگے۔ سائرہ نے فاطمہ کی پلیٹ چاولوں سے بھر دی تو فاطمہ۔ ''کیوں بھری ہے میری پلیٹ جبکہ تم کو پتہ ہے میں اتنا نہیں کھانے والی۔ اب جو باقی بچ جائیں گے تم کھاؤ گی۔''

''میں کیوں کھاؤں۔ زیادہ نخرے نہ کرو اور کھاؤ۔''

وہ دونوں جھگڑنے لگی تو لیہ۔ ''تم کھاؤ جو بچے میں کھاؤں گی یہ دہی اور سلاد بھی لو۔''

باقی لیہ نے اُس کو ڈال دیا۔ پھر حسین کو بوٹیاں ڈال کر دینے لگی۔ وہ آگے سے۔ ''بس کرو کتنا کھلاؤ گی۔''

تھوڑا سا کھا کر فاطمہ اُٹھ کر جانے لگی تو حسین۔ ''واپس بیٹھو اور کھاؤ۔ تم نے کھایا ہی کیا ہے۔''

''ابو! یہ ساری بوٹیاں سائرہ نے اپنی پلیٹ سے نکال کر میری پلیٹ بھر دی ہے۔ اِس کو کہیں خود کھائے۔''

فٹ سے سائرہ۔ ''دیکھیں! مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔ خود کچھ کھایا نہیں اور مجھے کہہ رہی ہے۔''

''تم دونوں بعد میں لڑنا پہلے، فاطمہ تم بیٹھو اور کھاؤ کمزور ہو رہی ہو۔''

وہ چپ چاپ بیٹھ کر کھانے لگی اور سائرہ کو گھورنے لگی۔ سائرہ آگے سے اس پر ہنسی جا رہی تھی۔ فاطمہ لقمہ منہ میں لے کر آگے سے اُس پر ہنسی جا رہی تھی۔ فاطمہ لقمہ منہ میں لے کر فاطمہ بیٹھ گئی۔ جب دیکھتی باپ دیکھ رہا ہے کھانا شروع کر دیتی ورنہ بنا چبائے بیٹھی رہتی۔ سب نے کھانا کھا لیا اور فاطمہ ویسے ہی بیٹھی تھی۔ تو سائرہ۔ ''دیکھیں ابو! اس نے کچھ نہیں کھایا۔''

بڑے پیار سے حسین۔ ''تم صرف بوٹیاں کھا لو۔ چاول تمھاری ماں پرندوں کو ڈال دے گی۔ سمجھ لیتے ہیں تم یہ ان کا حصہ رکھا ہے۔''

''ابو! آپ کا آئیڈیا اچھا تو ہے لیکن کافی مشکل ہے عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ سب سائرہ کا کیا ہے۔ اِس نے میری پلیٹ بھری تھی جان بوجھ کر تا کہ میں پھنس جاؤں۔''

باپ کو سامنے بیٹھا دیکھ کر فاطمہ مشکل سے بوٹیاں کھا رہی تھی وہ بھی ایسے جیسے بھینس جگالی کر

رہی ہو۔اس کو دیکھ کرلیہ۔"رہنے دو۔بس کرو۔آپ بھی اِس کو معاف کردیں۔وہ کھاتو نہیں رہی صرف آپ کی وجہ سے بیٹھی ہے۔"

"لیہ!یہ بالکل نہیں کھاتی۔حالت دیکھو اِس کی۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔اِس طرح کون ساوہ کھا رہی ہے۔"

"جاؤ۔صرف تمھاری ماں کی وجہ سے معافی ملی ہے۔"

"تھینک امی۔"

جلدی جلدی بھاگی جیسے قیدی جیل سے۔اُس کو دیکھ کر دونوں ہنسنے لگے۔حسین لیہ سے۔"یہ وہ دن ہوتے ہیں جب قدرت نے آپ کو بہت سی نعمتیں دی ہوتی ہیں۔آپ کا من بھرا ہوتا ہے۔انسان کو کسی چیز کی قدر ہی نہیں ہوتی۔طلب بھی تب ہی ہوتی ہے جب کوئی چیز نہیں ہوتی۔جو چیز بغیر محنت کے ملے،وہ انسان کو کہاں اچھی لگتی ہے۔اِس کی پلیٹ سائرہ نے بھر دی تھی۔اِس نے محنت ہی نہیں کی تھی تو طلب کہاں ہونی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔بھوک بھی تو معانی رکھتی ہے۔"

"بھوک نام ہے کسی چیز سے لمبے عرصے تک محرومی۔ورنہ بھوک کچھ نہیں۔محرومی طلب پیدا کرتی ہے۔طلب کوشش کی طرف لے کر جاتی ہے۔کوشش میں ناکامی شدت پیدا کرتی ہے۔جس کو دماغ محسوس کرتا ہے۔جس چیز کا پیغام دماغ تک پہنچ گیا،سمجھو!پورے جسم تک پہنچ گیا۔ے جب پورا جسم ناکامی کی شدت کو محسوس کرتا ہے تو بھوک لگ جاتی ہے۔اِس کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

"اللہ نہ کرے اِن تک بھوک پہنچے۔

اللہ!آپ کو سلامت رکھے۔"

چائے دیتے ہوئے لیہ۔"آج چھٹی ہے تو اب سارا دن آپ اور خبریں ہوں گی۔تھوڑا سا وقت فیملی کو بھی دے دیں۔"

بیگم کا حسین نے کوئی جواب نہ دیا۔لیہ نے اُن کو اور ایل ای ڈی کو غور سے دیکھا۔"یہ کہاں ہوا ہے؟"

''جنوبی غزہ میں اسرائیلی ڈرون نے حملہ کیا ہے۔''

''اب کیا ہوگا۔''

''جنگ ہوگی۔لگتا ہے برے حالات آنے لگے ہیں۔جو جمع پونجی ہے سنبھال کر رکھنا۔پتہ نہیں آگے کیا ہو؟''

''آپ تو موت کا منظر بیان کر رہے ہیں۔''

''میں نے کیا بیان کرنا ہے۔ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔''

''آپ تو بہادر ہیں۔آنے والے وقت کی تصویر دکھا رہے ہیں مگر ہم اُس طوطے کی طرح ہیں جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔''

''آنکھیں بند کرو یا کھولو۔دیکھنا تو پڑے گا۔بہت لوگ مرے ہیں اور بہت زخمی ہوئے ہی۔ظاہر ہے لوگ اب غزہ کی طرف آئیں گے۔چیزوں کی قلت ہوگی۔''

''آپ نوکری پر جائیں گے۔''

''ظاہر ہے جاؤں گا۔کالے بادل دیکھ کر ابھی سے گھڑے تو نہیں توڑ سکتا۔ممکن ہے کالے بادل یوں ہی گزر جائیں کچھ نہ ہو۔''

ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے لیہ۔''یہ بھی ممکن ہے کہ اتنا برسیں کہ پانی ہی پانی کر دیں اور سب اُس میں ڈوب جائیں کچھ نہ بچے۔''

''کچھ بھی ہو سکتا ہے۔بچیاں کہاں ہیں۔اِن کا خاص خیال رکھنا۔ایسے حالات میں بہت کچھ ہو جایا کرتا ہے۔''

جیسے جیسے فضاء سے خوشی ختم ہو رہی تھی اِسی طرح اِرد گرد سے بھی خوشی کی جگہ اُداسی اور مایوسی لے رہی تھی۔صرف حماس اور اسرائیل کی جنگ نہیں رہی تھی۔اِس میں لاکھوں بے گناہ اور معصوم لوگ تھے۔جن کو اسرائیل حماس کے بندے ہونے پر مار رہا تھا۔وہ تو فلسطینیوں کی نسل ختم کرنے پر تھا۔اُداسی نے لوگوں کے دلوں پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔کیونکہ جنوبی غزہ کے بعد غزہ پر بھی ڈرون حملے ہوئے تھے۔

اِن حملوں میں گھروں کے علاوہ سکول اور ہسپتال بھی تباہ ہوئے تھے۔ لوگ اِس خطے کو اب موت کی آماجگاہ سمجھنے لگے تھے۔ ہر وقت خوف رہتا کہیں سے کوئی ڈرون آ کر حملہ کر دے گا اور سب تباہ و برباد ہو جائے گا۔ لوگ تو خبریں سناتے ہی تھے ہوا الگ آ کر پیغام دے دیتی تھی۔ بڑے مایوس کن اور تھکے ہوئے انداز میں حسین گھر میں داخل ہوا تو اُس کو دیکھ کر لیہ۔

''لگتا ہے تباہی کی نئی داستان ہے۔''

''داستان کیا جو آنکھیں دیکھ رہی ہیں وہ بتانے لگا ہوں۔ دارالبلح پر ڈرون حملہ ہوا ہے۔ اب لگتا ہے خان یونس کی باری ہے۔ سب ہر وقت تیار رہنا۔''

''آج ہمسائی پہلے ہی کہہ رہی تھی۔ وہ لوگ مصر جا رہے ہیں رافع کا بارڈر پار کر کے۔ ہم بھی چلتے ہیں۔''

''ہم کہیں بھی نہیں جا رہے۔''

''کیوں نہیں۔ آپ کے پاس کام بھی نہیں۔ پیسے بھی تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اب کھانا بھی صرف پیٹ بھرنے والا ہو گیا ہے۔''

''پیٹ بھر رہا ہے نا تو شکر کرو۔ وہ بھی ہیں جن کو ایک وقت بھی کھانا نہیں مل رہا۔''

ضد کرتے ہوئے لیہ۔ ''وہ لوگ کل صبح نکل جائیں گے۔ ہم بھی اُن کے ساتھ چلتے ہیں۔ میں اپنے خاندان کو بچانا چاہتی ہوں۔''

''تو کیا میں نہیں چاہتا۔''

''تو پھر اتنے سنگ دل کیوں۔''

''اِس کیوں کا جواب تم کو دو تین دن میں مل جائے گا۔''

''ہاں یہاں بیٹھ کر انتظار کرو۔ اسرائیلی ڈرون آ کر ہمیں ملیامیٹ کر دے۔ پھر آپ کی تسلی ہو گی۔''

اُس کے پاس لیہ کے سوالوں کا جواب نہ تھا۔ اُس کو لگ رہا تھا عورت ہے اِس لیے سہانے خواب دیکھ رہی ہے۔ پھر بولا۔

''میں دیکھوں گا جب وہ لوگ مصر چلے گئے پھر میں بھی تم لوگوں کو لے جاؤں گا۔ بچیاں کہاں ہیں؟''

آہستہ سے۔ ''کمرے میں ہیں۔''

''اب شور کیوں نہیں کرتیں، لڑتی بھی نہیں۔''

''اِن حالات میں شور اور لڑنے کی بات نہیں کی جاسکتی۔ اب کوئی بول بھی لے تو سمجھو بڑا بہادر ہے۔''

''اِن بچوں کی ہنسی چھین لی گئی ہے۔ وہ بھی بادل پر لوگوں کی موت کی خبریں دیکھتے ہیں۔ جو برستا نہیں صرف خبریں ہی دیتا ہے۔ انشاء اللہ یہ بادل ایک دن برسے گا۔ سب دھو کر صاف کر دے گا۔ بچے نیلے آسمان کو دیکھ کر مسکرائیں گے۔''

''اللہ کرے۔ یہ فضاء کو دھو کر صاف کرنے والا بادل ہماری زندگی میں ہی آجائے اور ہم پھر سے خوشیاں بانٹنے والا آسمان دیکھیں۔''

''کھانا بن جائے تو ہمیں بلا لینا۔ آج بہت بھوک لگی ہے۔''

وہ جا کر بچیوں کے پاس بیٹھ گیا وہ دونوں کتابوں میں گم تھیں۔ وہ فاطمہ جو کھیل کے لیے سائرہ کو تنگ کرتی تھی۔ وہ بھی کتاب میں گم تھی۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد حسین۔ ''فاطمہ! کیا بات ہے، آج بول نہیں رہی۔''

''ابو! اب جی نہیں چاہتا۔ میرا اسکول ٹوٹ گیا ہے میری بہت سی دوستیں اب اِس دنیا میں نہیں رہیں۔ ابو! اب مجھے بھی ڈر لگتا ہے۔ آپ بھی باہر مت جائیں۔''

اُس کا دھیان بٹانے کے لیے حسین۔ ''تمھاری گڑیا کہاں ہے؟ اُس کو لے کر آؤ۔ آج میں تمھارے ساتھ کھیلتا ہوں۔ اِس سائرہ کو بھی ساتھ زبردستی کھلاتے ہیں۔''

''لیکن میرا جی نہیں نہیں چاہتا۔ گڑیا مجھے اب اچھی نہیں لگتی۔ مجھے سکینہ آمنہ اور عائشہ بہت یاد آتی ہیں۔ جب اُن سے ملوں گی تو پھر کھیلوں گی۔ ابھی نہیں کھیل سکتی۔''

''میرے ساتھ بھی نہیں۔''

''سوری ابو! نہیں۔

سمجھا کریں نا! دل پریشان ہیں۔"

اُس کو بہلانے کے لیے حسین۔"یہ دل ہوتا کہاں ہے؟

جو میری بیٹی کو پریشان کرتا ہے۔"

باپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہاں پر۔ بیٹی کے جواب سے لاجواب ہو کر حسین اُٹھ کر بیوی کے پاس کچن میں آ گیا۔ وہ کھانا بنا چکی تھی اُس کو دیکھ کر لیہ۔"کیا ہوا واپس آ گئے۔"

"میں نے فاطمہ کو بہت بہلایا مگر نہیں۔ ناکام لوٹا ہوں۔"

"چاہے وہ بچی ہے مگر سب محسوس کر رہی ہے۔"

"کھانا بن گیا ہے تو ان کو بلاؤ۔ کہیں بھوکی ہی نہ سو جائیں۔"

"اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ زمانہ گزر گیا۔ انھوں نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ کیونکہ آپ کو تو پتہ ہے میں صرف ایک ہی وقت اب کھانا بناتی ہوں کہ پیٹ اتنا بھر جائے جو زندگی کو جاری رکھے۔"

اُس نے ایک ہی آواز دی دونوں آ گئیں۔ چاروں نے چپ چاپ کھانا کھایا۔ اب نہ فاطمہ نے کہا میری پلیٹ بھری ہے نہ سائرہ نے اُس کی پلیٹ میں کچھ ڈالا۔ لیہ نے تینوں کو تھوڑا تھوڑا دیا۔ خود اُن سے بھی تھوڑا لیا۔ اتنا کھانا تھا جس سے خانہ پوری ہوئی، نہ کوئی بھوکا رہا نہ کسی کا مکمل پیٹ بھرا۔ کسی نے شکایت بھی نہیں کی کیونکہ اُن کو بھی علم تھا اتنا ہی ہے جتنا مل گیا ہے۔ وہ دونوں کھانا کھا کر چلی گئیں تو حسین۔

"اب راشن کتنا ہے؟"

"میں کھینچ کر دو ہفتے گزار لوں گی۔"

"کوئی پیسہ گھر میں بچا ہے۔"

سر ہلاتے ہوئے لیہ "نہیں۔"

دُکھ بھرے لہجے میں۔"فاطمہ کی پڑھائی کے لیے تھے۔ اب کیا میری فاطمہ نہیں پڑھ پائے گی۔"

اُس کو تسلی دیتے ہوئے لیہ۔"زندگی ہوئی تو اور آ جائیں گے۔ کیا آپ اُس کے لیے کچھ نہیں کریں گے؟"

بڑے پر جوش انداز میں۔ ''زندگی نے ساتھ دیا تو بہت کچھ۔''

''جب تک فاطمہ کا باپ ہے اُس کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ فاطمہ کے مستقبل کو روشن کرتا رہے گا۔''

☆......☆......☆

رافع کے بارڈر کو زندگی کی علامت سمجھتے ہوئے ایک کیا ہزاروں خاندان اُس کی طرف چل پڑے۔ بعض کے پاس سواری تھی بعض کیا زیادہ تر پیدل تھے۔ سردی بھی تھی جو اِن کے سفر کو مشکل بنا رہی تھی۔ فاصلے لوگوں کو تھکانے کے لیے تھا۔ خاندان میں بچے، عورتیں اور بوڑھے بھی تھے۔ یہ لوگ زیادہ مشقت تو کرنے کے قابل نہ تھے۔ مگر زندگی کی اُمید اِن کو سفر کی مشکلات پر قابو پانے کے لیے کافی تھی۔ جہاں لوگ تھکنے لگتے وہاں زندگی کا سوچ کر آگے بڑھنے لگے۔ پیدل جانے سے بچے تھک جاتے تو والدین اُٹھا لیتے۔ اِن لوگوں میں حسین کے ہمسائے بھی تھے جو خاندان کے پانچ افراد تھے۔ دو بچے میاں بیوی اور ایک بوڑھا باپ۔ چلتے چلتے بوڑھا تھک جاتا تو ننھا سا پوتا اُس کو بیٹھنے کا مشورہ دیتا۔ بچی والدین کو اُن کے لیے رکنے کا کہتی۔ سب مل کر بیٹھے جاتے ستاتے۔ جو ساتھ لائے تھے وہ تھوڑا باپ کو اور تھوڑا بچوں کے منہ میں ڈالتے۔ خود زیادہ کوشش کرتے نہ ہی کھائیں۔ یوں وہ سفر کو جاری اور ساری رکھے ہوئے تھے۔ بعض کمزور لوگ تو راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ اُن کے پیاروں نے مٹی کے گاڑھے کھود کر اُن کو وہیں دفن کیا اور آگے نکل گئے۔ سردی سے بچے بیمار ہو رہے تھے۔ مگر منزل کا سوچ کر بچوں کی بیماری کو نظر انداز کر رہے تھے۔ ویسے بھی راستے میں بیماری کا کیا کر سکتے تھے۔ گرتے گراتے لوگ مصر کے بارڈر پر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچے تو پتہ چلا جس اُمید پر وہ آئے تھے اُس کی تکمیل ممکن نہیں۔ وہ رافع کے بارڈر کے پار نہیں جا سکتے۔ جب آپ خواب بنا کر منزل پر پہنچو تو پتہ چلے وہ منزل ہی نہیں تو آپ بکھر کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہو۔ یہی حال اِن بے بس اور بے نوا لوگوں کا تھا۔ سب نے ٹھان لیا تھا واپس نہیں جائیں گے۔ لوگ ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ اِس اُمید پر کہ شاید اُن کو اِن لوگوں کی بے چارگی پر ترس آجائے اور وہ اُن کو اپنے ملک میں آنے دیں۔ اُن لوگوں کے پاس نہ تو

کھانا تھا اور نہ ہی سر چھپانے کے لیے چھت پھر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بیٹھے رہے وہ پتھر کے بت بنے دیکھتے رہے۔ بچے بیمار ہونا شروع ہو گئے۔ وہ اُن کو ہسپتال میں بھی بچوں کو نہیں لے جانے دیتے تھے۔ اُن پر کسی چیز کا اثر نہ ہوتا تھا۔ ایک بچہ بیمار ہوا تو ماں نے سپاہی کی بہت منت سماجت کی مگر سب بے سود۔ آخر کار اُس نے اُس کو رشوت کے طور پر پیسے دیئے تو اُس نے ماں کو بچے کو ہسپتال لے جانے دیا۔ مگر ہسپتال میں انھوں نے بے کس سمجھ کر دل کھول کر نہ صرف اُس بچے کا علاج کیا بلکہ مدد بھی کی۔ اب یہ تو رواج پڑ گیا تھا۔ پیسے لے کر وہ بیماروں کو ہسپتال لے جانے دیتے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے جب لوگ مختلف بیماریوں کا شکار ہونے لگے۔ سردی کو بھی نہ روک سکے تو مجبور ہو کر ویسے ہی جوق در جوق واپس جانے لگے جیسے آئے تھے۔

ناکام لوٹنا مشکل تھا مگر کیا کرتے۔ آنے کا راستہ لمبا تھا مگر جانے کا راستہ اُن کو آسان لگا۔ وجہ نفسیاتی اثر تھا کیونکہ آگے پتہ تھا ٹھکانہ ہے چاہے موت کی آغوش میں ہی کیوں نہیں۔ اپنا تو ہے۔ کہتے ہیں نا اپنی گھٹیا پرانے محل سے بہتر ہوتی ہے یہی سچ تھا۔ جیسے ہی حسین کے ہمسائے واپس لوٹے تو خبر لیہ تک بھی پہنچ گئی۔ ہمسائی نے لیہ کو یہ بھی بتایا کہ اُن کے حصے میں صرف تھکان آئی ہے اور کچھ نہیں باقی سارا خرچ ہی تھا۔

شام کو حسین گھر آیا۔ وہ آج پر خالی ہاتھ آیا مگر لیہ نے اُس کو کوئی احساس دلائے بغیر اُس کو احساس دلایا کہ اُس کا فیصلہ درست تھا۔

''وہ صرف تھکان لے کر لوٹ آئے۔ شکر ہے ہم نہیں گئے تھے۔'' اندر سے اپنے درست فیصلہ پر خوشی محسوس کرتے ہوئے جو اس پریشانی میں ایک بڑے محرک سے کم نہ تھی۔

''اِن لوگوں کو رافع کا بارڈر وہ باغ نظر آ رہا تھا جس میں داخل ہوتے ہی وہ امن و سلامتی پا لیں گے۔''

سوالیہ انداز میں لیہ۔ ''کیا ایسا نہیں تھا۔''

''ایسا تھا یا نہیں۔ یہ الگ بحث ہے۔ مگر لوگ یہ بھول گئے تھے کہ اِس میں انٹری کے لیے باغ کا شہری ہونا لازمی شرط ہے۔ جس کو وہ پورا کرنے کے اہل ہی نہیں تو انٹری کیسے ہو گی؟''

"باغ تو مسلمانوں کا ہے۔ یہ سوچ کر ہی لوگ بھاگے تھے۔ مسلمان ہونے کی نسبت سے کوئی کیا کہے گا۔ سب ایک ہی تو ہیں۔"

"اگر آج کا مسلمان دوسرے کو بھائی سمجھے تو پھر نا۔

وہ صرف مدینہ کے مسلمان تھے جنھوں نے لٹے پٹے آنے والے مسلمانوں کو بھائی جانا اور سب کچھ دے دیا۔

آج کا مسلمان پریکٹیکل ہوگیا ہے۔

وہ دیکھتا ہے کتنے لوگ آئیں گے تو ہمارے کتنے وسائل خرچ ہوں گے؟

ہمارے پاس کیا بچے گا؟

کہیں ہم تو بھوکوں نہ مرنے لگ جائیں؟

ہماری جگہ کم نہ پڑ جائے؟"

"یہ تنگ دل نہیں۔"

"یہ ایمان کا خاتمہ ہے۔"

سوچتے ہوئے لیہ۔" وہ بتا رہی تھی امداد کا بہت سا سامان بارڈر پر روکا ہوا ہے مگر ادھر نہیں آسکتا۔"

"یہ اسرائیل نے روک رکھا ہے۔ ورنہ ابھی بھی دنیا میں جو خدا ترس لوگ ہیں وہ بھوکوں نہ مرنے دیں۔

یہ قحط قدرت کی طرف سے نہیں بلکہ انسان کا پھیلایا ہوا ہے۔"

"جس نے پھیلایا ہے اُس کے ساتھ پیٹ نہیں لگا۔ اُس کے گھر میں بچے، بیوی اور بوڑھے والدین ہیں۔ اُس کو نہیں پتہ ایک دن کھانا نہ ملے تو کیا ہوتا ہے۔"

"جس تن لگے صرف وہی جانے۔"

"بم سے تو چاہے لوگ نہ مریں مگر اِس بھوک سے ضرور مریں گے۔"

''بین الاقوامی سطح پر لوگ دیکھ رہے ہیں

دیکھو! کب تک یہ لوگ اُن کے سامنے ڈٹتے ہیں۔

آخر کار ہارنا پڑے گا۔ ہر رات کے بعد صبح ضرور ہوتی ہے۔''

''انشاءاللہ! ضرور......ضرور ہوگی۔''

اِس دوران فاطمہ۔ ''امی! بھوک لگی ہے۔''

وہ اٹھی کچھ سوکھی ہوئی کھجوریں لا کر اُس نے فاطمہ کو دیں۔ اُس نے چپ کر کے پکڑ لیں اور کھانے لگی بغیر بحث کے۔ وہ فاطمہ جو بوٹیاں بھی کھاتے ہوئے نخرے کرتی تھی۔ اِس کو بھوک کہتے ہیں۔ جو مجبور کر دیتی ہے۔ دوسرے تو کچھ مانگتے بھی نہیں تھے۔ بیٹی کو دیکھ کر حسین کی آنکھوں میں آنسوا گئے مگر اُس کو پتہ نہ چلنے دیا۔ اُس کے جاتے ہی حسین۔

''کل میں خالی ہاتھ نہیں آؤں گا۔ یا تو کھانا لاؤں گا یا پھر نہیں آؤں گا۔ اب مزید نہیں......اور نہیں......''

''آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔''

اِن کی باتیں سارہ نے بھی سن لی تھیں۔ جلدی سے۔ ''ہم بھی کھانا نہیں مانگیں گے۔ بس اللہ کو سلامت رکھے۔''

بیٹی کے الفاظ نے ماں باپ دونوں کو رُلا دیا۔ خود سائرہ بھی رو پڑی اُس کو محبت کا احساس دلاتے ہوئے حسین۔ ''آپ نے تو ابھی بھی نہیں مانگا۔''

''ابو! اب فاطمہ بھی نہیں مانگے گی۔ میں اُس کو سمجھا لوں گی ہم اکٹھے جئیں گے اور اکٹھے مریں گے۔''

''میں چاہتا ہوں۔ میری نسل جیئے میری خیر ہے، میں نے تو گزار دی۔ تم فاطمہ کو کچھ مت کہنا۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائے گا۔''

مزید حوصلہ دیتی ہوئی لیہ۔ ''یہ سب زندگی ہے جس میں اونچ نیچ آتی رہتی ہے۔''

تلاش ایک کھوج ہے جو بعض اوقات منزل کی طرف لے جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے

راستوں پر جن کا ہم گمان بھی نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو گمان نہ ہو تو آپ سانپ پر پاؤں رکھ کر بھی گزر جاتے ہو۔ اگر گمان ہو تو راستے میں آنے والا ایک ایک کانٹا ڈراتا ہے۔ پھر تو ایک قدم اُٹھانا بھی مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ ڈر پاؤں سے لپٹ جاتا ہے۔ گھر سے حسین نکلا تو اُس کے ذہن میں فاطمہ فاطمہ کی شرارتوں اور سائرہ اور فاطمہ کی شکایت نہ کرنے والی بھوک کو ختم کرنے کی کھوج تھی۔ وہ خود میں کھویا کھویا ہوا تھا۔ اُس کو گمان بھی نہ تھا کہ اِس گمان میں کہاں کہاں جا سکتا ہے یا اِس تلاش کی منزل کیا ہے۔ اُس کی نظریں ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہوں۔ وہ جہاں جہاں سے گزر رہا تھا وہاں کی ایک ایک چیز کی تلاش نظروں سے لے رہا تھا۔ شاید یہاں پر ہی کہیں اس کی بیٹیوں کی خوشیاں ہوں۔ اِس تلاش میں وہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ سانپ کہاں کہاں چھپے بیٹھے ہیں جو اُس کو ڈسنے کے لیے تیار ہیں۔ بعض اوقات نظر آتے ہوئے بھی نظر نہیں آتے، کیونکہ تلاش بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ وہ تو اُن گھروں کی بھی تلاشی لے رہا تھا جو کھنڈر بن گئے تھے۔ وہ اُس علاقے کے بار بار چکر کاٹ رہا تھا جو اُس کو مشکوک بنا رہے تھے۔ اِن کھنڈرات میں بندوقیں لیے اسرائیلی فوج ہر بندے کی حرکاتوں سکنات کو دیکھ رہے تھے۔ اُن کو حسین پر شک ہونے لگا۔ کیونکہ وہ کبھی اِدھر دیکھتا کبھی اُدھر، پھر آگے چل پڑتا۔ وہ سمجھ گئے ضرور جاسوس ہے۔ جو حالات کا جائزہ لے کر حماس کے لوگوں کو بتا رہا ہے۔ دو تین مرتبہ تو اُنھوں نے جانے دیا پھر روک لیا۔ انھوں نے یہ نہیں دیکھا اور نہ ہی سوچا اِن حالات میں لوگ کس چیز کو تلاش کر رہے ہیں۔ جیسے حسین نے گمان ہی نہ کیا تھا کہ وہ اُس کو دیکھ رہے ہیں۔ انھوں نے بھی اُس کی اپنی بیٹیوں کی بھوک مٹانے کی تلاش کو نظر انداز کیا۔ حالانکہ اُن کو پتہ تھا آج کل بھوک عروج پر ہے ہر کوئی اِس کو مٹانے کی کوشش میں ہے۔ وہ خود بھوکے نہ تھے اُن کو یہ درد بھلا کیسے محسوس ہو سکتا تھا۔ ایک نے ہچکچاہٹ محسوس کی تو دوسرے نے فٹ سے اُس کی تلاشی شروع کر دی۔ جب کچھ نہ نکلا تو تیسرے نے مرغا بننے کا حکم صادر کر دیا۔ بے ہتھیار اور بے بس تھا اِس لیے حسین نے حکم کی تکمیل کی۔ چونکہ کئی دِن سے پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھایا تھا لہٰذا زیادہ دیر پاؤں پر جم کر مرغا بننے کی سکت بھی نہ تھی۔ چند منٹ بامشکل گزرے ہوں گے گر پڑا۔

غصے سے اسرائیلی فوجی۔ ''باسٹرڈ بیچ ڈرامہ کرتا ہے۔''

دوسرا ٹانگ مارتے ہوئے۔ ''اِن لوگوں کے ناٹک پر دھیان مت دینا۔ یہ فریب دینے کا اِن کا طریقہ ہے۔''

بڑے غرور کے ساتھ چلتے ہوئے تیسرا فوجی آگے آیا اور بولا۔ ''تم دونوں بحث ہی کرتے رہو گے یا کچھ کرو گے بھی یا نہیں۔''

''ہم اِس کو مارنا نہیں چاہتے بس راز چاہتے ہیں۔''

''پھر تم دونوں بحث کرتے رہو جس کا کچھ حاصل نہیں۔ میں اِن لوگوں کو جانتا ہوں۔''

اُس نے بندوق سیدھی کی اور گولیوں سے حسین کو بھون دیا۔ اس کی نکلتی ہوئی سانسیں اُن کے ظلم کو دیکھ رہی تھیں۔ آنکھیں پتھر کی ہو گئیں جیسے یقین ہی نہ آ رہا ہو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی سانسوں کے ساتھ فاطمہ اور سائرہ کے لیے بھوک مٹانے کی تلاش بھی ختم ہو گئی۔

اب حسین ایک گزری ہوئی کہانی بن گیا۔ جس کا اگر کوئی گواہ ہوا تو دُنیا کے سامنے آ جائے گی ورنہ دوسری گم نام کہانیوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے گی۔ یہ کہانی مرے ہوئے کو مارنے والی تھی۔ طاقت کے نشے میں کون کب دیکھتا ہے آگے مظلوم ہے یا گناہ گار، تحقیق کر کے دیکھا جائے۔

اگر آپ سو گناہ گاروں کو مارتے ہو اور اُن کے ساتھ ایک بے گناہ مرتا ہے تو آسمان ہل جاتا ہے۔ مگر یہ انسان سو بے گناہ گاروں کو بھی مار کر نہیں ہلتا۔ انسان کو لگتا ہے طاقت اُس کے پاس ہے تو کوئی اُس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

بیٹیوں کی بھوک ختم کرنے کی تلاش میں گھر سے زندہ نکلا حسین چار بندوں کے کندھوں پر گھر پہنچا۔ گھر میں موجود تین بے بس عورتیں اِن ظالموں کا کیا کر سکتی تھیں۔ انھوں نے آنسوؤں کو سہارا جان کر فریادیں کیں۔ جن آنکھوں میں کبھی شرارتیں تھیں اب آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بھی خاموش نہیں تھے۔ ساتھ فاطمہ کی آواز بھی تھی۔ ''ابو! آپ باہر کیوں گئے، ہمیں بھوکا مرنے دیتے، کم از کم آپ زندہ تو رہتے۔ آپ کے ساتھ ہی سب بہاریں تھیں۔''

بچی تھی بول رہی تھی۔ مگر سائرہ کے پاس کوئی الفاظ نہ تھے۔ صرف آنسو تھے۔ لیے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ اُس کی تو دنیا اُجڑ گئی تھی۔ سب کو لگ رہا تھا اب وہ بھی مزید نہیں رہیں گے۔

یہ قیامت خیز دن بھی گزر گیا۔ جو چار لوگ ہمدردی میں اِس دن جمع ہوئے تھے وہ بھی اپنے اپنے ٹھکانوں میں جا پہنچے۔ اِس آگ کی گرمی صرف حسین کی فیملی پر تھی۔ دو دن تو تینوں دبکی بیٹھی رہیں پھر لیے بیٹیوں کو دیکھ کر ہوش میں آئی۔ کیونکہ مسلسل بھوکے رہنے سے فاطمہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ شوہر کو تو کھو بیٹھی تھی مگر بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے نہیں کھونا چاہتی تھی۔

''امی! فاطمہ بول نہیں رہی۔ کچھ کریں۔''

اپنے غم کو بھول کر لیے بھاگی۔ فاطمہ کے ہاتھ پاؤں ملے پھر۔ ''سائرہ! کچن میں مَیں نے کچھ کھجوریں اِسی دن کے لیے رکھی تھیں لے کر آؤ۔''

وہ بھاگی چیزوں کو اُوپر نیچے کرتے کرتے دس کھجوریں ڈھونڈ لائی۔ ایک کھجور کو پانی میں ڈال کر اُس کے منہ میں ڈالا تو فاطمہ کو توانائی اندر پہنچی تو ہوش آیا۔ پھر اُس کو تین کھجوریں کھلا دیں۔

اِن سات کھجوروں کے ساتھ تینوں نے دو دن گزارے۔ کوئی اُن کی کیا مدد کرتا ہر ایک کے گھر میں کھانے کے ہی لالے پڑے ہوئے تھے۔ سب کے روزگار بند تھے۔ چیزوں کی آمدورفت بھی بند تھی۔ پھر سائرہ کی کہانی آنسوؤں کے ساتھ ختم ہوئی۔ سائرہ ''یوں دو دِن کے بعد میں نے ڈرون سے کچھ گرتے دیکھا ساتھ ہی دھواں بھی اُٹھ رہا تھا۔ میں بھاگی ہی تھی کہ پھر مجھے کچھ نہیں پتہ امی فاطمہ اور میں کہاں ہیں۔ جب ہوش آئی تو اِس کمرے میں تھی۔''

سب کی آنکھیں نم تھیں مگر الفاظ نہ تھے۔ ناشتے کو کھانا تو دور کی بات یہ بھی نہ یاد رہا سامنے کیا پڑا ہے۔ اُٹھ گئے۔

جاتے جاتے سائرہ سے۔ ''آج آپ گھر پر رہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''اُس نے بھی ضد نہ کی کیونکہ کہانی سناتے سناتے وہ اِن سارے حالات سے دوبارہ گزری تھی۔ اُن حالات کے سفر نے سائرہ کو ذہنی اور جسمانی طور پر توڑ دیا تھا۔ اِن ٹوٹی ہوئی کرچیوں سے لہو

بہہ رہا تھا۔ اُس میں اُن کو سمیٹنے کی سکت نہ تھی۔ اِس لیے اُن کے جاتے ہی وہ نڈھال ہوگئی۔ آنکھوں سے لہو آنسو کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ یہ آنسو کچھ کو کھو دینے اور کچھ کے بچھڑ جانے کے غم کی وجہ سے تھے۔ جن کو وہ روک نہیں سکتی تھی ورنہ اندر پھٹنے کا اندیشہ تھا۔

راستے میں سالک انشال سے۔ ''بڑے مشکل حالات سے گزری ہے سائرہ۔ اِس کا سروائیو کرنا ہی ایک معجزہ ہے۔ پتہ نہیں آگے اِس کو کیا کیا دیکھنا ہے؟''

اُس کے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے ہمدردانہ انداز میں انشال۔ ''جب تک ہمارے ساتھ ہے، ہم کوشش کریں گے اِس کی چھاؤں بنیں۔''

اُس کو یہ احساس دلانے کے لیے بولو تو سوچ کر کہ کرکے دیکھنا ہوتا پھر واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا سالک۔ ''چھاؤں بننا آسان نہیں۔ اِس کا مطلب ہے کسی کے ساتھ آگ کا دریا پار کرنا۔''

اُس نے بھی سالک کو باور کروانا چاہا کہ وہ تول کر بولتا ہے اِس لیے انشال۔ ''اِس کا اندازہ مجھے ہے۔ چھاؤں بننا کیا ہے؟

کیا آپ سائرہ کو اِن حالات میں چھوڑ جائیں گے۔''

فٹ سے سالک۔ ''ممکن ہی نہیں۔ بلکہ میری کوشش ہوگی جتنا ہو سکے اُس کو پریشانیوں سے دور رکھا جائے۔''

''میں بھی اُس کے لیے یہی سب کرنا چاہوں گا۔ اِس درس کے ساتھ ہم گھر سے چلے تھے۔ مزید یہ کہ آپ کے ساتھ نے بھی مجھے یہی سکھایا ہے۔''

''کوئی کسی کو کچھ نہیں سکھا سکتا جب تک وہ خود نہ سیکھے۔''

سارا دن ہسپتال میں دونوں شعوری لاشعوری طور پر سائرہ کے گھر والوں کو ڈھونڈتے رہے۔ یہ اثر ہوتا ہے ساتھ رہنے کا۔ ورنہ کتنی سائرہ تھیں جن کے گھر والے لاپتہ تھے۔ اُن کو تو وہ نہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ اُن کی توجہ کا مرکز بن جاتی۔ پھر وہ اُس کے بارے میں سب کچھ جاننے کی کوشش کرتے۔ ناکام ہونے پر آگے بڑھ جاتے۔

بڑے اُداس سے انداز میں سالک۔ ''ساتھ رہتے رہتے ہمارے اور اُس کے درمیان مضبوط مشروطیت قائم ہوگئی ہے۔ اِس کے پیچھے کوئی مفاد نہیں۔ بلکہ ایک عالمگیر جذبہ ہے۔ جس کو انسانیت کہتے ہیں۔ اِس عظیم جذبے کی بنیاد بھی عظیم انسان حضرت محمد e سے رکھی تھی۔ جب انسانیت کو ڈوبتے ہوئے محسوس کیا۔ جب مظلوم کی آواز سننے والا کوئی نہ تھا، آپ e آواز بنے۔''

بڑے بے بس انداز سے انشال۔ ''کیا ہم بن پائیں گے اِن مظلوموں کی آواز۔''

''بنیں گے یا نہیں...... پتہ نہیں...... لیکن کوشش ضرور کریں گے جتنی ہو سکے گی۔''

''اس جذبے کے تحت ہم صرف کام کرتے ہیں۔''

''بالکل درست اور کرتے رہیں گے۔ کیونکہ ہمارا مقصد چراغ جلانے کی کوشش کرنا ہے۔ وہ بھی وہ چراغ جو محسن انسانیت نے جلا کر پوری دنیا کو روشن کر دیا تھا اور چھوڑ دیا تھا۔''

''تا کہ انسانیت کے اِس چراغ سے دنیا قیامت تک روشنی لیتی رہے۔''

رات کو گھر پہنچے تو اُن کے ذہن میں سائرہ ہی تھی تو سالک آدمی سے۔ ''کیسی حالت رہی سائرہ کی؟ کیسے اُس نے دِن گزارہ؟''

''حالت ویسی ہی رہی جس میں آپ چھوڑ گئے تھے۔ جہاں تک دن کا تعلق ہے تو رو کر گزارا۔''

دکھ کا اظہار کرتے ہوئے سالک۔ ''شاید! ہم نے اُس کے زخم کرید دیئے ہیں۔ اب ہم مزید اُس سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔ اِسی طرح ہی وہ اپنے غم مٹانے میں کامیاب ہو جائے۔''

اُس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے انشال۔ ''آپ نے صحیح کہا بھائی۔''

''اُس نے کھانا کھایا۔'' مزید سالک۔

''نہیں، میں نے پوچھا بھی تھا۔ مگر میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔''

اُس کو سراہتے ہوئے سالک۔ ''بہت اچھا کیا تا کہ وہ خود سے لڑ کر بہادر ہو جائے۔ اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دو۔''

وہ تو تازہ دم ہو گئے آدمی اُن کے لیے کھانا لے آیا۔ وہ کھانا رکھ کر چلا گیا۔ مگر باہر جا کر جیسے ہی

اُس کے کانوں میں سائرہ کے متعلق اُن کی باتوں کی آواز پڑی اُس کے پاؤں رُک گئے۔ آخر کو وہ اُس کی ہم وطن تھی دوسرا اُس کو بھی اُس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ اِن کے بھی خیالات جاننا چاہتا تھا۔ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ سائرہ کی بھلائی چاہتے بھی ہیں یا نہیں۔

دکھ بھرے لہجے میں سالک۔ ''اگر اِس کی ماں اور بہن اِس دنیا میں نہیں تو سائرہ کو پتہ نہ ہی چلے تو بہتر ہے۔ تا کہ سائرہ زندگی کو جاری رکھ سکے۔ ورنہ سائرہ زندگی کو جاری نہیں رکھ پائے گی۔ سب کے ختم ہو جانے کا صدمہ سائرہ کے لیے جان لیوا ثابت ہو گا۔ جو اچھا نہیں۔''

''آپ کی بات میں وزن ہے۔ مجھے یاد ہے وہ ہسپتال والی لڑکی رو رو کر اور چیخ چیخ کر مر گئی تھی۔''

''جب تک نہیں ملیں گے اِس کے اندر ایک آس رہے گی۔ کبھی نہ کبھی ملنے کی آس جینے کے لیے کافی ہے۔''

اُس کی بات سے متفق ہوتے ہوئے انشال۔ ''اُس سے انسان پہاڑ سر کر لیتا ہے۔ سائرہ زندگی کو سر کر لے گی۔''

دُکھ بھرے انداز میں سالک۔ ''اگر پتہ چلے بھی تو بہت دیر سے تا کہ پہلے زخم مندمل ہو جائیں۔ اتنی دیر میں نئے زخم سہنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس عرصے میں انسان زندگی کے نئے غموں کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اوپر تلے زخم سہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پہلے کے نشان نئے زخم کے گھاؤ کو اور گہرا کر دیتے ہیں۔ وہ بڑھتا بڑھتا روح تک جا پہنچتا ہے۔ روح کے زخم زندگی کو ختم کیے بغیر نہیں جان چھوڑتے۔

آؤ! کوشش کرتے ہیں اِس کی روح بچ جائے۔

روح بچ گئی تو سب خیر ہے۔ زندگی چل پڑے گی۔''

''سالک بھائی! آپ تو سائیکالوجسٹ بن گئے ہیں۔''

''اِس سائیکالوجی کے لیے سائیکالوجی کو پڑھنا ضروری نہیں۔ یہ زندگی سکھاتی ہے۔''

اِس قدر مثبت سائرہ کے لیے خیالات نے آدمی کو بہت متاثر کیا۔ وہ بھی سائرہ کا بھلا چاہتا تھا۔ وہ بھی چاہتا تھا اُس کی زندگی جاری رہے۔ وہ دونوں سائرہ کے کمرے میں گئے دروازے پر دستک

دی۔ اُس نے اندر آنے کے لیے کہا۔ اندر گئے تو دیکھا وہ پتھر کی بنی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ جو زندگی کی رمق تھی وہ بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ شاید دوبارہ حالات کا اعادہ کرنے سے دُہری تکلیف سے گزری تھی۔ اُس کو دیکھ کر سالک۔

''آپ دوبارہ ہسپتال آنا شروع کریں بہت سے لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے۔ ضرورت تو آپ کو پتہ ہے کیا ہوتی ہے۔''

بڑے دکھی لہجے میں سائرہ۔ ''مجھ سے بہتر ضرورت کو کون جان سکتا ہے۔ میں تو اِس کے ہر مراحل سے گزری ہوں۔''

''تو پھر کوشش کریں آپ کی جو ضرورت پوری نہیں ہوئی، آپ دوسروں کی پوری کر کے اطمینان حاصل کریں۔''

چپ کھڑا انشال بڑے مہذب انداز میں۔ ''اِس سفر میں آپ اکیلی نہیں ہیں، ہر موڑ پر ہم دونوں آپ کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔''

''پہلے ہی آپ دونوں نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ میں آپ لوگوں کی شکر گزار ہوں۔''

اُس کے اظہار تشکر سے منکسر ہوتے ہوئے انشال۔ ''اِس کو انسانیت کہتے ہیں۔''

بڑے غصے اور دُکھ سے سائرہ۔ ''جو کچھ یہاں فلسطینیوں کے ساتھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اِس کو انسانیت کی زبان میں کیا کہتے ہیں۔

کیا انسانیت کی تاریخ میں پہلے کبھی ایسا ہوا ہے؟

کیا مزید ایسا ہوتا رہے گا۔

انسانیت کے علم بردار اب کہاں ہیں؟

کسی کو کچھ نظر نہیں آرہا۔ بچے بھوک سے مر رہے ہیں،

لوگوں کے گھر اُجڑنے کے ساتھ زندگیاں زہر بن رہی ہیں۔

اِس لیے اِس زمانے میں آپ انسانیت کی بات نہ کریں۔

ورنہ میرے جیسے کئی کا دل پھٹ جائے گا اور زبان زہر اُگلے گی۔"

اُس کے اِن سوالوں کے بعد انشال کیا سالک کے پاس بھی کوئی جواب نہ تھا۔ کہتی تو وہ ٹھیک تھی، جنگ لڑنے کے بھی اصول ہوتے ہیں۔ مگر اِس جنگ میں اسرائیل سب اُصول بھول گیا تھا۔ اُس کو صرف اور صرف اپنا مقصد یاد تھا۔ لوگوں کو اُس نے کھلونوں کی طرح توڑا تھا۔ جن کے ٹوٹنے سے نہ تو خون بہتا ہے اور نہ ہی جذبات اور احساسات کا خون ہوتا ہے۔ صرف کرچیاں بکھرتی ہیں۔ وہ بھی دوسروں کو زخمی کرتی ہیں۔

مگر یہاں پر خون بھی بہا اور کرچیاں نہ بکھریں اور نہ انھوں نے دوسروں کو زخمی کیا کہ وہ اُن کا درد جانے۔ یہاں صرف لوگوں نے خود کو ہی درد دیا تھا۔

انسانوں سے اچھے کھلونے ہی ہیں توڑنے والوں سے بدلہ تو لے لیتے ہیں مگر انسان تو اِن سے بھی زیادہ بے بس ہے۔ جب کوئی بے بس ہوتا ہے تو بدلہ کوئی اور لیتا ہے وہ ہے "قدرت"۔ قدرت جب بدلہ لیتی ہے تو ظلم کرنے والا گمان بھی نہیں کر سکتا۔ وہ کیسے بدلہ لیتی ہے۔

اِس لیے ہر ظلم کرنے والے کو سوچ سمجھ کر ظلم کرنا چاہیے۔ ظلم بھی اتنا کرے جتنا اُس میں بدلہ دینے کی سکت ہو۔ ماضی میں نظر دوڑاؤ تو دیکھو، فرعون نے ظلم کیا تو انجام کیا ہے؟

اب تک پوری دنیا کے لیے نشانِ عبرت ہے۔ مگر پھر بھی کوئی نہیں سمجھتا۔ میں تو سمجھتی ہوں فرعون مرا نہیں۔ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی فرعون آیا ہے۔ اُس کا بھی انجام قدرت نے وہی کیا ہے مگر پھر بھی کسی نے سبق نہیں سیکھا۔ بلکہ اُس سے بڑھنے کی کوشش کی ہے۔

انسان جتنا ناسمجھ ہے شاید ہی کوئی ہو جو ایک کھائی میں گرتا ہے تو دوسرا سبق سیکھنے کی بجائے وہی کچھ کرتا ہے اور کھائی میں پہنچ جاتا ہے۔ اِس کا مطلب یہی ہوا انسان بہت بے وقوف ہے۔ عقل مند کے لیے تو اشارہ ہی کافی ہے، اُس کو مثال کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ نے تو انسان کو مثالیں دے دے کر بتایا ہے کہ پھر انسان کی شکل میں رسول اور نبی بھیجے۔ مگر پھر بھی وہی کچھ سوائے چند لوگوں کے۔

دراصل انسان بھول میں مارا جاتا ہے۔ ظلم کرتے ہوئے انسان کو لگتا ہے کبھی یہ وقت مجھ پر نہیں آئے گا۔ میں نے ہمیشہ اوپر رہنا ہے اور سامنے والے نے ہمیشہ محکوم۔ سامنے والے تو مر رہے ہیں لیکن میں نے کبھی بھی نہیں مرنا۔ اگر ہر کوئی سوچ کہ اُس نے بھی مرنا ہے اور اللہ کو جواب دینا ہے تو پھر وہ یہ کبھی بھی نہ کرے۔ بلکہ سوچ کر بھی ڈر جائے۔ یہ ڈر اُس کو بچالے اور دوسروں کو بھی اُس کے ظلم سے۔ مگر یہ ڈر آئے کہاں؟ کیونکہ انسان نے سوچنا ہی نہیں۔ جب سوچ نہیں تو موج ہی موج ہے۔ ہر کوئی کچھ بھی کرنے سے پہلے رُک کر جانے کہ وہ کر کیا رہا ہے؟ اِس سے دوسروں پر کیا اثر ہوگا؟ دوسروں پر ظلم تو نہیں ہو جائے گا؟

یہ سوال انسان کو کچھ بھی غلط کرنے سے روک لیں گے۔ پھر دنیا جنت بن جائے گی۔ سب آسان زندگی جئیں گے۔

جاتے جاتے سالک۔ ''کیا آپ انسانیت کو زندہ کرنے کی کوشش نہیں کر سکتیں؟ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔

میرے الفاظ پر غور ضرور کیجیے گا۔

آپ کی روح میں ایسی طاقت آئے گی کہ آپ اپنا غم کہیں رکھ کر بھول جائیں گی۔ صرف موقع محل پر اُسکے پاس جائیں گی۔''

وہ لوگ تو چلے گئے مگر سائرہ کو زندگی کے لیے ایک نیا راستہ دے گئے۔ جس نے اُس کو اپنے غم سے نکل کر دوسروں کے غم دیکھنے کے قابل کر دیا۔ اُس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اب وہ پہلے کی طرح روز بروز اُن کے ساتھ ہسپتال جانے لگی۔ دوسروں کے زخم مندمل کرنے کی کوشش کرتی۔ آنسو صاف کرتی کبھی کبھی چھپ چھپ کر اپنے غم پر رو دیتی مگر نشان نہ رہنے دیتی۔ اِس کے باوجود سالک اور انشال کو کوئی نہ کوئی نشان مل جاتا۔

وہ دونوں اُس پر چل کر مرہم رکھ دیتے جو اُس کو سکون دیتا تھا۔ یہ مرہم چونکہ خلوص نیت پر مبنی تھا، اِس لیے اِس کا اثر بھی عام مرہم سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ ورنہ صرف مرہم ہی تھا۔

وہ دونوں ہر وقت سائرہ کے لیے چھاؤں بنے رہتے تھے۔ اُس کو عزت دیتے۔ سائرہ بھی اُن کی عادت ہوگئی تھی۔ وہ اُن کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب کبھی وہ سوچتی کہ وہ لوگ چلے جائیں گے تو اُس کی روح تک کانپ جاتی تھی۔ دعا کرتی کہ وہ کبھی نہ جائیں لیکن پھر خود سے کہتی جانے والوں کو کون روک سکتا ہے۔ پھر خود سے ہی کہتی اِن لوگوں نے مجھے اِس قابل بنا دیا ہے کہ میں زندگی کی دوڑ کو جاری رکھ سکتی ہوں۔ بس اِن سے محبت یا کہہ سکتے ہیں اُنسیت ہوگئی ہے۔

اِن دونوں کا سائرہ کے ساتھ سلوک نے آدمی کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سائرہ کا اِن میں مستقبل دیکھنے لگا تھا۔ وہ چاہتا تھا سائرہ مضبوط ہاتھوں میں چلی جائے کیونکہ اُس نے بہت دکھ دیکھے ہیں اور مزید نہ دیکھے۔ لیکن اُس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس سے پہلے بات کرے۔ کچھ دن سوچنے کے بعد اُس نے ہچکچاہٹ کے ساتھ سائرہ سے۔

"تم اِن دونوں میں کسی ایک کے ساتھ شادی کرلو۔ اچھے لوگ ہیں اور اچھے لوگوں کا ساتھ زندگی کو سہل کر دیتا ہے۔"

پہلے تو سائرہ نے حیرت سے آدمی کو دیکھا پھر بولی۔ "میں تو کرلوں پتہ نہیں وہ کرنا چاہیں یا نہیں۔"

"کیا شادی شدہ ہیں اور نہیں کریں گے۔"

"مجھے پتہ ہے شادی شدہ نہیں۔"

"اگر تم کہو تو میں بات کروں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر آپ کرنا چاہتے ہیں تو کرلیں۔"

اب وہ موقع کی تلاش میں تھا کہ بات کرے۔ ایک دن وہ سائرہ کی بات کر رہے تھے تو بڑی ہمت کر کے۔

"سر! سائرہ آپ لوگوں کو کیسی لگی ہے؟"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر سالک کو تو پہلے ہی آدمی پر شک ہو رہا تھا کچھ نہ کچھ ضرور کہے گا۔ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سالک۔ "اچھی ہے مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

''اگر آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو دونوں میں سے ایک اُس سے نکاح کر لے۔ اُس کو سہارا مل جائے گا۔''

اُن کو چپ دیکھ کر مزید وضاحت سے۔ ''آپ لوگ تو جانتے ہیں اُس کا اِس دنیا میں کوئی بھی نہیں۔ اگر یہاں سے جاتی ہے تو کہاں کہاں دھکے کھائے گی۔ آپ لوگوں نے بھی شادی کرنی ہے، اُس سے کرلو۔ کسی بے سہارا کو سہارا دینا بھی نیکی ہے۔''

انھوں نے ایسا سوچا بھی نہ تھا اِس لیے انہونی بات تھی۔ وہ تو اُس کے ساتھ ہمدردی کر رہے تھے مگر اُس آدمی نے اُن کو بتایا ہمدردی سے زیادہ بہتر ہے کسی کو ہمیشہ کے لیے اپنا لینا۔

بڑی سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سالک۔ ''ہم سوچ کر فیصلہ کر کے آپ کو بتا دیں گے۔''

وہ تو چلا گیا سالک انشال سے۔ ''زندگی میں ایک نیا موڑ آ گیا ہے۔ ایسے ہی موڑ آپ کی آزمائش کرتے ہیں اور زندگی کو نئے رنگ میں رنگتے ہیں۔''

''دیکھیں! اِن پریشان کن ماحول میں بھی زندگی کروٹ بدل رہی ہے تاکہ انسان ایک ہی صورت دیکھ کر مایوس نہ ہو جائے۔''

''یہ قدرت کا طریقہ ہے کانٹوں میں پھول کھلانے کا۔ شادی سے زندگی میں رنگ بھر جاتے ہیں۔''

پھر انشال کو غور سے دیکھتے ہوئے سالک۔ ''تم نے کہا تھا نا کہ اُس کی چھاؤں بننے کا۔

اب وقت آ گیا ہے۔ بن جاؤ۔''

''میں نے تو ہمدردی کی تھی اور کچھ نہ تھا۔''

''تمھاری زندگی میں تو کوئی نہیں، پھر بھی فیصلہ کرنے میں تذبذب کا شکار ہو۔ ایسا کیوں؟''

''سالک بھائی! آپ کی زندگی میں بھی کوئی اہم نہیں۔ آپ کیوں فیصلہ نہیں کر لیتے۔''

پہلے سالک نے انشال کو بہت غور سے پانچ منٹ دیکھا پھر بولا۔ ''اپنی زندگی میں حسینہ کے آنے کے بعد میں کسی لڑکی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ شادی تو دور کی بات ہے۔''

اُس کے اِس انکشاف نے انشال کو حیران کر دیا تھا۔ پہلے اُس کو لگتا تھا وہ پتھر کا ہے حسینہ کے

آنسو اُس پر اثر نہیں کرتے پھر لگتا تھا یہاں آ کر کہ اُس کو پچھتاوا اور احساس ندامت ہے۔ اُس نے اُس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اِس لیے اُس کو یاد کرتے ہیں۔ تصویر اِس لیے دیکھتے ہیں تا کہ اُس کو بھول نہ جائیں وہ اُس کا انتظار کر رہی ہے۔ دوسرا تصویر دیکھ کر کسی کے ساتھ کی ہوئی زیادتی یاد رہے گی۔

پھر حیرت سے نکل کر انشال سالک سے۔ ''آپ تو اُس کو چھوڑنے کے لیے تیار تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔''

''یہ ایک حقیقت ہے۔ جس سے مجھے انکار نہیں۔''

دُکھی لہجے میں بھری آنکھوں سے انشال۔ ''وہ رو رہی تھی مگر آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ تو انکل راستے میں آ گئے تھے ورنہ تو آپ طلاق دے چکے ہوتے۔''

بڑے دُکھ بھرے انداز میں سالک۔ ''پانی کی طاقت پتھروں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ پھر یہ تو میرا دل تھا۔ جس نے اُس کے لیے تڑپنا شروع کر دیا تھا۔ اگر میں اُس کو نہیں دیکھتا تھا تو ضد کر کے مجھے تم لوگوں کے دروازے پر لے جاتا تھا۔ جس دن میں تم کو دروازے پر چھوڑ کر آگے گھر گیا تھا، گھر جا کر اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا تھا۔ مجھے پتہ ہے میں نے کیسے اس پر ایک نہیں کئی پتھر رکھ کر چپ کروایا۔ مگر پھر بھی اِن پتھروں کے نیچے سے مجھے اِس کے تڑپنے کی آواز آتی تھی۔

وہ تو اُس کے پہلے آنسو کے پانی سے ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ لیکن ریزے کسی کو دکھائی نہیں دیتے۔

وہ آنسوؤں کے ساتھ میرے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ وہ پتھر جو میں نے دل پر رکھے تھے اُن کے ریزے میں سمیٹنے میں مصروف تھا۔ میری آنکھیں رونے کے لیے ضد کر رہی تھیں۔ میں اُن کو سمجھا رہا تھا۔ اگر تم چھلک پڑی تو سمجھو یہ جو سامنے کھڑی ہے پندرہ سال سے مزید مر جائے گی۔ آنسو اُس کی صرف آنکھوں سے نکل رہے تھے مگر میرے دل پر گر رہے تھے۔ وہاں سے خون کے آنسو بہہ رہے تھے۔ اِن آنسوؤں کی وجہ سے تو میں نے پانچ دن کی شرط رکھی تھی۔ وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی، حور سے کم نہ تھی۔ تم بھائی ہو تمھارے سامنے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

اصرار کرتے ہوئے انشال۔ ''نہیں آپ بتائیں، شرم کو چھوڑیں۔ سمجھیں میں آپ کا دوست

ہوں حسینہ کا بھائی نہیں۔"

"اُس کو دیکھ کر دل بے ایمانی کرنے کو کہتا تھا۔ کہتا تھا آگے بڑھ کر اُس کو اپنا لو۔ مذہب اور قانون دونوں اجازت دیتے ہیں۔ اپنا کر چاہے چھوڑ کر چلے جانا۔ کم از کم اُس کے وجود کو محسوس تو کیا ہوگا۔ اُس کی خوشبو تمھارے وجود سے مل جائے گی۔"

آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے سالک۔" اور کیا بتاؤں۔ میں خود سے لڑلڑ کر تھک گیا تھا۔ اِس لیے اُس کے حسن کی تاب نہ لاتے ہوئے میں نے تیسرے دن ہی طلاق کا فیصلہ کر لیا تھا۔ تیسرے دن اُس کے آنے سے پہلے ابو میرے کمرے میں آئے، ہاتھ جوڑ کر اُس کے لیے رحم کی اپیل کی۔ مگر مجھے پر تو جیسے آسمان آپڑا ہو۔ میں اُن سے کیا کہتا۔ میرے سے اُس کے آنسو پلس حسن دونوں کی لڑائی پہلے نہیں لڑی جا رہی۔ پھر آپ بھی آگئے ہیں۔ میں بت بنا کھڑا تھا اِس دوران وہ بھی آگئی۔ وہ میرے قدموں پر گری اور میں زمین میں دھنس گیا۔ میں سارب سے کہہ رہا تھا اُس کو اُٹھاؤ۔ میرے میں تو اتنی بھی سکت نہ تھی کہ اُس حور کو ہاتھ لگا سکوں۔ اُس کی پاکیزگی سحر انگیز تھی۔ جو مقناطیس کی طرح ہر ایک کو کھینچ لیتی تھی۔ اُس نے میرے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اُس نے مجھے کہہ دیا اب بس مزید نہیں۔ میں نے ہار مان لی۔

وہ ہمارے گھر بیمار رہی تو میں رات کو اُٹھ کر چوری چوری کمرے کے دروازے تک جاتا۔ اُس کو دیکھ کر لوٹ آتا۔ اُس کے ڈر سے سالک سا نگھڑ اندر نہ جا پاتا کہ کہیں اُس کا سحر برداشت نہ کر پائے اور ہار جائے۔

یہ ایک انوکھے ڈر کا تجربہ تھا، جو میں نے کیا۔ ایک نازک سی لڑکی کا ڈر جو میرے تیز سانس لینے سے بھی ڈرتی تھی۔"

تھوڑی دیر سالک رُک گیا جیسے الفاظ ختم ہو گئے ہوں۔ انشال صرف اُس کو دیکھ رہا تھا اور اُس کی خود سے لڑائی ہوئی جنگ کا سوچ رہا تھا۔ اپنے اندر کے لاوے کو باہر نکال کر جیسے سالک پرسکون ہو گیا تھا اور اُس کو جیسے رونے کے لیے کندھا مل گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد چپ رہنے کے بعد پھر سالک بولنے لگا۔

''تم کو پتہ ہے شمامہ اور رادیہ کی منگنی والے دن میرے دل نے فل سٹاپ کہہ دیا تھا۔اُس نے مجھے کہہ دیا تھا اب مزید دوری نہیں۔اب اِس کو گھر لے جاؤ اور اپنے سامنے بٹھا کر اتنا دیکھو کہ ترسی ہوئی آنکھیں اور تڑپتا ہوا دل پرسکون ہو جائے۔تمھاری بھی پیاس بجھ جائے۔تم اس حسن کی جاگیر کے حاکم مکمل طور پر بن جاؤ۔''

آنسو ساتھ ہنستے ہوئے سالک۔''تمھارے گھر کے سامنے میری گاڑی تک جاتی تھی۔دل اصرار کرتا تھا اُس کو جا کر دیکھوں۔میں خود سے کہتا، کیا ٹین ایج لڑکوں والی حرکت کرتے ہو۔''

بڑے ہمدردانہ انداز میں انشال۔''خود بھی اتنی تکلیف میں تھے اور اُس کو بھی رکھا آخر کیوں؟''

''اِس ڈھٹائی کا مظاہرہ اِس لیے کیا تھا تاکہ وہ راستہ بدل لے۔اُس کی زندگی کانٹوں کی بجائے پھولوں کی سیج بن جائے۔

یاد رکھو! جن سے محبت کی جاتی ہے اُن کی خاطر دِل پر پتھر رکھ کر اُن کو کانٹوں سے بچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مجھے یقین تھا وہ آسانی سے مجھ سے الگ نہیں ہوگی۔جب تک میں اُس کے سامنے پتھر کا بت نہ بنا۔''

بہتی آنکھوں کے ساتھ انشال۔''کیا آپ کا منصوبہ کامیاب رہا۔''

نفی میں سر ہلاتے ہوئے سالک۔''یہ منصوبہ تو اُس کے سامنے ایسا رہا جیسے بچوں کا کھیل جس کو اُس نے ریزہ ریزہ کر کے میرے پاؤں پر دے مارا۔''

دُکھ سے انشال سالک سے۔''کیسے کامیاب ہوتا اُس کی پندرہ سال کی محبت تھی اور انتظار بھی۔

انتظار بھی اُس کا جس کے آنے کی کوئی اُمید بھی نہ تھی۔''

اعتراف کرتے ہوئے سالک۔''مجھے پتہ ہے کہ وہ آج بھی میرے انتظار میں ہے۔

میرا دل چاہتا ہے کوئی جائے اُس کو بتائے۔نہ اُس سے پہلے میری زندگی میں کوئی تھی اور نہ ہی کوئی آئے گی۔''

خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ انشال۔''اتنی محبت تھی آپ کو۔

پتہ بھی آپ کو تھا۔اُس وقت ہی اُس انتظار کی ماری کو بتا دیتے کہ آپ اُس سے محبت کرتے ہیں۔اُس کا دل خوش ہو جاتا۔"

دُکھی انداز میں سالک۔"میں نے سوچا تھا اِس طرح وہ زندگی میں آنے والے ہر راستے کو بند کر دے گی۔جو اُس کے لیے اذیت ہے۔

شاید! میرے جانے کے بعد کسی کو آنے دے۔"

دل پر ہاتھ مارتے ہوئے سالک۔"مگر یہ کم بخت ساری خبریں دیتا ہے۔

کہتا ہے اُس نے کسی کو نہیں آنے دیا۔

اس لیے تو دل چیخنے کو کرتا ہے۔

کہتا ہے ہوا سے ہی کہو۔اُس کو جا کر بتاؤ۔میں اُس کا ہوں۔"

"سالک بھائی! ہوا تو کہہ دے گی مگر کیا۔"

"یہی کہ میں اُس کا ہوں۔اُس سے ساری کائنات سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔کیوں نہ کروں اُس جیسی میں نے کوئی دیکھی نہیں۔"

آنسو صاف کرتے ہوئے انشال۔"وہ اکیلا ہی پیں ہے اِس دنیا میں آپ کے نام کی مالا جپنے والی۔"

قدرت کا قانون بڑا انصاف پسند ہے۔اگر آپ ایمانداری سے چلتے ہو تو جس کے دروازے پر آپ کبھی سوالی بن کر گئے ہوتے ہو ایک دن وہ سوالی بن کر آپ کے دروازے پر ضرور آتا ہے۔اِس میں آپ کی کوشش نہیں قدرت کا قانون کارفرما ہوتا ہے۔جس کی اِس دنیا میں تو کہیں مثال نہیں ملتی۔نہ ہی انسان ایسا انصاف کر سکتا ہے اور نہ ہی کر پائے گا۔

آج حسینہ کی طرح پاگلوں کے انداز میں سالک۔"ہوا جا کر حسینہ کو بتا دو۔سالک حسینہ کا ہے۔"

آخر کو انشال بھائی تھا۔اُس نے بہن کا درد دیکھا تھا وہ جانتا بھی تھا کہ وہ آج سالک کے ہی انتظار میں ہو گی۔"ایک دن نہیں روز بتایا کریں۔تا کہ ہوا مجبور ہو کر ایک دن اُس کو آپ کا پیغام دے دے۔"

پھر موضوع کی طرف آتے ہوئے سالک انشال سے۔"سائرہ کی چھاؤں بننے کے بارے میں

کیا خیال ہے۔"

"میری آئیڈیل میری بہن ہے۔ جس میں انسان کو اپنی آئیڈیل نظر آئے وہ چیز اچھی لگتی ہے۔ وہ یہ کہ سائرہ میں مجھے حسینہ ہی نظر آتی ہے۔ آئیڈیل مل جائے تو اور کیا چاہیے؟"

اُس کے اِس جواب سے سالک کو خوشی ہوئی۔ خوشی سے سالک۔ "اِسی خوشی میں گلے ملو۔"

اُٹھ کر بڑے تپاک سے سالک انشال کے گلے ملا۔ بڑے لمبے عرصے کے بعد دونوں خوش ہوئے تھے۔ روٹھی ہوئی خوشی کے آثار آنے لگے تھے۔ مگر خوشیاں کہاں تھیں۔ ابھی اُن کا کسی کو بھی علم نہ تھا۔

سوچتے ہوئے سالک انشال سے۔ "تاجیل بھائی بہت سمجھدار ہیں۔ اُن کی بھی رضا مندی شامل کر لیتے ہیں۔ ویسے بھی گھر کا کوئی نہ کوئی فرد تو شامل ہونا چاہیے۔ آخر کار تم زندگی کا نیا سفر شروع کرنے لگے ہو۔"

اُس کی بات سے متفق ہوتے ہوئے انشال۔ "آپ کی بات دِل کو لگی ہے۔ منطق سے بھرپور ہے۔ منطق میں بہتری ہوتی ہے۔ آپ بات کریں۔"

"میرا رابطہ نہیں ہو رہا۔ نیٹ ورک کا مسئلہ آ رہا ہے۔ دراصل اِس تباہی کے اثرات نیٹ ورک پر بھی ہوئے ہیں۔ جیسے ہی رابطہ ہوتا ہے میں اُن سے تفصیلاً بات کروں گا۔"

بے شک ایک فرد دوسرے سے الفاظ کے ذریعہ اپنا پیغام پہنچاتا ہے مگر کبھی کبھی الفاظ کے بغیر بھی دوسرے کو پیغام دینا پڑتا ہے۔ زبانوں کی بڑی اقسام کے علاوہ کئی ایسی زبانیں بھی ہیں جن میں الفاظ کا استعمال نہیں ہوتا۔ ان میں آنکھیں اور باڈی کام کرتی ہیں۔ ان میں بغیر الفاظ کے بات ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچ جاتی ہے۔

یہ پیغام تو لے جاتی ہیں مگر پھر بھی الفاظ کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ بغیر الفاظ کے انسان تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ دل کو قرار نہیں آتا۔ حالانکہ زبان سے جھوٹ بھی بولا جاسکتا ہے مگر باڈی اور آنکھوں کی زبان میں سچ ہوتا ہے۔ یہ دل و دماغ کی عکس ہوتی ہیں اِن سے آپ کا اندر جھلکتا ہے۔

یہ ایسی زبان ہے جس کے ذریعہ آپ سو کیا ہزاروں ہجوم میں بھی اپنے جذبات کا اظہار کر دیتے

ہیں۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی جیسے موت کا فرشتہ کسی کو نظر نہیں آتا لیکن وہ ہزاروں کے ہجوم میں جس کو لے جانا چاہتا ہے اُس کو نظر آتا ہے۔ اپنا کام کر کے چلا جاتا ہے۔ اِس طرح کام کرتی ہے یہ زبان۔

ہسپتال میں سینکڑوں تو لوگ تھے مگر سائرہ اور انشال کے درمیان رابطے کا ذریعہ یہی زبان تھی۔ الفاظ کا استعمال کیے بغیر جیسے ہی انشال نے سائرہ کو دیکھا اُس کی آنکھوں نے اُس کو بتایا وہ اُس کے لیے خاص ہوگئی ہے۔ وہ زندگی میں اُس کو شامل کرنے کا سوچ رہا ہے۔

بدلے میں سارہ کی نظروں اور باڈی نے بتایا وہ اُس کی ہونے کو تیار ہے۔ وہ آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لے۔

انھوں نے سائرہ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ سالک کی نظروں میں اُس کے لیے بہن اور بیٹی والی عزت تھی۔ جس میں وہ خود کو معتبر سمجھ رہی تھی۔ عزت ہر عورت کے لیے اہم ہوتی ہے۔ عزت تو دونوں دے رہے تھے۔ لیکن رشتے کے اعتبار سے انداز الگ تھا۔ دونوں انداز معاشرے میں اہم مقام رکھتے تھے۔ سائرہ اِس عزت میں کچھ دیر کے لیے غموں سے دور جا بیٹھی تھی۔

اِن آنکھوں کے پیغام کو پا کر جو رشتہ سائرہ کا سالک کے ساتھ بن رہا تھا اِس کی وجہ سے سائرہ کو انشال سے شرم آرہی تھی۔ وہ اُس کو ایک نظر دیکھتی تو دوسرے لمحے اُس کی نظریں جھلک جاتیں۔ اِس بلی چوہے کے کھیل میں دونوں ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ حالانکہ دونوں کے درمیان فاصلہ تھا۔

شرم عورت کا شیوہ ہوتا ہے۔ جبکہ مرد پریکٹیکل ہوتا ہے۔ اِس کے باوجود کسی کو زندگی میں شامل کرتے ہوئے اُس کو حیا آرہی ہوتی ہے۔ جب دو لوگ ایک دوسرے کے ہونے جا رہے ہوتے ہیں تو اُن کے درمیان بہت خوبصورت تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ جو اُن کو بہت خوشی دے رہا ہوتا ہے۔ دنیا میں اُس کے علاوہ کوئی نظر نہیں آرہا ہوتا۔ انسان ہواؤں میں اُڑ رہا ہوتا ہے۔

سارا دن اُن کا ایک دوسرے کو دیکھنے کی آنکھ مچولی میں گزر گیا۔ اِس سے اُن کو اِرد گرد کے غم کم نظر آئے مگر آئے ضرور۔ کیونکہ اُن کی شدت زیادہ تھی۔ آنکھیں بند کر بھی لو پھر بھی اُن کی چبھن محسوس ہوتی تھی۔

بڑی مشکل سے ہفتے بھر میں بار بار کوشش پر سالک کا تاجیل سے رابطہ ہوا۔ اِس میں بھی دورانِ

بات بار بار کال کٹ رہی تھی۔ اِس لیے سالک نے بھی بات کو جامع اور مختصر کرتے ہوئے۔ ''آپ کو سائرہ کا بتایا تھا۔ ہم نے انشال اور سائرہ کی شادی کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟''

''اچھا فیصلہ ہے۔ بس انشال کی رضامندی اہم ہے۔ اُس کا نہیں پوچھو گے جو تمھارے انتظار میں ہے۔''

''کیا پوچھوں؟ دل سب روز بتاتا ہے۔''

''بندہ تم لوگوں کو سب پہنچا رہا ہے۔''

''سب مل رہا ہے۔'' ابھی وہ بول رہی رہا تھا کہ لائن کٹ گئی۔ پھر اُس نے بہت کوشش کی مگر رابطہ نہ ہو سکا۔

اِن حالات میں بھی تاجیل جیسے لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ اُن کو ہر چیز مہیا کرتا تھا۔ وہ ہی جو جو فلسطین کے فنڈ گروپ کام کر رہے تھے اُن کو عطیات دیتا تھا۔ حسینہ جو جو دیتی تھی حقداروں تک پہنچاتا تھا۔ مگر گھر والوں کو علم نہ تھا کہ اُس کا رابطہ سالک اور انشال سے ہے اِس کی وجہ یہ تھی وہ اُن کو اِس آگ سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

باڈی کی یا آنکھوں کی زبان کچھ بھی کہے لیکن الفاظ کے بغیر انسان کی تسلی کہاں ہوتی ہے۔ وہ الفاظ سننا چاہتا ہے۔ سائرہ کی رضامندی جاننے کے لیے انشال ذہن میں کئی تراکیب سوچ رہا تھا آخر کار ترکیب جو ہمیشہ اثر کرتی ہے۔ اُس کو سوچ کر انشال خود سے اِس پر عمل کرتا ہوں۔

اُس نے سائرہ کو دیکھا تو ہمت کر کے۔ ''اگر میں پھول دوں تو۔''

''تو کیا؟ میں لے لوں گی۔''

''پھول لینے کا مطلب ہمارے کلچر میں ہے کسی کو زندگی میں شامل کرنا یعنی اس کے ساتھ زندگی گزارنا۔''

''کلچر آپ کا ہو یا ہمارا پھول کا مطلب ایک ہی ہے۔ دنیا کی ہر لڑکی پھول لینے کا مطلب جانتی ہے۔'' چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انشال۔ ''مطلب تم مجھے زندگی میں ساتھ رکھنے کو تیار ہو۔''

منہ نیچے کر کے مسکراتے اور شرماتے ہوئے سائرہ۔ ''میں تو زندگی کے ہر موڑ پر آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

آدمی نے کھانا لا کر رکھا تو سالک۔ ''ہم نے فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ یہ کہ انشال اور سائرہ کی شادی کریں گے۔''

یہ الفاظ اس کے چہرے پر خوشی کی لہر لے آئی بولا۔ ''مجھے آپ لوگوں سے اسی کی امید تھی۔ اس لیے تو میں بات کر پایا ہوں آپ بے سہارا کو سہارا دے رہے ہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ اب آپ ہسپتال میں اس کا اعلان کر دیں۔''

سوچتے ہوئے سالک۔ ''مجھے بڑا عجیب لگ رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں ہر طرف آگ لگی ہے۔ آگ کے شعلے ہی شعلے بھڑک رہے ہیں۔ دھواں سے آسمان کالا سیاہ ہوا پڑا ہے۔ کہیں سے بھی اُس کی اصل صورت دکھائی نہیں دیتی۔ ان حالات میں خوشی کا ڈھول بجانا شروع کر دوں۔ کیسا لگے گا؟''

''ایسے ہی حالات میں ڈھول بجانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تا کہ غموں کے جو گھرے بادل چھائے ہوئے ہیں وہ چھٹ جائیں۔''

''اگر ان گھرے بادلوں میں یہ خبر ایسا ہوا کا جھونکا ثابت ہو جو سارے بادلوں کو اُڑا کر لے جائے تو میرے لیے اِس سے بڑی خوشی کیا ہوگی۔''

مزید سالک کی ہمت بندھانے کے لیے آدمی۔ ''سر! سائرہ کے دروازے پر خوشی کی دستک۔ ان لوگوں کو دور سے ان کی طرف آنے والی خوشیاں بھی دکھائی دیں گی۔''

''اگر میری وجہ سے یہ لوگ غم کو بھول کر خوشیوں کی طرف ہاتھ پھیلا سکتے ہیں تو میں کل ہی اعلان کر دوں گا۔''

''سر! یہ اعلان آپ دیکھیں گے کیسا انقلاب لاتا ہے۔''

ہنس کر سالک۔ ''یہ بھی تجربہ کر لیتے ہیں۔''

وہ تو اپنی کہہ کر چلا گیا۔ تو سالک انشال سے۔ ''شادی کا لفظ سننے سے ہی روح میں خوشی کی ایک

لہر دوڑنا شروع کر دیتی ہے۔ جو آپ کے ہر حصہ کو خوش کر دیتی ہے۔

ڈھول کی آواز سن کر انسان جھوم اٹھتا ہے۔ جھومنا بھی ایک ایسی کیفیت ہے جس میں غم کا کوئی کام نہیں۔ جسم ایسی پر سکون حالت میں ہوتا ہے جس میں کوئی درد محسوس نہیں ہوتا۔

جھومنا دکھ سے دوری کا دوسرا نام ہے۔ کم از کم اس میں سکون تو ہے سکون تو لاکھوں دے کر بھی نہیں خریدا جا سکتا۔"

اُس کی باتیں سنتے ہوئے انشال۔ "آپ کی ہر بات میں ایسا منطق ہوتا ہے کہ عام انسان گمان بھی نہیں کر سکتا۔ اِن دلائل سے انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔"

"اگر کسی کی بات آپ کے دل کو چھو بھی جائے تو سمجھو وہ آپ کے لیے فائدہ مند ہے اُس میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔"

"میرے تو دل کو آپ کی ہر بات لگتی ہے۔"

جیسے ہی ہسپتال میں سالک نے سائرہ اور انشال کی شادی کا اعلان کیا پھر کیا یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ سچ میں لوگ بھول گئے اور آنے والی خوشیوں کو خوش آمدید کہنے کو تیار ہو گئے۔ ہر طرف سے مبارک بادیں آنے لگیں۔ لوگ اپنی تباہی کو بھول کر ان دونوں کی باتیں کرنے لگے۔ سالک اور انشال کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ خبر اس قدر مثبت ثابت ہو گی۔ یہ خبر ہوا کے جھونکے کی بجائے ایسا طوفان ثابت ہوئی جو سارے کالے بادل اُڑا کر لے گئی۔ آسمان پر سیاہی کی بجائے روشنی دکھائی دینے لگی۔

روشنی ہی تو زندگی ہے ہر چیز کی۔ روشنی میں تو ہر چرند پرند، درخت سب پھیلتے پھولتے ہیں۔ روشنی آ گئی تو سمجھو پرانا دور ختم نیا دور شروع۔ پرانے دور کے نشان بھی روشنی کچھ دنوں میں مٹا دے گی۔ بہر حال طے پایا کہ جمعہ کو نکاح ہو گا۔ نکاح کی تقریب کا ہسپتال کے باہر انتظام کیا گیا۔

ماں کا بچوں کے ساتھ دل کا رابطہ ہوتا ہے۔ اِدھر انشال نے خوشی کا سوچا تھا۔ ادھر ماں کو خبر مل گئی۔ اُٹھتے ساتھ کلثوم بیگم۔ "بڑے عرصے بعد انشال خواب میں آیا ہے بلکہ یوں کہہ لو جانے کے بعد پہلی مرتبہ۔ وہ بہت خوش ہے۔ سالک اُس کو مٹھائی کھلا رہا ہے وہ میری طرف دیکھ رہا ہے۔ میں کہتی

ہوں کھالوں۔ خوشی کو انکار نہیں کرتے۔ وہ کہتا ہے امی آپ کے بغیر۔ میں کہتی ہوں ایسا بھی زندگی میں ہوتا ہے۔ پھر میں اٹھ گئی۔"

ہنس کر عبدالرحمٰن۔ "تمھارا دل جو چاہ رہا ہے اُس سے ملنے کو ایسے ہی خواب دیکھو گی۔" پھر سوچتے ہوئے۔ "میں نے بھی اُس کو خواب میں ایسے ہی خوش ہوتے دیکھا ہے۔ جہاں بھی رہے۔ بس خوش رہے یہ بھی ہماری خوشی ہے۔"

سوچتے ہوئے کلثوم بیگم۔ "کہیں وہ شادی تو نہیں کر رہا۔"

"اگر کر رہا ہے تو خوشی کی خبر ہے۔ اللہ اُس کی شادی اُس کے لیے بابرکت ثابت کرے اور وہ دونوں خوش رہیں۔"

دروازے پر دستک ہوئے تو سائرہ نے اندر آنے کے لیے کہا۔ سالک اندر آیا۔ "اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے۔"

"ہمارے کلچر میں بہن اور بیٹی کے سر پر بھائی ہاتھ رکھتے ہیں۔ اپنی شفقت اور محبت کا اظہار کرنے کے لیے۔

تم میری بہن ہو۔" انگوٹھی اُس کو دیتے ہوئے۔ "یہ رکھ لو۔ کل نکاح کے بعد انشال کو پہنا دینا۔ یہ تم لوگوں کا کلچر ہے۔"

ہچکچاہٹ کے ساتھ سائرہ۔ "مجھے انگوٹھی لینا عجیب لگ رہا ہے۔"

"کہا نا! میں تمھارا بھائی ہوں۔ بہنوں کا بھائیوں پر بڑا حق ہوتا ہے۔ وہ تو چھین کر بھی لے لیتی ہیں۔ یہ تو میں خود دے رہا ہوں۔"

آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ ساتھ سائرہ انگوٹھی لیتے ہوئے۔ "اللہ کرے آپ کو وہ ملے جو آپ کا دل چاہتا ہے۔"

بڑے پرزور آواز میں سالک "آمین۔"

یہاں سے سالک انشال کے پاس گیا تو سوچوں میں گم بیٹھا تھا۔ "کیا ہوا ہے دلہے کو۔"

''امی ابو یاد آ رہے ہیں۔

اُن کے بغیر یہ خوشی ادھوری لگ رہی ہے۔

اِس میں سے رنگ غائب ہیں۔''

اُس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے سالک۔''انسانوں کی زندگی میں ایسے بہت سے موڑ آتے ہیں جن میں جب ہم اپنے پیاروں کو ساتھ چاہتے ہیں۔ مگر وہ نہیں ہوتے۔

تم فکر نہ کرو۔ ہم پاکستان جا کر ایک مرتبہ پھر تمھاری شادی کر دیں گے۔''

پھر انگوٹھی بھی انشال کی طرف بڑھائی۔ انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے انشال۔''یہ کہاں سے آئی؟

یہ کس لیے ہے؟

کیوں لوں؟''

''اس لیے لوں کو میں دے رہا ہوں۔

اس لیے ہے کہ کل تم کو نکاح کے بعد سائرہ کو پہنانی ہے۔ یہ ان کا کلچر ہے۔ اس رسم کو تو پورا کرنا ہے۔

تیسری بات ہے یہ انگوٹھی تمھاری بہن حسینہ کے لیے میں نے خریدی تھی۔ جب میں نے اس کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ دل نے کہہ دیا تھا اس کے بغیر تم زندگی نہیں گزار سکتے۔

میں تو رخصتی میں اس لیے تاخیر کر رہا تھا۔ کیونکہ اُس کی دور دور سے شرم و حیا والی حرکات دیکھ کر مزہ آتا تھا۔

میں چاہتا تھا میرا دل اُس کے لیے تڑپے۔ پھر مجھے ملے تا کہ زندگی میں کوشش سے پائی ہوئی چیز کا مزہ چکھ سکوں۔

اللہ کا شکر ہے اُس نے ہر چیز بغیر کوشش کے دی ہے۔ صرف حسینہ کے لیے تڑپا ہوں۔

دیکھو ملتی ہے یا نہیں۔''

''میں نہیں لوں گا۔ جس کے لیے خریدی تھی اُس کو ہی دیجئے گا۔ اِس میں آپ کے جذبات، احساسات ہیں۔''

''تم تو سائرہ والی بات کر رہے ہو۔اُس نے بھی بڑی مشکل سے انگوٹھی لی ہے۔ابھی سے اتنی عادات مشترکہ ہیں۔''

اُس نے سالک کا ہاتھ دیکھا تو انگوٹھی نہیں تھی۔''بڑا بھائی بن کر دے کر آیا ہوں۔

دوسری بات اُس نے اپنی ہر چیز قربان کر دی ہے۔یہ تو پھر ایک عام سی انگوٹھی ہے۔

تم دعا کرنا وہ مجھے مل جائے۔ایسی ہزار انگوٹھیاں اس کو دلا دوں گی۔''

''وہ بڑی پاگل ہے۔اُس کو انگوٹھی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

صرف آپ محبت سے اُس کا ہاتھ تھام لیں۔

وہ جھونپڑی میں بھی آپ کو رہ کر دکھادے گی۔

اس کے لیے سب سے بڑا سرمایہ آپ ہیں۔''

''تو پھر لے لو۔وہ تو خوش ہو گی اُس کے بھائی کے کام اُس کی انگوٹھی آئی ہے۔تمھیں تو پتہ ہے اُس کے لیے ایسی باتیں کتنی اہم ہوتی ہیں۔''

انگوٹھی لیتے ہوئے انشال۔''یہ میرے لیے دنیا کا سب سے خوبصورت اور نایاب تحفہ ہے۔''

یہ شادی سادی تھی مگر پروقار تھی۔اِس کا انتظام یہاں کے لوگوں نے خلوص اور محبت سے کیا تھا۔ جس میں زیادہ نمود و نمائش کے لیے کچھ نہ تھا مگر حساسات وجذبات بہت زیادہ تھے۔جو ہری شادی کے لیے چاہیے ہوتے ہیں۔اکثر و بیشتر شادیوں میں اِن کی ہی کمی ہوتی ہے باقی تو سارے لوازمات پائے جاتے ہیں۔

اِس شادی کے اہم رکن سائرہ اور انشال تھے سائرہ اپنوں کو کھو چکی تھی۔انشال کے اپنے سالک کے علاوہ سب دور تھے۔مگر زندگی پھر بھی جاری وساری تھی۔یہ سوچ دونوں کو اُداس ضرور کر رہی تھی۔

نکاح کے بعد سائرہ اور انشال کو خیمے سے باہر دو جو کرسیاں لگائی ہوئی تھیں اُن پر بٹھایا گیا۔

سینکڑوں کے ہجوم میں انشال نے سائرہ کو انگوٹھی پہنائی تو ساتھ بولا۔

''یہ انگوٹھی میری بہن کی ہے وہ بہن جس نے اپنا سب اِس سفر میں قربان کر دیا ہے۔یہ انگوٹھی

نہیں ایک قیمتی ہیرا ہے اِس کو دل کے قریب رکھنا۔''

بدلے میں سائرہ نے انگوٹھی پہنائی اور کہا۔''یہ انگوٹھی میرے بھائی کی ہے۔ وہ بھائی جس نے مجھے موت سے نکال کر روشنی دکھائی۔ جینے کے قابل بنایا۔ اس کی حفاظت ایسے کرنا جیسے بادشاہ اپنی سلطنت کی کرتا ہے۔''

اُس کی طرف دیکھتے ہوئے انشال۔''ہماری دونوں کی انوکھی شادی ہے۔ جس میں قربانیوں کی تاریخ رقم ہے۔ جس کو تم نہیں جانتی۔ یہ دونوں انگوٹھیاں دو قربانی دینے والی عظیم شخصیات کی ہیں۔ جنھوں نے دوسروں کی آگ میں کود کر اپنا سکون برباد کیا۔ مگر کسی کو بھی کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔''

شادی کے لیے سائرہ نے جبہ پہنا ہوا تھا۔ سر پر سکاف لیا ہوا تھا۔ جس سے اُس کا منہ بھی ڈھانپا ہوا تھا۔ انگوٹھیاں پہنانے کے بعد عورتوں نے شادی کے گیت گائے۔ جو سالک اور انشال کے لیے حیران کن بات تھی۔ اُن کو اندازہ نہیں تھا کہ ان حالات میں بھی وہ خوشی کا استقبال اتنے تپاک سے کریں گے۔ انھوں نے اِن کو احساس دلایا وہ بھی ان کے فیملی ممبر ہیں۔ اِن کی خوشی اُن کی خوشی ہے۔ لڑکوں نے ایک خاص قسم کا ڈانس کیا جو ہمارے پنجابی لوک ڈانس بھنگڑے سے ملتا جلتا تھا۔ چار پانچ لڑکوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے پورے جسم کو ہلایا پھر پاؤں کو پیچھے اور آگے سے زمین پر مارا پھر وہ ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لیتے تھے۔ پھر جسم کو ہلاتے تھے اور پاؤں کو آگے پیچھے سے زمین پر مارتے تھے۔ یہ ڈانس بہت خوبصورت تھا دیکھنے والوں کو لطف اندوز کر رہا تھا۔ ساتھ موسیقی بھی چل رہی تھی۔ جن کی سالک اور انشال کو سمجھ تو نہیں آ رہی تھی مگر کانوں کو اچھی لگ رہی تھی۔ ماحول کو خوشگوار بنا رہی تھی۔

اِس تقریب نے انشال اور سالک کو بتایا وہ اُن کے دل سے ممنون ہیں۔ اُن کی کاوش کو سراہتے ہیں۔ ان کے جذبہ ہمدردی کا دل سے اقرار کرتے ہیں۔ وہ احسان فراموش نہیں۔

خوشی کے ان لمحات کو ہر ایک نے محسوس کیا۔ ان لمحات نے بتایا بس اب کالے بادل چھٹنے والے ہیں۔ بس اب چند دنوں کا کھیل باقی ہے۔ بس صبر کا دامن پکڑے رکھیں۔

اِس تقریب میں کھانا سالک نے دیا تھا۔ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ جو اُن کے لیے اِن

دونوں بہت بڑی نعمت تھا۔ حالانکہ ہر طرح کی امداد بند تھی مگر کچھ سالک اور انشال تھے جو اِن بے گھر والوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ زیادہ تو نہیں مگر کم از کم جتنا وہ کر سکتے تھے کر رہے تھے۔

شادی کی اِس تقریب کے بعد انشال سب کے سامنے سائرہ کا ہاتھ پکڑ کر اُس کر اپنے کمرے تک لے کر آیا۔ اب وہ تینوں خاندان بن گئے۔ اب اِن کو خدمت گار کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

☆......☆......☆

شادی خوشیوں کے آغاز کا نام ہے۔ اِس سے نئے نئے پھول کھلتے ہیں کیونکہ پرانے مرجھانے لگتے ہیں۔ اُن کی جگہ نئے پھول لینے لگتے ہیں اِن حالات میں فلسطین میں شادیاں اِس بات کا ثبوت تھیں کہ یہاں لوگ ختم نہیں ہونے والے نئے پھول کھلتے رہیں گے۔ یہ شادی بھی خوشیوں کا دروازہ ثابت ہوئی۔ میڈیا نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اگر میڈیا صحیح کرنے پر آئے تو اِس کی طاقت کے آگے ٹھہرنا مشکل ہے۔ فلسطین میں جو امریکی ڈاکٹرز پچھلے دو سال سے کام کر رہے تھے وہ واپس گئے تو اُنھوں نے میڈیا کو انٹرویو دیئے۔ امریکی اسمبلی میں درد دِل رکھنے والے ممبر اسرائیل کی جارحیت کے خلاف بولے۔ انسانیت سے لبریز لوگ دنیا بھر میں اسرائیل کے خلاف ہو گئے۔ لوگوں نے اسرائیل کی چیزیں استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اسرائیل کو اربوں کا نقصان ہوا۔

ایک ڈاکٹر نے میڈیا کو بتایا کیسے بچے بوڑھے اور عورت اسرائیل کی جارحیت کی وجہ سے تکالیف میں ہیں۔ بچے بھوک سے مر رہے ہیں۔ ادویات نہ ملنے سے ڈرون حملوں میں زخمی لوگ سسک سسک کر مر رہے ہیں۔ ہزاروں ٹرک رافع بارڈر پر خوراک، ادویات اور ضرورت زندگی کا سامان لیے کھڑے ہیں مگر اُن کو اندر داخل نہیں ہونے دیا جا رہا۔ اسمبلی میں ایک ممبر عورت نے اِس کو انسانیت کا قتل قرار دیا اور اُس کی مزاحمت کی۔ اقوام متحدہ میں بھی بہت پوری دنیا سے ملکوں نے شور مچایا۔ روز بروز نئی ویڈیو نیٹ پر آجاتی تھیں۔ جس سے اسرائیل پر روز بروز دباؤ بھی بڑھ رہا تھا۔

کئی صحافی فلسطین کا حال دیکھاتے ہوئے حملوں میں مر گئے۔ مگر اِن بہادر صحافیوں نے اپنا فرض کو پورا کرنے کے لیے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انسان جہاں بھی دنیا میں ہو، اُس کا دنیا سے

رابطہ ہوتا ہی ہے۔ اُس کو دوسروں کی ماننی بھی پڑتی ہے۔ کیونکہ اُس کو مطلب دینا اور لینا بھی پڑتا ہے۔ اِس معاشرتی دباؤ کو برداشت کرنا اتنا بھی آسان نہ تھا۔ مگر کافی عرصہ تک اسرائیل نے کافی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا اور بالآخر اُس کو دنیا کی ماننی پڑی۔

قطر میں اسرائیل اور حماس کے درمیان بات چیت ہونے لگی۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ کیونکہ پوری دنیا کی نظر اسرائیل پر تھی۔ یہ خبر سالک تک پہنچی۔ وہ دردِ دل رکھنے والا انسان تھا۔ خوشی سے اُس کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے۔ جیسے اُس کی آزادی کا پروانہ آیا ہو۔

''میں نے خبر سنی ہے حماس اور اسرائیل کے درمیان بات چیت جاری ہے۔ جلد ہی کوئی نہ کوئی نتیجہ آئے گا۔''

خوشی سے انشال۔ ''بھائی! معاشرتی دباؤ جیت گیا۔ ویسے بھی ظلم کی ٹہنی زیادہ پھل پھول نہیں سکتی تھی۔''

''دراصل! انسان معاشرتی حیوان ہے۔ اُس کو لوگوں کی ماننی پڑتی ہے۔ چاہے اُس کو خود اپنے ظلم کا اندازہ نہ بھی ہو تب بھی۔''

''اپنے آپ کو کون غلط کہتا ہے۔ یہ تو کسی کتاب میں لکھا ہی نہیں۔''

''یہ ایک کڑوا سچ ہے مگر ہضم کرنا پڑے گا۔ یہ معاہدہ قطر میں ہو رہا ہے۔ اِس کی رو سے امداد کھولی جائے گی۔ جس سے لوگوں کو ریلیف ملے گا۔ دونوں طرف جنگی قیدیوں کا تبالہ ہوگا۔''

''سالک بھائی! بس جلدی سے امداد کو آنے دیں کیونکہ لوگوں کی حالت قابلِ ترس ہے۔ جواب دیکھی نہیں جاتی۔ اشیائے خورد و نوش اور ادویات کی اشد ضرورت ہے۔''

''اِن بنیادی ضرورتِ زندگی کے بند ہونے سے تو حالت ابتری کا شکار ہوئی ہے اور دنیا نے اِن معصوم فلسطینیوں کی طرف دیکھا ہے۔ ورنہ یہ جنگ آج کی تھوڑی ہے۔ تقریباً سو سال ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنا حق مانگ رہے ہیں۔ اپنے ملک فلسطین میں امن سے رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن اسرائیل کو امن پسند نہیں۔''

ہر اک کو اپنے یار پیارے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی موقع ہو، وہ اپنوں کو یاد کرتا ہے۔ آنکھوں میں اُمید کی چمک کے ساتھ ساتھ سائرہ۔ ”ہوسکتا ہے حالات بہتر ہوں تو لوگ گھروں کو لوٹیں تو میری ماں اور بہن بھی گھر واپس آجائیں۔ میں اپنے گھر جو اَب کھنڈر ہے لوگوں کے لیے۔ چکر لگاؤں گی۔ ہوسکتا ہے کسی روز وہ مجھے مل جائیں۔“

یہ بات چیت جلدی رنگ لے آئی۔ جنگ بند ہوگئی۔ بارڈر کھل گئے۔ سینکڑوں ٹرک جو رافع بارڈر پر کھڑے تھے پانی کے ریلے کی طرح فلسطین میں داخل ہوگئے۔ ترسے ہوئے لوگ اُن کی طرف بھاگے۔ لوگ قطار در قطار کھڑے تھے اشیائے خوردونوش کے لیے۔ پہلے چند دن کھپت بہت زیادہ تھی۔ لینے والے بھی اُن کی طرف بھاگتے تھے کہیں ختم نہ ہوجائے۔ پھر آہستہ آہستہ استحکام آنا شروع ہوا۔

اُن کی حالت نے مسلم ممالک کے دل کو بھی موم کردیا تھا۔ مصر میں ہزاروں بیماروں اور زخمیوں کو ہسپتال بھیجا گیا۔ لوگ اپنے ٹوٹے پھوٹے گھروں کی طرف لوٹ رہے تھے غزہ جانے والی سڑک پر لوگ ہی لوگ تھے۔ بعض پیدل، بعض گدھا گاڑی پر اور بعض گاڑیوں پر۔ اُن میں انتظار کی ہمت نہ تھی کہ وہ غزہ کے آباد ہونے کا انتظار کریں۔ وہ اُن ریت بجری کے ڈھیروں کو آباد کرنے کے لیے پرعزم تھے۔ اُن کو سارے دنیا سے عزیز اپنا جھونپڑا لگ رہا تھا۔

اِن کی آباد کاری کا کام بہت تیزی سے ہو رہا تھا۔ مصر نے بڑی بھاری مشینیں بھیجیں اُن ڈھیروں کو اُٹھانے کے لیے۔ جگہ کو صاف کرنے کے لیے۔ تاکہ لوگ اپنے گھروں کو آباد کرسکیں۔

اِس کام میں انشال، سائرہ اور سالک پیچھے نہ تھے۔ وہ لوگوں کی ہر وقت مدد کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ جہاں کہیں اُن کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ پہنچ جاتے تھے۔

ننھے پھول کے چہرے روشن ہونے لگے تھے۔ باغ میں بہار کی آمد آمد تھی۔ قیدیوں کا تبادلہ بھی ہو رہا تھا۔ حماس کی طرف سے آنے والے قیدی صحت مند اور تروتازہ ہوتے تھے۔ البتہ اسرائیل کی طرف سے آنے والے قیدی بیمار اور کمزور ہوتے تھے۔ یہ بھی اسرائیل کی جارحیت کا اظہار کر رہی تھی۔ آئی سی سی نے بھی نیتن یاہو کے جنگ میں ظالمانہ سلوک پر گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے۔ مگر خود اُس کو

احساس نہیں ہوا۔ اُس نے انسانیت کے ساتھ فرعون والا سلوک کیا ہے۔ امریکہ ایک طرف جنگ بندی پر زور دے رہا تھا دوسری طرف جنگ کو ہوا بھی دے رہا تھا۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے بیان دیا کہ تباہ حال فلسطینیوں کو مصر اور جورڈن کو اپنے ملک میں آباد کرنا چاہیے۔

اِس بیان کی پوری دنیا نے مزمت کی۔ یہ تو وہ بات ہوئی فلسطینیوں کو اُن کے گھروں سے بے دخل کر دینا۔ فلسطین سے فلسطینیوں کا خاتمہ کرنا۔ جو اسرائیل ڈرون حملوں سے نہیں کر سکا تھا۔ وہ کام اب امریکہ کا صدر ڈونلڈ ٹرمپ کرنا چاہ رہا تھا۔

فلسطینیوں نے اِس سرزمین پر اپنا خون بہایا تھا۔ اپنے پیاروں کی قربانیاں دی تھیں۔ وہ اب اِس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ تو کھنڈر بھی آباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اب تو سرخ زمین نے الگ بدلنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اِس اُمید پر رہنا شروع ہو گئے تھے کبھی نہ کبھی تو زمین کا اصل رنگ دکھائی دے گا۔

جنگ بندی کے باوجود اسرائیل میں مغربی کنارے پر فلسطینیوں کا قتل عام کر رہا تھا۔ دوران جنگ بچے اور لوگ بھوک اور بیماریوں کی وجہ سے موت کی نیند سو رہے تھے۔ مگر اب اسرائیل اُن کو دوبارہ موت کی نیند سلا رہا تھا۔ حالانکہ جنگ بندی ہوئی تھی۔ ابھی تو معاہدہ بھی نیا نیا تھا۔

جب چیز نئی نئی ہوتی ہے تو اُس کا مزہ ہی الگ ہوتا ہے کچھ مروت و لحاظ ہوتا ہے۔ مگر یہاں کچھ نہ تھا۔

بڑے دکھی انداز میں سالک۔ ”مغربی کنارے پر لوگوں کا قتل عام تو یہ بتاتا ہے۔ بغل می چھری اور منہ میں رام رام۔ کیا دوغلا پن ہے۔ ابھی تو معاہدے پر مٹی بھی نہیں پڑی۔“

”یہ تو بین الاقوامی دباؤ ہے ورنہ پھر امداد روک دی جاتی۔ دوسرا اسرائیل کو اپنے قیدیوں کو رہائی دلوانی ہے۔“

”یہ دنیا تو مفاد تک آپ کے ساتھ ہے اِدھر مفاد ختم اُدھر آنکھیں ماتھے پر پھر تم کون اور میں کون۔“

"یہاں تو ابھی تک مفاد بھی پورا نہیں ہوا اور تیور بدل گئے ہیں۔"

"انشال دراصل یہ مقدس سرزمین ہے۔ یہاں پر اسرائیل اپنا قبضہ جما کر ساری رحمت و برکات اکٹھی کرنا چاہتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے اِردگرد کی سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے خود خیر و برکت کا درجہ دیا ہے۔ یہ چاہتے ہیں یہ برکت کسی اور کے حصے میں نہ آئے۔"

سوالیہ انداز میں انشال۔ "کیا اِس طرح دوسروں کا استحصال کر کے آپ سب پا لیتے ہو؟"

"نہیں، مگر کوئی اِس بات کو سمجھے تو نا!"

"اگر بھائی آپ سمجھ کر بات کرتے ہیں تو سمجھنے والے تو چیونٹی پر پاؤں دیکھتے ہوئے بھی سو بار سوچتے ہیں۔ کہیں اللہ ہم سے اِس کا نہ حساب لے لے۔

اگر اُس نے حساب لیا تو ہم کیا جواب دیں گے۔

وہ سوچ کر ہی ڈر جاتے ہیں۔"

"انشال! میری تو رب سے دعا ہے سب لوگ اپنی اپنی کتابوں کی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیں۔

اگر ایسا ہو جائے تو تم دیکھو گے دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی۔"

"مجھے تو یہ دنیا تباہی کی طرف جاتی نظر آ رہی ہے۔"

اُن کی باتوں میں سائرہ داخل ہوتے ہوئے۔ "آج دس بچے پیدا ہوئے ہیں۔ اِس طرح روز بروز پیدا ہونے والے نئے پھول اِس خطے کو اسرائیل کے لیے کبھی خالی نہیں ہونے دیں گے۔ یہاں کی عورت بھی بڑے بہادر ہے۔ بُرے سے بُرے حالات میں بھی نئے پھولوں کو جنم دینے سے انکار نہیں کرے گی۔"

بڑے جوش سے عورت کو سراہتے ہوئے سالک۔ "سب مانتے ہیں۔ عورت کے وجود سے ہی اِس کائنات میں رنگ ہیں۔ یہ پھول کِھلانے کے علاوہ ہر مشکل میں آپ کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔"

☆......☆......☆

اِس خطے میں مکمل امن قائم ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ خطہ کوہ نور ہیرا ہے۔ جس کو چھیننے والے بہت ہیں۔ ویسے بھی آپ کے پاس قیمتی چیز ہوتو آپ ہر وقت مشکل میں ہی رہتے ہو۔ ہر دور میں بڑے بڑے بادشاہوں نے اِس خطے کو پانے کے لیے جنگیں لڑی ہیں۔ اِس کے باشندوں کو محکوم رکھا ہے۔

اِس نے تو وقفے وقفے سے تھوڑا بہت جاری رہنا تھا۔ انشال اور سالک کو آئے دو سال سے اوپر وقت ہو گیا تھا۔ حالات اب پہلے کی طرح برے نہ تھے۔ پرندوں کی طرح اِن دونوں نے بھی لاشعوری طور پر واپسی کا سوچ لیا تھا۔ مگر ابھی تک باقاعدہ منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ سائرہ کی اُمید ابھی تک قائم و دائم تھی۔ کہتے ہیں نا بچھڑا اور چھوڑ کر جانے والوں کی آس رہتی ہے۔ صرف اُن کی آس ختم ہوتی ہے جن کو ہم اپنے ہاتھوں سے دفن کرتے ہیں۔ یہی حالت سائرہ کی تھی۔ باپ کی آس نہیں تھی مگر بہن اور ماں کی تھی۔

جیسے جیسے لوگ آباد ہو رہے تھے ویسے ویسے سالک کو لگ رہا تھا۔ اب اُس کے بھی آباد ہونے کا وقت آ رہا ہے۔ وہ اِن لوگوں کی مدد میں خود کو بھول گیا تھا۔ اگر کوئی رات یا دن میں اُس کو مدد کے لیے بلاتا تھا تو وہ انکار نہیں کرتا تھا۔ ہر ایک کی مدد کے لیے ہمہ تن گوش رہتا تھا۔ جیسے وہ اُس کی ذمہ داری ہو۔

ایک دن وہ کھانا کھا رہا تھا تو دروازے پر دستک ہوئی۔ کوئی آدمی اُس کو بلانے آیا۔ وہ کھانا چھوڑ کر چل پڑا۔

اُس نے پہلے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا سائرہ۔ ''پانچ منٹ میں تھوڑا سا تو کھالیں۔ پہلے صبح سے بھوکے ہیں۔''

اُس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر۔ ''شاید! دروازے پر آنے والے کی تکلیف میری بھوک سے زیادہ ہو۔ جو اس کو میرے دروازے پر لے آئی ہے۔''

وہ اُس کے ساتھ چل پڑا تو انشال بھی اُس کے پیچھے بھاگا۔ انشال ہر وہ کام کرتا تھا جو سالک کرے۔ اُس سے زیادہ سالک کا کوئی فرمانبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ لگتا تھا وہ اپنی بہن کی محبت میں اُس کی حفاظت کرتا۔ اطاعت بھی کرتا تھا اس کے دوسرے کے لیے پرخلوص ہونے کی وجہ سے۔

واپسی کی باتیں ہو رہی تھیں تو سائرہ۔''وہ مجھے نہیں ملی۔لیکن پھر بھی کم از کم ملنے کی اُمید باقی ہے۔یہ اُمید ہی میرے لیے کافی ہے۔''

چہرے پر خوشی کے تاثرات کے ساتھ سالک۔''اُمید زندہ رہنے کے لیے کافی ہے۔آج میں بھی خوش ہوں۔حسینہ سے ملنے کی اُمید جو ہوگئی ہے۔

اُس کو جا کر بتاؤں گا کہ میں اُس کو کتنی محبت کرتا ہوں۔

دنیا کیا آخرت میں بھی اُس کا ساتھ چاہتا ہوں۔

وہاں پہنچ کر سیدھا اُس کے پاس جاؤں گا۔ہاتھ پکڑ کر اُس کو گھر لے جاؤں گا۔

میں رخصتی کا بھی انتظار نہیں کروں گا۔

اُس کو سامنے بیٹھا کر جی بھر کر دیکھوں گا۔''

پھر سوچتے ہوئے سالک۔''پتہ نہیں! پیاس بجھے گی بھی یا نہیں۔''

''بھائی! آپ حسینہ سے اتنی محبت کرتے ہیں۔

کتنی وہ خوش قسمت ہے کہ آپ جیسا انسان اُس سے محبت کرتا ہے۔یہاں تو مرد کسی عورت کا انتظار نہیں کرتا۔''

''وہ نہیں میں خوش قسمت ہوں کہ وہ میری ہے۔

تم نے اُس کو دیکھا نہیں!

دیکھو گی تو جانو گی۔حسن اور پاکیزگی کا ملاپ کیا ہوتا ہے۔

سائرہ! تم کو پتہ ہے اس سے ملنے سے پہلے میری بہن تاشہ نے کہا تھا۔اُس کو دیکھ کر انسان سانس لینا بھول جاتا ہے۔

تو میں نے اُس کا مذاق اڑایا۔

اُس کو دیکھا تو جانا، اُس کو دیکھ کر انسان اپنے وجود کو بھول جاتا ہے۔وہ ہے بھی یا نہیں۔''

اُس کی باتیں سن کر سائرہ بس یہ جان پا رہی تھی وفا کس مولی کا نام ہے۔سالک جو بتانا چاہ رہا

تھا اُس نقطے کو نہیں۔

چپ چاپ بیٹھا انشال جو ساری باتیں سن رہا تھا۔ دِل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ آخر کار اب سالک بھی اُس کے لیے تڑپ رہا ہے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ سالک نے دروازہ کھولا تو ایک آدمی کو پایا۔ اِس سے پہلے سالک کچھ پوچھتا آدمی۔ ''آپ ڈاکٹر سالک ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''آپ میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔ گھر پر ایک فرد بہت بیمار ہے وہ چل نہیں سکتا۔ اِس لیے آپ کو تکلیف دی ہے۔''

وہ دروازے سے ہی چلا گیا۔ اندر اِس لیے نہیں آیا کیونکہ اُس کو پتہ تھا انشال اُس کو اکیلا جانے نہیں دے گا۔

جب کافی دیر تک سالک نہیں آیا تو انشال نے باہر جا کر دیکھا کوئی نہ تھا۔ اُن کی خدمت کرنے والے شخص سے پوچھا تو اُس نے بتایا وہ ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ میں سمجھا وہ اُس کو جانتے ہیں۔

فضاء ایسے مہک رہی تھی جیسے بہار آئی ہو۔ سالک کے چہرے پر ایک مسکراہٹ حسینہ کو دیکھ کر آگئی۔ سالک نے حسینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ خوشی سے حسینہ نے اُس کو دیکھا۔ آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑنے لگی تو اُس کی آنکھ کھل گئی۔

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہ بستر پر تھی۔ پریشان سی ہو کر اپنی سہیلی ماں جی کے پاس پہنچ گئی۔ اُس کو صبح صبح ماں جی دیکھ کر۔ ''کیا ہوا میری شہزادی کو؟''

پریشان سی ہو کر حسینہ۔ ''میں نے خواب دیکھا سالک میری طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے جب میں نے ہاتھ پکڑنا چاہا تو میری آنکھیں کھل گئیں۔''

''کچھ نہیں یہ سارا تمھارا وہم ہے۔ بلکہ یوں کہو جو ہو رہا ہے وہ تمھارے ذہن میں نقش ہو گیا ہے۔ اِس لیے اُلٹے سیدھے خواب دیکھتی ہو۔ وہ تو پہلے ہی تمھارا ہاتھ پکڑتے پکڑتے چھوڑ گیا ہے۔''

''پتہ نہیں کیوں آپ کی بات دل کو نہیں لگی۔ شاید آپ ٹھیک ہی ہیں۔''

چائے کا کپ عثمان سانگھڑ کی طرف بڑھاتے ہوئے نفیسہ بیگم۔ ”عثمان صاحب! یہ رب نے والدین کے دل اتنے حساس کیوں بنائے ہیں۔“

اس کی طرف دیکھتے ہوئے عثمان اخبار کو ایک طرف رکھتے ہوئے۔ ”کیوں اب کیا ہوگیا ہے؟“

”ہوا یہ کہ میں ایک خواب دو دن سے دیکھ رہی ہوں۔ سالک گھر واپس آنے لگتا ہے پھر آتے آتے رہ جاتا ہے۔“

”بیگم! بالکل ایسا خواب مجھے بھی آ رہا ہے۔ میں نے کسی سے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔“

پاس بیٹھا تاجیل ماں باپ کی باتیں سن رہا تھا۔ سوچنے لگا ”آج دونوں کو فون کر کے حال احوال پوچھتا ہوں۔“

جیسے ہی تاجیل کے چہرے کے رنگ بدلے تو عثمان۔ ”تم کو ماں باپ کی باتیں عجیب لگ رہی ہیں۔ کوئی بات نہیں باپ بنو گے تو پتہ چلے گا۔ ماں کا دل تو آئینہ ہوتا ہے۔ جو اولاد کی ہر حرکات و سکنات دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ بھی جو وہ چھپائے ہوتے ہیں۔“

پاگلوں کی طرح سالک کو ہر جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ جس گروپ کے ذریعے وہ آئے تھے اُن کو بھی اُس نے اطلاع دی۔ لیکن ہر جگہ ناکامی ہی ناکامی تھی۔ یہ ناکامی اُس کے لیے پریشانی کو بڑھا رہی تھی۔

دوسری طرف تاجیل کا فون آ رہا تھا مگر وہ کال لے نہیں رہا تھا۔

تسلی دیتے ہوئے انشال کو۔ ”تم فون تو اٹھاؤ۔“

”کیا بتاؤں تاجیل بھائی کو؟

یہ کہ سالک غائب ہے۔

مجھ میں یہ کہنے کی ہمت نہیں۔

بتاؤ! کہاں سے لاؤں اتنی ہمت؟“

اُس کو انشال کے سوالوں نے لاجواب کر دیا تھا۔ وہ چپ بیٹھ گئی تو انشال۔ ”یہ حسینہ کے نصیب اتنے ٹھنڈے کیوں ہیں۔

اُس نصیبوں جلی کا گھر بستا بستا اُجڑ جاتا ہے۔''
آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ سائرہ کو دیکھتے ہوئے۔''ایسا کیوں ہے؟ سالک بھائی کہتے تھے
کوئی اس کو بتائے وہ اُس کے ہیں۔
اب کیا بتاؤں گا؟
یہ کہ وہ کبھی بھی اُس کے نہیں تھے۔''
وہ جان سکتی تھی اپنوں کا غم کیا ہوتا ہے۔ چپ چاپ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔
جیسے دنیا سے الفاظ ختم ہو گئے ہوں۔
اُس کی کال نہ لینے پر تاجیل سوچ میں پڑ گیا۔ خود سے۔''سالک کا فون بند ہے اور انشال کال
لے نہیں رہا۔ آخر ماجرا کیا ہے؟''
جب مسلسل تین دن کوشش کے باوجود بات نہ ہوئی تو تاجیل کے بھی طوطے اُڑ گئے۔ اُس کو
اپنے والدین کی بات سچ لگنے لگی۔ زرمین نے بھی اُس کو زندگی میں پہلی مرتبہ اِس قدر پریشان دیکھا
تو۔''آپ کے آج کل کیوں طوطے اُڑے رہتے ہیں؟''
''طوطے اُڑے میرے دشمنوں کے۔
مجھے کیا ہونا ہے؟''
''دشمنوں کو کوسنے سے پہلے یہ جان لیں کہ آپ فلاپ ایکٹر ہیں۔''
''تم میرا بیگ تیار کروا دو۔
مجھے ذرا ضروری کام سے جانا ہے۔''
''ایک تو مجھے آپ کے ضروری کاموں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ لیکن میں جتنی بھی کوشش کر لوں
آپ بتانے والے نہیں۔
اِس لیے میں اتنی انرجی ضائع کرنے والی بھی نہیں۔''
دو دن بعد وہ سیدھا انشال کے دروازے پر پہنچ گیا۔ ساتھ میں ابرار تھا۔ دستک دی تو انشال

آیا۔ دروازے پر اُس کو دیکھ کر سکتے میں آ گیا۔ بہر حال اندر لایا۔ سائرہ چائے لائی۔

اُس کو دیکھتے ہی تاجیل نے اُس کو سر پر پیار دیا۔ وہ اِس سر پر پیار کا مطلب جانتی تھی۔ اُس نے بھی تاجیل کو سلام کیا۔

چائے کپ میں ڈال کر سائرہ نے اُس کی طرف بڑھائی۔ اُس نے کپ لینے کی بجائے سوال داغ ڈالا۔ ''سالک کہاں ہے؟''

''بھائی! پتہ نہیں وہ کہاں غائب ہو گیا ہے؟''

غائب کے الفاظ نے تاجیل پر برف کی سل رکھ دی اور اُس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ آگے کچھ پوچھنے کی اُس میں سکت کہاں رہی تھی۔ وہ گرنے لگا تو انشال نے جلدی سے پکڑ لیا۔

جھٹ سے سائرہ۔ ''انھوں نے بھی اُس کو بہت تلاش کیا ہے۔''

اُس کی زبان پر اُردو سن کر تاجیل۔ ''یہ اُردو جانتی ہے؟''

''جی بھائی! اِس نے اُردو سیکھ لی ہوئی ہے۔''

''تم مجھے سب بتاؤ، کیا ہوا تھا؟''

''دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ وہ گئے اور پھر واپس نہیں آئے۔ البتہ تھوڑے دنوں بعد یہ خبر آتی ہے وہ زندہ ہیں۔ اِس سے زیادہ کوئی معلومات نہیں۔ میں نے بہت تلاش کیا ہے۔''

سوچتے ہوئے تاجیل۔ ''مطلب مضبوط ہاتھوں میں ہے۔

جہاں عام انسان نہیں پہنچ سکتا۔

مجھے بھی طاقت کا استعمال کرنا ہوگا۔''

''تاجیل بھائی! میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

با اثر تو تاجیل تھا۔ اُس کی پہنچ بھی ہر جگہ تھی۔ دوسرا یہ تو اُس کے دل پر لگا زخم تھا۔ جس کو مندمل کرنے کے لیے جو کچھ وہ کر سکتا تھا اُس نے کیا۔ جب آپ با اختیار ہوں تو پھر آپ اپنے زخم سینے کے لیے ہر طریقہ استعمال کرتے ہو۔ تاجیل نے بھی ایسا کیا۔ دو دِن کے بعد ابرار بڑے غمگین انداز میں۔

''سر! سالک صاحب کا پتہ نہیں چلا۔

صرف یہ معلومات ملی ہیں کہ وہ زندہ ہیں مگر کہاں ہیں کچھ پتہ نہیں۔''

''تم اپنے سارے ریسورسز استعمال کرو۔ خرچ کی فکر نہ کرو۔''

''سر! ہمارا پرانا تعلق ہے۔ مجھے اندازہ ہے آپ فیئر چلتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے آپ واپس چلے جائیں۔ میں آپ کو ساری معلومات دیتا رہوں گا۔''

مزید دو چار دن بعد تاجیل انشال سے۔ ''میں سوچ رہا ہوں واپس چلا جاؤں کیونکہ میرا زیادہ دن گھر سے غائب ہونا، مجھے گھر والوں کی نظر میں مشکوک کر رہا ہے۔ تم کچھ دیر یہاں رکو، ابرار تم کو معلومات دیتا رہے گا۔ تم مجھے اپ ڈیٹ کرتے رہنا۔''

بڑے دُکھی لہجے میں انشال۔ ''مجھے بھی سمجھ نہیں آ رہا۔ جیسے آپ کو بہتر لگتا ہے آپ کریں، میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

بوجھل دل کے ساتھ تاجیل گھر پہنچا۔ گھر میں بھی اُس کا دل اُدھر ہی اٹکا ہوا تھا۔ وہ کھویا کھویا رہنے لگا۔ اُس کے چہرے سے سکون غائب اور اُس کی جگہ سوچوں نے لے لی تھی۔ یہ سب کو اُس کی طرف متوجہ کر رہا تھا۔

باپ ایک بیٹا دور اور دوسرے کو یوں پریشان دیکھ کر عثمان۔ ''کیا بات ہے؟

وہ تمھاری دنیا کے ساتھ جو ریس تھی وہ غائب ہے۔''

''قدرت نے مجھے اِس ریس میں مات دے دی ہے۔ میں آج کل خود کو بہت بے بس پا رہا ہوں۔''

''کیوں کیا ہوا ہے؟''

''میرے سے بھی بڑے جن میرے سامنے آ کر کھڑے ہوں گے۔ مجھے آنکھیں دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں اب بتاؤ۔''

دل میں سوچنے لگا۔ ''آپ کو کیا بتاؤں؟

مجھے کون سا دکھ کھا رہا ہے؟''

پھر باپ سے۔ ’’آپ اور امی بھی تو پریشان رہنے لگے ہیں۔‘‘

اُس کی بات عثمان سانگھڑ کو مذاق لگی۔ دُکھ بھرے لہجے میں ہنستے ہوئے عثمان سانگھڑ۔

’’ہمارا تو دکھ تمھیں کچھ نہیں لگتا۔

ہیرے جیسا بیٹا ہم سے دور ہو گیا ہے۔ اُس کا کوئی پتہ بھی نہیں کیا ہمارا پریشان ہونا بنتا نہیں؟

اُس کی نشانی کو دیکھتا ہوں تو دِل پھٹتا ہے۔ اُس کا جینا بھی کوئی جینا ہے۔

بھائیوں جیسے دوست کا زبان سے کوئی شکوہ نہ کرنا۔ یہ کوئی دکھ نہیں لگتا۔

بیٹا!

یہ ہوتا ہے دُکھ۔ تم کیا جانو دکھ کو۔‘‘

پاس سے نفیسہ۔ ’’لیکن جی رہے ہیں۔ اِس اُمید پر وہ آئے گا۔‘‘

سوچتے ہوئے خود سے تاجیل۔ ’’میرا بھی تو دکھ آپ والا ہے مگر میری بے بسی دیکھو! بتا نہیں سکتا۔ آپ سے زیادہ مجبور ہوں۔‘‘

’’بیٹا جی! کیا سوچ رہے ہو۔‘‘

’’یہی کہ آپ درست فرما رہے ہیں۔‘‘

روز تاجیل اور انشال آپس میں بات کرتے اُس کے نہ ملنے پر تبصرہ کرتے۔ کرتے کرتے چھ ماہ گزر گئے۔ آخر کار تنگ آ کر تاجیل انشال سے۔ ’’تم واپس آ جاؤ۔ سب کی بس ہو گئی ہے۔

حسینہ کی زندگی قابلِ سوال ہے، آ کر اُس کو سچ بتا دو۔ تا کہ وہ زندگی کا کوئی مثبت فیصلہ کر لے۔‘‘

اِس مشورے کے بعد انشال اور سائرہ پاکستان آ گئے۔ اُن کو ایئر پورٹ سے لے کر سیدھا عبدالرحمٰن کے گھر پہنچ گیا۔

کہانی ختم ہوئی تو انشال۔ ’’پھر ہم تاجیل کے ساتھ یہاں آ گئے۔ اِس سارے سفر میں تاجیل بھائی نے بہت ساتھ دیا۔‘‘

وہ باتیں کر رہے تھے کہ نفیسہ بیگم بے ہوش ہو گئی۔ سب اُس کو دیکھنے لگ گئے۔ اُس کے ہاتھ

پاؤں ملے۔ اُس کو بستر پر لٹایا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کو ہوش آ گیا۔ تو انشال۔ ''ہم سب کو اُمید ہے وہ ضرور مل جائیں گے۔ آپ بھی اِس اُمید کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔''

آنسو کے ساتھ نفیسہ بیگم۔ ''کیا کروں ماں ہوں۔

پتھر جیسا دل کہاں سے لاؤں۔''

''آپ کو کرنا ہو گا ورنہ دوسری آپشن صرف وہ الفاظ ہیں جو میں بولنا نہیں چاہتا اور آپ سننا نہیں چاہتیں۔ حسینہ کو بھی دیکھیں۔''

''صرف اِس کو دیکھتی ہوں تو سانس چلتی ہے۔ ورنہ ہیرے کے بغیر جینا بھی کوئی جینا ہے۔''

پھر حسینہ کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر انشال۔ ''تم تو جیو گی نا؟''

شفقت بھرے ہاتھ نے دل کو ہلا دیا تو آنکھیں جھلک پڑیں۔ لیکن بڑے وثوق کے ساتھ حسینہ۔ ''دیوار اگر چہ کھڑے ہونے کے لیے سہارا دیتی ہے اگر گر بھی جائے تو اُس کی پڑی اینٹیں بھی سہارا دینے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ میرے لیے یہ اینٹیں ہی کافی ہیں۔ میں اُس کی ہوں اور اُس کی رہوں گی۔''

بڑے تپاک سے انشال۔ ''وہ بھی کہتا تھا...... کوئی اُس کو بتائے۔ میرے وجود کا رواں رواں اُس کا ہے۔ اور اُسی کا رہے گا۔ اُس جیسی دنیا میں کوئی نہیں۔''

''میرے لیے اُس کے الفاظ ہی زندگی گزارنے کے لیے کافی ہیں۔

☆......☆......☆

دونوں گھروں سے خوشیاں غائب ہو گئی تھیں۔ دونوں خاندان زندگی جی رہے تھے مگر پھیکی پھیکی۔ دونوں گھرانوں نے سائرہ کو بہت عزت دی۔ اُس کو احساس دلایا کہ وہ اُن کے خاندان کا حصہ ہے۔ اِس واقعہ کو چند دن ہی گزرے تھے کہ ابسان آ ٹپکا۔ وہ لیب میں کام کر رہی تھی اُس کو دیکھ کر حسینہ۔

''کیوں آ جاتے ہیں میرے زخم کریدنے۔

''میں اِن پر مرہم رکھنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے نہیں چاہیے۔

جس کو چاہیے اُس کو دو۔

مگر میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

ڈھٹائی سے ابسان۔''نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک تم زندگی جینا شروع نہیں کر دیتی۔''

''میں کروں یا نہ۔ آپ کو اِس سے مطلب۔''

''دنیا میں میرا ہی تو ہے۔''

اُس کے جانے کے بعد حسینہ سیدھی سارب اور انشال کے پاس پہنچ گئی۔ بڑے غصے سے۔

''آپ دونوں اُس کو منع کیوں نہیں کرتے۔''

بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے سارب۔''ماں جی اور امی کے سامنے مجبور ہوں۔''

مزید اضافہ کرتے ہوئے انشال۔''دونوں کیا سب تمھاری زندگی میں پھول کھلتے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

غصے سے جاتے جاتے۔''تو بس اِس طرح کھل گئے پھول۔''

اُس کے جانے کے بعد انشال۔''میں ماں جی سے بات کروں۔''

''سب فضول ہے انشال بھائی۔ میں نے اور رادیہ نے بہت کوشش کی تھی مگر سب بے سود گیا۔''

چند دن بعد پھر ابسان پھول لے کر حسینہ کے پاس حاضری کے لیے پہنچ گیا۔ پھول اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے۔''یہ آپ کے لیے ہیں۔''

صاف انکار کرتے ہوئے حسینہ۔''مگر مجھے تو پھول پسند ہی نہیں۔''

''میری معلومات کے مطابق! پھول آپ کی کمزوری ہیں۔''

''جس نے بھی آپ کو معلومات دی ہیں اُس کا دماغ خراب ہوگا۔ میں تو بس یہ ہی کہوں گی۔''

''اُس کے ساتھ ساتھ میرا بھی ہوگیا ہے اور جن کے دماغ خراب ہوتے ہیں وہی تو تمھارے پیچھے آتے ہیں۔

ورنہ صحیح دماغ والوں کو تو تم جیسی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔ اُن کو پاؤں کے ساتھ پاؤں ملا کر چلنے

والی اچھی لگتی ہیں۔ تمھارے کیس میں ڈونر بننا پڑتا ہے۔ بندے کو یقین ہوتا ہے تم سے کچھ ملنے والا نہیں۔ سوسائٹی کیا؟ تم تو پارٹی میں بھی ساتھ نہیں دے سکتی ہو۔"

"جب پتہ ہے سب تو پھر مت چکر کاٹیں۔"

"دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر سب کر رہا ہوں۔"

"دل پر پتھر رکھ دیں۔ پارٹی اور سوسائٹی میں ساتھ چلنے والی لڑکی دیکھ لیں۔"

ہنس کر ابسان اُس کی طرف دیکھتے ہوئے۔ "مشورے کا شکریہ! مجھے صرف تم کو دیکھنا ہے۔ چاہے مٹی ہو یا سونا ہو۔"

غصے سے حسینہ۔ "اِس وقت میرا بات کا موڈ نہیں۔ آپ مہربانی فرما کر تشریف لے جائیں۔"

"ٹھیک ہے پھر آؤں گا۔"

آج کل گھر میں ابسان کی باتیں ہو رہی تھیں تو سائرہ انشال سے۔ "سالک بھائی ٹھیک کہتے تھے کہ وہ خوش قسمت ہیں۔ تمھاری بہن حسن کے ساتھ وفا کی پیکر ہے۔ اِس کی جگہ کوئی عربی عورت ہوتی اُس نے شادی کر لینی تھی۔ حالانکہ شادی گناہ نہیں۔ مگر حسینہ اُس کے انتظار میں بیٹھی ہے جس کے ملنے کی کوئی اُمید نہیں۔ ابسان خوبصورت ہے ویل ایجوکیٹڈ بھی ہیں۔ مگر نہیں۔ سالک بھائی بھی کمال تھے۔ ایسی لڑکی کی قربانی دی۔"

خوش ہوتے ہوئے جوش سے انشال۔ "یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ ابسان جتنی بھی کوشش کرے ناکام ہے۔ مجھے، رادیہ اور سارب کو پتہ ہے۔"

پاس بیٹھا سارب۔ "میں تو کہتا ہوں، باقی سب کو کون سمجھائے کہ اُس کو روز روز ٹھیس مت پہنچاؤ۔ مگر کوئی مانتا ہی نہیں۔"

بڑے دکھی انداز میں تاشہ۔ ''میں نہیں بولتی۔ سب سمجھیں گے بھائی کی نشانی ہے۔ اس لیے کہہ رہی ہے۔ اُس کی خوشی نہیں چاہتی۔''

وہ باتیں کر رہے تھے کہ ابسان آ گیا۔ انھوں نے اُس کو عزت سے بٹھایا۔ تاشہ نے چائے پیش کی۔ اُس کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے انشال۔ ''کتنی کامیابی ہوئی ہے۔''

''کامیابی کا تو ابھی نشان بھی نظر نہیں آیا۔ مگر میرا عزم ہے اِس کو زندگی دے کر رہوں گا۔ یہ میرے الفاظ نہیں۔ آپ سب کو کر کے بھی دکھاؤں گا۔''

اُس کا عزم دیکھتے ہوئے سارب اور انشال۔ ''اللہ کرے تم کامیاب ہو۔''

وہ حسبِ معمول لیب میں کام کر رہی تھی۔ جا کر ابسان۔ ''اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے ہیرے کے لیے ہیرا لایا ہوں۔''

بریسلٹ اُس کے آگے کرتے ہوئے ابسان۔ ''آپ کے لیے۔''

اُس نے ایک نظر دیکھا پھر کام میں لگ گئی۔ ''اِس کی قیمت پچاس لاکھ ہے صرف ہیرے لگے ہیں۔''

''اِس لیے تو ایک نظر دیکھا ہے کہ تم یہ نا سمجھو کہ دیکھا نہیں تو پتہ نہیں کس چیز کو ٹھکرا رہی ہوں۔''

''سچ میں ہیروں سے بھرا ہوا ہے۔''

''تو پھر؟''

''تو پھر پہن لو۔

تم کو پہننا چاہیے۔

قدر و قیمت کے مطابق آپ کی کلائی کے قابل ہے۔''

اُس نے ابسان کے ہاتھ سے لیا اور کچرہ دان میں ڈال دیا۔ اُس کو حیرت سے دیکھتے ہوئے ابسان۔ ''یہ کیا تھا۔''

سخت لہجے میں حسینہ۔ ''میرے نزدیک اِس کی قدر و قیمت۔''

پھر غور سے غصے والی آنکھوں کے ساتھ۔ ''اِس کی بجائے سالک میرے کانچ کی دو چوڑیاں بھی

لائے تو اُن کی قیمت اِس سے چوگنی ہوگی۔ اُن کو پیار سے کلائی کی زینت بناؤں گی۔ چاہوں گی کہ سب دیکھیں اور لانے والے کا نام بھی پوچھیں۔''

دِل میں ابسان۔ ''پاگل ہے، بہر حال کوئی بات نہیں میں بھی ہار ماننے والا نہیں۔''

کچرے دان سے نکالتے ہوئے ابسان۔ ''بہت مل جائیں گی اِس بریسلٹ کو لینے والیں، اُن کو دے دوں گا۔ یہ بتا بھی دوں گا کہ کچرہ دان سے نکالا ہے۔ پھر بھی تیار ہوں گی۔''

بڑی لاپرواہی سے حسینہ۔ ''اچھی بات ہے۔ بس مجھے یہ بتائیں کہ آپ آنا کب چھوڑیں گے۔''

جاتے جاتے ڈھٹائی سے ابسان۔ ''زندگی بھر نہیں۔''

کچھ دن بعد کلثوم بیگم نے عثمان کے پورے خاندان کے افراد کو کھانے کی دعوت پر بلایا۔ اُس دن ابسان بھی آ گیا۔ رادیہ اور شامہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ اُس نے حسینہ کو لان میں پھولوں کے پاس ٹہلتے ہوئے دیکھا مگر سیدھا اندر چلا گیا۔ سب سے سلام دعا کرتے ہوئے ابسان۔

''آج میں حسینہ کو خوشیاں دے کر جاؤں گا۔''

بڑے جوش سے ماں جی اور شامہ جو ابسان کی حامی تھیں۔ ''آمین''

ساتھ ہی ماں جی۔ ''بیٹا! تم ایسا کر دو تو میں تمھاری مقروض ہو جاؤں گی۔ جو کہو گے تمھارے لیے کروں گی۔''

بڑے پر سکون انداز میں عبدالرحمٰن تارڑ۔ ''میرے لیے بیٹی کی خوشی اہم ہے وہ جیسے بھی رہے۔''

اُس کا ساتھ دیتے ہوئے عثمان سانگھڑ۔ ''ہمارے پورے گھر کے لیے حسینہ اہم ہے۔''

باقی سب خاموش رہے۔ وہ حسینہ کے پاس لان میں چلا گیا تو اُس کو آتے دیکھ کر حسینہ نے منہ پھیر لیا۔ بڑے تپاک سے ابسان۔ ''السلام و علیکم۔''

اُس کو کوئی جواب نہ دیا تو ابسان۔ ''تم مسلمان نہیں۔''

''میں ہوں یا نہیں، اِس سے آپ کو مطلب؟''

"میرا ہی تو دنیا میں تم سے مطلب ہے۔ جس انسان کا وجود نہیں، اُس کے لیے بے وقوفوں کی طرح کھڑے رہنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ مجھے تو سمجھ ہی نہیں آرہا۔"

غصے سے حسینہ۔ "تو مت سمجھیں۔

کس نے پیغام بھیجا ہے۔"

سنجیدگی سے ابسان اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔ "وہ مر چکا ہے اِس بات کو سمجھو۔"

اِن الفاظ کا سننا تھا کہ بغیر سوچ سمجھے حسینہ نے تھپڑ ابسان کے منہ پر دے مارا۔ ٹس سے مس ہوئے بغیر ابسان۔ "جو حقیقت ہے اِس کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں۔

آئی بڑی اُس کا انتظار کرنے والی......

تم اِس اُمید پر ہو کہ وہ زندہ ہے۔"

"جو بھی ہے۔ مجھے دوسرا انسان نہیں چاہیے۔"

"وہ اب اِس دنیا میں نہیں، مجھے ہفتے تک بتا دینا۔ میں سہرا باندھ کر آجاؤں گا۔"

پھر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ابسان۔ "اگر تمھیں لگتا ہے میں تمھارے راستے سے ہٹ جاؤں گا، اِس معمولی تھپڑ سے ڈر کر تو تمھاری بھول ہے۔"

وہ اُس کو دیکھی جا رہی تھی اُس کا اُس پر دھونس جمانا۔ حسینہ کو حیران و پریشان کر رہا تھا۔ اُس نے ابسان کو ایسا کوئی حق نہیں دیا تھا پھر بھی وہ اپنا حق ظاہر کر رہا تھا۔

"میں بدھ کے روز آؤں گا۔"

جاتے جاتے۔ "تمھیں میرا ہونا پڑے گا سمجھی!"

وہ دیکھتی رہ گئی اور وہ چلا گیا۔ اندر جا کر سب سے۔ "میں آپ سب کو بتاتا ہوں۔ میں کون ہوں؟ مزید یہ کہ سالک کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

وہ بتانے لگا سالک کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی کہ وہ ہر ایک کی مدد کرتا ہے بغیر سوچے سمجھے۔ بعض اوقات یہ مدد ہی آپ کو مروانے کے لیے کافی ہوتی ہے کسی اور دشمن کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دروازے پر دستک ہوئی سالک نے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک آدمی پریشان حال کھڑا تھا۔ سالک تو پھر ہمدردانہ دل رکھتا تھا۔ کوئی عام بھی ہوتا تو اس کو بھی ترس آجاتا۔ التجائیہ لہجے میں آدمی۔ ''ہمارے گھر میں ایک فرد بہت بیمار ہے چل نہیں سکتا، مہربانی فرما کر آپ میرے ساتھ جا کر اُس کو دیکھ لیں۔''

''تم پریشان مت ہو۔ میں جانے کو تیار ہوں۔''

اندر جانے لگا تو پھر یہ سوچ کر رُک گیا۔ ''اگر اندر گیا تو انشال کو بتایا تو وہ بھی ساتھ چل پڑے گا۔ پہلے ہی سارے دن کا تھکا ہوا ہے تھوڑا سا آرام کر لے۔ سائرہ کے ساتھ بھی تھوڑا وقت گزار لے۔'' سوچ کر رُک گیا اور اُس کے ساتھ چل پڑا۔ سینٹر سے کچھ تھوڑا دور تک وہ سالک کے ساتھ چلتا رہا پھر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ آدمی نے سالک کو اُس میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ سالک نے کوئی سوال نہ کیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

گاڑی مسلسل گھنٹہ بھر چلتی جا رہی تھی۔ اِس گھنٹے نے سالک کو سوچنے پر مجبور کیا آخر وہ کہاں جا رہے ہیں؟

اب سوچنے کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔ آگے کنواں اور پیچھے کھائی تھی۔ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ یہ سوچ کر کہ جہاں قسمت لے گی جانا پڑے گا۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔

مزید گھنٹے بھر میں وہ منزل تک پہنچ گئی۔ یہ ایک ویرانہ تھا۔ ایک بڑے سے قلعہ کی مانند عمارت میں اُس کو لے گئے۔ ایک بڑے رعب دار شخص نمودار ہوا۔ اُس نے سالک کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ وہ اُس کو ایک کمرے میں لے گیا۔ وہاں پر ایک درمیانی عمر کا شخص بستر پر لیٹا تھا۔ اُس کو دیکھ کر وہ بولا۔ ''اِس کو لیور کینسر ہے اور آپ لیور اسپیشلسٹ ہیں۔'' وہ بول رہا تھا اور سالک سن رہا تھا۔ ''جب آپ پاکستان میں تھے آپ نے حسینہ نامی ایک عورت کا علاج کیا تھا جو آخری سٹیج پر تھی۔ جب سب ڈاکٹرز ناکام ہو گئے تھے، آپ امریکی نیشنل ڈاکٹر ہیں۔ لوگوں کا علاج پروفیشنل بن کر نہیں اپنا جان کر کرتے ہیں۔ آپ یہاں انسانیت کے لیے آئے ہیں۔ آپ کے ساتھ ڈاکٹر انشال بھی ہیں۔ اُس کی آپ فکر نہ کریں اُن کو کچھ نہیں ہوگا۔ ہم آپ کو مجبوری میں یہاں لائے ہیں۔ آپ کو اِس کا علاج کرنا

ہوگا۔" اُس کے بارے میں اِس قدر معلومات نے سالک کو پریشان کر دیا اور یہ بھی باور کروا دیا وہ عام لوگ نہیں۔

اُس کو سوچتے دیکھ کر آدمی بولا۔ "کیا سوچ رہے ہیں۔ آپ یہاں سے تب تک نہیں جا سکتے جب تک یہ مریض ٹھیک نہیں ہو جاتا۔"

"مجھے اِس کے علاج کرنے پر کوئی اعتراض نہیں مگر انشال میری وجہ سے پریشان ہوگا۔"

"آپ بے فکر ہو جائیں اُس کو آپ کی خیریت کی اطلاع دے دی جائے گی۔" اُس کا انداز حکمانہ تھا۔

اُنھوں نے سالک کو بڑے معزز انداز میں رکھا۔ اُس کو ہر سہولت دی۔ مگر اُس کا فون لے لیا۔ سالک نے علاج شروع کر دیا۔ وہ اُن کو جو جو کہتے وہ کرتے۔ جو دوائی لکھ کر دیتا وہ دوائی اُس تک پہنچ جاتی تھی۔ ہفتے بعد سالک مریض کے پاس گیا تو دیکھا ایک اور شخص بھی اُس آدمی کے ساتھ مریض کے پاس کھڑا تھا۔ آدمی بولا۔

"یہ ڈاکٹر ابسان ہیں۔ یہ بھی لیور سپیشلسٹ ہیں۔ یہ بھی آپ کے ساتھ مل کر اِس کا علاج کریں گے۔"

اُس شخص کی آنکھوں میں نمی تھی جس کو اُس نے بڑے اچھے طریقے سے صاف کر لیا۔ "یہ نہیں کہ ہمیں آپ پر اعتبار نہیں۔ بھروسہ بہت ہے، لیکن ایک اکیلا اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔"

اُس کا علاج کرتے کرتے سالک اور ابسان کی دوستی ہو گئی۔ وہ یہ اطلاع انشال تک پہنچانے دیتے تھے کہ سالک زندہ ہے۔ خدمت گار انشال سے۔ "ایک آدمی آیا تھا بتا کر چلا گیا ہے کہ سالک صاحب خیر سے ہیں۔ میں نے اُس سے بہت پوچھنے کی کوشش کی کہ کہاں سے آیا ہے اور سالک صاحب کہاں ہیں؟ وہ جلدی سے غائب ہو گیا۔"

"وہ تمھیں کہیں نظر آئے تو مجھے بتانا اور اگر اب آئے تو پکڑ کر رکھنا۔"

"جی انشال صاحب۔"

اگلی مرتبہ اطلاع کہیں اور سے آئی بتانے والا بتاتے ہی غائب ہو گیا۔ اِس آنکھ مچولی میں انشال اُس کو پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ فارغ اوقات میں سالک حسینہ کی تصویر نکال کر اُسی کو دیکھتا رہتا تھا۔ اکثر ابسان نے دیکھا تو ایک دن پوچھ ہی لیا۔

''کون ہے؟ یقیناً محبوبہ ہوگی۔ بیوی کو کون اتنا یاد کرتا ہے۔''

''ہمارا نکاح ہوا ہوا ہے۔''

''وہی تو! ابھی پانے کی کسک باقی ہے۔''

پھر سالک نے اُس کو ساری کہانی سنائی۔ ''یار! ایک مشورہ دوں۔ اِس کو بھول جاؤ، اب تک تو وہ کسی اور کی بیوی ہوگی۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''یار! عقل کے ناخن لو۔ ڈھائی سال سے تم ادھر ہو۔ دوسرا کوئی رابطہ بھی نہیں ہے۔ یہ اکیسویں صدی ہے تو پرانے زمانے کی بلکہ یوں کہو خوابوں کی بات کر رہے ہو۔ میں عورت کو الزام نہیں دیتا مرد بھی کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ دونوں اچھی آپشن ڈھونڈتے ہیں۔''

بڑے جوش سے سالک۔ ''اُس نے میرا پندرہ سال انتظار کیا۔ جبکہ میرے آنے کی کوئی اُمید بھی نہ تھی۔ دل کہتا ہے اب بھی انتظار میں ہی ہوگی۔''

''تب وہ ناسمجھ ہوگی جذبات میں انتظار کیا۔ ہو سکتا ہے کوئی آپشن نہ ملی ہو۔''

''بہت آپشن تھیں اُس کے پاس۔'' بڑے سخت لہجے میں سالک۔ ''مانا! میں امریکہ میں پیدا ہوا ہوں لیکن میرا پاکستان سے بھی بڑا گہرا تعلق رہا ہے۔ سال میں دو مرتبہ ہم جاتے تھے۔ میں نے وہاں بھی ایک بھی ایسی وفا کا پیکر نہیں دیکھی۔ شوہر مر جاتے ہیں چار چار بچے جوان ہوتے ہیں تو عورتیں لو میرج کر لیتی ہیں۔ وہ کسی اور کی ہو کر تمھیں بھول چکی ہوگی۔''

غصے سے اٹھ کر سالک جانے لگا تو ابسان۔ ''شرط لگا لیتے ہیں۔''

''مجھے پتہ ہے وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔''

''تم خوابوں میں رہے ہو۔ اِس سے نکل آؤ اور اِس تصویر کو پھاڑ کر پھینک دو۔ جبکہ تم اُس کو طلاق کا بھی حق دے کر آئے ہو۔ یہ ممکن نہیں وہ تمھارا انتظار کر رہی ہو۔''

سالک نے اُس کی باتوں پر کان نہ دیا اور چلا گیا۔ اِن کو وہاں رہتے چھ ماہ گزر گئے۔ مریض میں کچھ بہتری تھی۔ پھر ایک دن ابسان سالک سے۔ ''تو پھر شرط لگا لو'' جب سالک نے کوئی جواب نہ دیا تو ابسان۔ ''دراصل تم ڈرتے ہو، ہار جاؤ گے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ حسینہ میرے ہی انتظار میں ہے۔''

''پہلی بات ہے پتہ نہیں۔ یہ لوگ ہمیں چھوڑتے بھی ہیں یا نہیں۔ یہاں سے جائیں گے۔

دوسری بات پتہ نہیں موقع ملتا بھی ہے یا نہیں۔

میرا تجربہ کہتا ہے وہ صرف اِس صورت میں تمھارا انتظار کر سکتی ہے کہ موقع نہ ملے ورنہ ممکن نہیں۔''

وہ پھر اٹھ کر جانے لگا تو ابسان۔ ''دیکھا ڈرتے ہو نا۔''

''ڈرتا نہیں۔ اب مزید ہمت نہیں اُس سے دور رہنے کی۔ میں تو دن گن رہا ہوں کب یہاں سے رہائی ملے۔ یہاں سے جا کر اُس کو پانا چاہتا ہوں اب مزید نہیں۔''

''چھ ماہ تو ہو گئے ہیں۔ پتہ نہیں رہائی حاصل کر بھی پائیں گے یا نہیں۔

میں تو سوچ چکا ہوں یہاں پر ہی مرنا ہے۔

اگر زندہ رہے تو مجھے اجازت دو میں ثابت کروں گا۔''

بڑے یقین سے سالک۔ ''مجھے تمھاری شرط منظور ہے۔ زندگی میں ایک جوا اور سہی۔''

مریض بہتر ہوتا گیا۔ وہ کافی بہتر ہوا تو انھوں نے ابسان کو جانے کے لیے کہا۔ مگر سالک کو ابھی مزید رُکنے کا حکم ملا۔

بڑی خوشی سے سالک۔ ''رہائی مبارک ہو۔ کل جا رہے ہو۔ میرا پتہ نہیں آؤں گا یا نہیں۔''

''انشاء اللہ بہتر ہو گا۔ بہتر کی اُمید رکھو۔''

پھر سوچتے ہوئے ابسان۔ ''شرط کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

ہنس کر سالک۔ ''رہائی سے زیادہ شرط میں دلچسپی؟''

''کیونکہ یہ شرط نہیں ایک ایڈونچر ہے اور ایڈونچر مجھے اچھے لگتے ہیں۔ تمھاری اجازت کے بغیر بھی جا کر حسینہ کو ایمپریس کر کے شادی کر سکتا ہوں۔ مگر تمھاری اجازت اِس لیے مانگ رہا ہوں کیونکہ ہمیں فارنر کو ایمانداری سکھائی جاتی ہے جو ہمارے اندر رچ بس گئی ہے۔ ہم اجازت کے بغیر کسی کی چیز کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ چاہے گود میں آ گرے۔''

''جاؤ تمھیں پوری اجازت ہے اگر حسینہ تمھاری ہوتی ہے تو اُس کو ایمپریس کر کے شادی کر لو۔ اگر انھوں نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تم سے رابطہ کر لوں گا تم مجھے بتا دینا۔ میں خود آ کر اُس کا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں دے دوں گا۔

اگر نہ بچ سکا تو پھر وہ ہو جائے گی تمھاری۔ تو تمھاری ہی رہے گی۔ نہ اِس دنیا میں میرا اُس سے واسطہ ہوگا اور نہ ہی اگلی دنیا میں۔

دیکھو! بتانا ضرور۔ مجھ میں بڑا ظرف ہے چیزوں کو قربان کرنے کا۔ جب اُس کے آنسو میرا دل چیر رہے تھے، میں تب کمزور نہیں پڑا تو اب بھی نہیں پڑوں گا۔ سب نے سنگ دل کے لقب سے نوازا تھا۔''

کہانی سمیٹتے ہوئے ابسان۔ ''میں وہاں سے سیدھا پاکستان آ گیا۔ آپ کے خاندان کا مجھے سب علم تھا۔ اِس لیے ڈھونڈنے میں مشکل نہیں ہوئی۔ پہلا فرد افنان ملا تو میں نے اِس سے ہی دوستی کر لی۔ دیکھا تو میں نے حسینہ کو پہلے ہی تھا۔ پارٹی میں پہچان کر اس کو زندگی میں شامل کرنے کی کوشش بھی شروع کر دی۔

دیکھا تو حسینہ میری سوچ سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اِس کی خوبصورتی کوئی عام نہ تھی۔ سحر انگیز، مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچنے والی۔ میں تو سالک کی ہمت کو داد دینے لگا۔

واقعی! سنگ دل تھا ورنہ سر کیے بغیر چھوڑ کر جانا آسان نہیں۔ انسان خود غرض ہو جاتا ہے۔

دوسرا یہ بھی مجھے اندازہ ہو گیا اِس کو سر کرنا کے ٹو کے سر کرنے کے مترادف ہے۔ آسانی دال نہیں گلے گی۔''

پھر میں نے خود سے کہا۔ ’’ہر لڑکی شروع میں اتنی ہی مشکل لگتی ہے مگر جلد ہی رام ہو جاتی ہے۔‘‘

ابھی اُس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی تو تاجیل۔ ’’سالک کہاں ہے؟‘‘

’’ایک ہفتے بعد بتاؤں گا۔ جب حسینہ جواب دے گی۔ حسینہ کو یقین ہو جائے گا۔‘‘ ابھی آگے بولنے لگتا ہے تو نفیسہ بیگم کو دیکھ کر الفاظ بدلتے ہوئے۔ ’’کہ سالک اب نہیں رہا۔‘‘

بات کو مکمل کرتے ہی وہ چلا گیا۔ ساتھ ہی خاموشی چھا گئی۔ سب ایک دوسرے کے منہ دیکھتے رہ گئے۔ بوجھل دل کے ساتھ عثمان سانگھڑ کا خاندان گھر چلا گیا۔ عبدالرحمٰن نے سب سے سخت لہجے میں کہہ دیا۔ ’’کوئی بندہ شرط کا حسینہ سے ذکر نہیں کرے گا۔‘‘

سب بیٹھے ہوئے تھے تو حسینہ آ کر باپ کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ باپ کے گھٹنوں پر رکھ کر نم آنکھوں کے ساتھ۔ ’’ابو! ایسان کہتا ہے سالک اب نہیں رہا۔ میں اُس کا مزید انتظار نہ کروں اور اُس کا ہاتھ تھام لوں۔

مگر کوئی بات نہیں۔ یہ میرا نصیب تھا۔

وہ نہیں رہا مگر میں اُس کی ہی رہنا چاہتی ہوں۔‘‘ آنسو اُس کی آنکھوں سے نکل کر عبدالرحمٰن کی گود میں آ گئے۔

’’میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے سالک کا ہی رہنے دیں۔ میں کچھ نہیں مانگوں گی۔ اگر آپ لوگ کہو گے تو کھانا بھی چھوڑ دوں گی۔ تاکہ اُس کے پاس چلی جاؤں۔‘‘

وہ بول رہی تھی اور آنسو اُس کا ساتھ دے رہے تھے۔ عبدالرحمٰن اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نم آنکھوں سے۔ ’’تم جیسے چاہو جیو میں تمھارے ساتھ ہوں۔ کوئی تمھیں مجبور نہیں کر سکتا۔ کھاؤ پیو اور زندگی کے دن پورے کرو اُس کی یادوں کے ساتھ۔ لیکن خوش رہو۔‘‘

جلدی سے آنسو صاف کرتے ہوئے حسینہ۔ ’’میں خوش رہوں گی۔‘‘

سارے سالک کے گھر والوں کی اِس ادھوری کہانی سے بہت بری حالت ہو گئی تھی۔ سب مردے لگ رہے تھے۔ بس اِس اُمید پر چل رہے تھے کہ نئی روح اُن کے جسموں میں ڈالی جائے گی تو

وہ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ کوئی کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا۔

تین دن بعد نفیسہ بیگم نے فون کیا تو کلثوم بیگم۔ ’’حسینہ تو پاگل ہی ہو گئی ہے۔ باپ سے کہتی ہے مجھ سے کھانا لے لو تا کہ میں اس کے پاس جلدی چلی جاؤں۔ مگر یہ نہ کہو کہ ابسان سے شادی کر لو۔‘‘

’’پھر بھائی نے کیا کہا؟‘‘

’’وہی تم خوش رہو۔ کوئی تمھیں مجبور نہیں کرے گا۔‘‘

’’پھر پتہ ہے اُس نے کیا کہا؟‘‘

’’کیا؟‘‘

آنسو صاف کر کے زبردستی ہنسنے لگی۔ ’’بھابی! سچ پوچھو تو ہم سب کے دل پھٹنے لگے۔ اُس کی بے بسی اور لاچارگی دیکھ کر۔‘‘

آنسو کے ساتھ نفیسہ بیگم۔ ’’اُس کو دیکھ کر ویسے کوئی کب جیتا ہے۔‘‘

سب سن رہے تھے۔ تاجیل سے تو برداشت نہ ہوا اُٹھ کر چلا گیا۔ مگر عثمان سانگھڑ دل پر پتھر رکھے بیٹھا رہا۔

ہفتے بعد ابسان کو دیکھتے ہی حسینہ۔ ’’میں نے مان لیا کہ وہ اب نہیں رہے۔‘‘

آنسوؤں کے ساتھ ہاتھ جوڑتے ہوئے۔ ’’اب اتنا ہی رہنے دینا اور کچھ نہ بولنا۔

مجھ پر رحم کرو مزید نہیں۔

میں اب بھی سالک کی ہی ہوں۔‘‘

مزید اصرار کرتے ہوئے اور اپنی حیثیت کا احساس دلاتے ہوئے۔ ’’سنو! اگر وہ امریکی ڈاکٹر تھا لیور سپیشلسٹ تو میں بھی ہوں۔

میرا اسٹیٹس بھی اُسکے برابر ہے۔

پھر میرا ہاتھ تھامنے میں کیا مسئلہ ہے؟‘‘

’’میرا دل، میرا وجود اس کا ہے۔

میں کیسے کسی اور کی ہو جاؤں۔

خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔

مجھے جینے دو ورنہ گولی مار دو۔

مگر اُس کی رہنے دو۔"

اُس کے آنسوؤں نے ابسان کا دل بھی ہلا دیا۔"میں کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔

جاؤ خوش رہو

جیسے چاہو۔"

اندر جا کر سب کے سامنے دونوں خاندان جمع تھے ابسان۔"یہاں میں حسینہ پہاڑ کو سر کرنے کی کوشش میں تھا مگر وہ میرے سامنے ایسی رکاوٹیں، رکاوٹیں کہنا غلط ہوگا پتھر رکھ رہی تھی جو ظاہری طور پر تو مشکل تھے ہٹانے مگر اندر سے بھی میرے دل کو بتا رہے تھے تم اُس کا سینہ چیر کر دل نکالنے کی کوشش کر رہے ہو جو اُس کو صرف اور صرف تکلیف دے رہا ہے اور کچھ نہیں۔ تھوڑے عرصے بعد اُن کا مریض مکمل ٹھیک ہو گیا۔ شاید اللہ کو حسینہ پر ترس آ گیا اور سالک کا اُس کے لیے تڑپنا اللہ کی رحمت کا باعث بن گیا۔ انھوں نے سالک کو بحفاظت اُن کی رہائش گاہ تک پہنچایا۔ انشال پاکستان آ چکا تھا۔ سالک نے مجھے فون کیا۔ میں نمبر دیکھ کر حیران ہوا۔ نمبر انجان تھا فون اُٹھایا تو دوسری طرف سے۔

"ابسان! میں سالک ہوں۔ انھوں نے مجھے صحیح سلامت رہائی دے دی ہے۔"

پوچھتے ہوئے سالک کی زبان لڑکھڑا رہی تھی اور دل کانپ رہا تھا مگر پورے یقین کے ساتھ پوچھنے لگا کیونکہ اُس کو پتہ تھا حسینہ اس کی ہے۔"اب بتاؤ! تم جیت گئے ہو؟"

"جیتا تو نہیں مگر کوشش جاری ہے۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"تم میرے پاس پاکستان آ جاؤ صرف چند دنوں کا کھیل باقی ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

دو دن میں وہ میرے پاس پہنچ گیا۔ یہاں پر اُس کے دن نہیں گزر رہے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں گن رہا تھا۔ میں نے اُس کو دیکھا تو۔ ''اتنی بے چینی، آخری ہفتے کا کھیل ہے۔''

''یار! اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم اُس کا نام لیتے ہو تو دل پھٹنے لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے اُڑ کر اُس کے پاس پہنچ جاؤں۔''

''بس بدھ تک تمہارے دل کو یا تو قرار مل جائے گا ورنہ اِس کا ایسا لہو نکلے گا کہ تم خود سہہ نہیں پاؤ گے جو تمہاری حالت ہے۔ خود کو سنبھالو۔''

ابھی آگے وہ بول ہی رہا تھا تو تاجیل۔ ''اب سالک کہاں ہے؟

ہمیں بتاؤ۔ بہت ہو گیا اب مزید نہیں۔''

ابھی الفاظ اُس کے منہ میں تھے کہ انشال اور سالک دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ اُس کو دیکھ کر سب کے دل باغ باغ ہو گئے۔ وہ سب سے پہلے ماں سے ملا تو نفیسہ بیگم اُس کو چوم چوم کر پاگل ہو رہی تھیں۔ پھر باپ سے گلے ملا سخت دل ہونے کے باوجود عثمان سانگھڑ کی آنکھیں نم تھیں۔ تاجیل زور سے اُس سے ملا۔ اُس نے آگے بڑھ کر ماں جی کو سلام کیا۔ ماں جی نے اُس کا ماتھا چوما۔ عبدالرحمٰن نے گلے لگایا۔ کلثوم بیگم نے پیار کیا۔ تاشہ گلے ملی۔ اُس نے رادیہ شامہ، سائرہ اور زرمین کے سر پر پیار دیا۔ اِن سے فارغ ہونے کے بعد جھٹ سے انشال سے ''حسینہ کہاں ہے؟''

جس کو اُس کی نظریں داخل ہوتے ساتھ ڈھونڈ رہی تھیں۔

''وہ لیب میں ہے اور کہاں ہونا ہے اُس نے۔''

پھر ابسان سے۔ ''اُس سے ملنے کی اجازت ہے۔''

اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ابسان۔ ''وہ تمہارے مقابلے میں کسی کو جیتنے کہاں دے گی۔

اور تمہارا دل اُس کو ہارنے کب دے گا۔ اُس کو ہمت دیتا رہے گا۔

وہ تمہاری ہی ہے۔

بس ایک التجاء ہے اس جیسی لڑکی پیار کے قابل ہے۔

پلیز اِس کو اتنا چاہنا جتنا کسی نے کسی کو نہ چاہا ہو۔ اظہار بھی کرنا۔ دل میں رکھ کر نہیں۔"

"مجھے بھی بڑی مشکل سے ملی ہے۔ اب اُس سے موت ہی جدا کرے گی۔"

بھاگ کر لیب میں گیا۔ وہ کیمیکل ملا رہی تھی۔ آنسو اُس کی آنکھوں میں تھے۔ وہ آنسو نہیں لہو تھا۔ اُس کو سامنے دیکھ کر وہ دیکھتی رہ گئی۔ سالک نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا۔ پھر بولا۔ "انکل! اب رخصتی کی تقریب کا مت کہیے گا۔

اب مزید نہیں۔ میں ابھی لے کر جا رہا ہوں۔"

اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سالک۔ "اِس نے بہت سہہ لیا اور اِس کے آنسوؤں نے بہہ بہہ کر میرے دل کے کونے کونے میں زخم کر دیئے ہیں۔ سانس لیتا ہوں تو خون کی بجائے یہ میرے پورے جسم میں سرایت کرتی ہے۔ میں بے چین ہو جاتا ہوں۔ اب مزید میں یہ بے چینی نہیں سہہ پا رہا۔"

بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر عبدالرحمٰن۔ "بیٹا! تمھاری ہے اِس کو لے جاؤ۔ رخصتی ہی رخصتی ہے۔ مگر اِس کو کوئی دکھ نہ دینا۔ بہت سہہ چکی۔"

ماں جی اور کلثوم نے گلے لگایا۔ انشال اور سارب نے گلے لگایا۔ باقی سب نے بھی پیار کیا۔ زور سے گلے لگ کر رادیہ "صدا خوش رہو۔"

گھر لے جا کر بستر پر بیٹھا کر اُس کے سامنے بیٹھ کر دیکھنے لگا۔ وہ شرم سے منہ نیچے کرنے لگی تو سالک۔ "یار! دیکھنے تو دو۔ بہت ترسا ہوں۔ دل کو سیراب تو ہونے دو۔ پیاس تو نہ جانے کب بجھے گی۔ تمھاری تصویر دیکھتا تھا تو ہوا سے کہتا تھا، جا کر اُس کو بتاؤ کوئی اُس کے لیے تڑپ رہا ہے۔ جس کو وہ سنگ دل کہتی ہو گی۔"

حیرت سے حسینہ۔ "تصویر میری۔"

مسکرا کر۔ "انشال سے لی تھی، لیکن اُس کو بتانے سے منع کیا تھا۔"

مسکرا کر حسینہ نے نظریں جھکا لیں۔ یوں رات گزر گئی۔ اگلے دن نفیسہ تو حسینہ کے صدقے جا رہی تھی۔ اُس کو تو جگہ نہیں مل رہی تھی اُس کو کہاں بٹھائے۔ عثمان سانگھڑ۔ "عبدالرحمٰن اور میرا فیصلہ

ہے تمھارا اور انشال کا ولیمہ اکٹھا کیا جائے۔''

پاس سے تاجیل۔ ''اُس کے لیے جمعہ کا دن مقرر ہوا ہے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جیسے آپ کی مرضی۔''

ولیمے کی تقریب بہت بڑی تھی۔ سب لوگ مدعو تھے۔ سب تصویریں بنا رہے تھے۔ چونکہ سالک نے ہسپتال کے سب لوگوں کو بھی دعوت دی تھی۔ سب آتے تو ڈاکٹر مناہل بھی آتی۔ ڈاکٹر مناہل اُن کو دیکھ کر سالک سے۔ ''بہت مبارک ہو۔ جوڑی بہت خوبصورت ہے۔

صدا خوش رہو۔''

بدلے میں مسکرا کر سالک۔ ''آپ کے بھی نصیب بہت اچھے ہوں۔''

بات کو سنی اَن سنی کرتے ہوئے مناہل۔ ''آپ نے ٹھیک کہا تھا۔

پکا ہوا پھل ضروری نہیں آپ کے نصیب میں ہو۔

میرے نصیبوں میں کچا پھل آیا ہے۔ لیکن زندگی جینی ہوتی ہے۔

دوسروں کو سوری کہنا آسان ہے۔

خود پر بیتے تو پتہ چلتا ہے۔''

اگر چہ سالک سب مہمانوں سے مل رہا تھا لیکن اس کی نظریں بار بار حسینہ کا ہی طواف کر رہی تھیں جو ہمیشہ کی طرح مطمئن تھی لیکن سالک میں وہ آگ لگ چکی تھی جو کبھی بجھنے والی نہ تھی۔ آخر کار حسینہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ تھام کر مسکرانے لگا۔ حسینہ بھی مسکرانے لگی۔



ختم شد